تجلیاتِ نبوّت

سیرتِ طیّبہ کی روشن روشن کرنوں سے منوّر

اسوۂ حسنہ کا خوبصورت تذکرہ

مولانا صفی الرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ

تحقیق وتخریج اور نقشوں سے مزین ایڈیشن

سیرت نگاری میں عالمی ایوارڈ یافتہ مصنف کے قلم سے

تجلیاتِ نبوت

سیرتِ طیبہ کی روشن روشن کرنوں سے منور

اسوۂ حسنہ کا خوبصورت تذکرہ

مولانا صفی الرحمن مبارکپوری حفظہ اللہ

دار السلام

کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور • کراچی

اسلام آباد • لندن • ہیوسٹن • نیویارک

دارالسلام
کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
DARUSSALAM

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پوسٹ بکس:22743 الریاض:11416 سعودی عرب فون:4033962-4043432 1 00966 فیکس:4021659
E-mail: darussalam@awalnet.net.sa - riyadh@dar-us-salam.com
Website: www.darussalam.com

- الریاض۔ العلیا۔ فون:4614483 01 فیکس:4644945
- الملز فون:4735220 01
- سویلم فون:2860422 01
- مندوب الریاض: موبائل:0503459695
- قصیم (بریدہ) فون/فیکس:3696124 06 موبائل:0503417156
- مکہ مکرمہ: موبائل:0502839948
- مدینہ منورہ فون:8234446 04 فیکس:8151121 موبائل:0504296740
- جدہ فون:6879254 02 فیکس:6336270
- الخبر فون:8692900 03 فیکس:8691551
- ینبع البحر فون/فیکس:3908027 04
- خمیس مشیط فون/فیکس:2207055 07

شارجہ فون:5632623 6 00971
امریکہ ہوسٹن:7220419 713 001 • نیویارک:6255925 718 001
لندن فون:4885 539 208 0044
آسٹریلیا فون:4040 9758 2 0061

پاکستان ہیڈ آفس ومرکزی شوروم

36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور
فون: 37232400-37240024-37324034 42 0092 فیکس:37354072 موبائل:0322-8484569
Website: www.darussalampk.com E-mail: info@darussalampk.com

- غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون:37120054 فیکس:37320703 موبائل:0321-4439150
- Y-260 بلاک کمرشل ایریا، فیز III ڈیفنس، لاہور فون:35692610 موبائل:0321-4212174

اسلام آباد F-8 مرکز، اسلام آباد فون/فیکس:2281513 موبائل:0321-5370378

کراچی مین طارق روڈ، (D.C.HS / 110,111-Z) ڈالمین مال سے (بہادر آباد کی طرف) دوسری گلی، کراچی
فون:34393936 فیکس:34393937 موبائل:0321-2441843

بسم اللہ الرحمن الرحیم
اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت رحم کرنے والا، خوب مہربان ہے
وانک لعلی خلق عظیم
اور یقیناً آپ خلق عظیم پر (فائز) ہیں۔

باب: 1

باب: 2

نبوت ورسالت سے سرفرازی، دعوت اور پیش آمدہ مصائب

باب: 3

ہجرت مدینہ

باب: 4

غزوات وسرایا

باب: 5

فرضیتِ حج (9 ہجری) اور حجۃ الوداع (10 ہجری)

باب: 6

رفیق اعلیٰ کی جانب

باب: 7

خانۂ نبوت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات و اخلاق

عرضِ ناشر

سیرت کا موضوع گلشنِ سدا بہار کی طرح ہے جس کی سج دھج میں ہر پھول کی رنگینی و شادابی دامانِ نگاہ کو بھر دینے والی ہے۔ یہ گل چیں کا اپنا ذوقِ انتخاب ہے کہ وہ کس پھول کو چنتا اور کس کو چھوڑتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ جسے چھوڑا، وہ اس سے کم نہ تھا جسے چن لیا گیا۔ بس یوں جانیے کہ اس موضوع پر ہر نئی تحقیق وتوثیق قوسِ قزح کے ہر رنگ کو سمیٹتی اور نکھارتی نظر آتی ہے۔

سیرتِ طیبہ کا موضوع اتنا متنوع ہے کہ ہر وہ مسلمان جو قلم اٹھانے کی سکت رکھتا ہو، اس موضوع پر حسبِ استطاعت لکھنا اپنی سعادت سمجھتا ہے۔ ہر قلم کار اس موضوع کو ایک نیا اسلوب دیتا ہے، پھر بھی سیرت پر لکھی گئی بے شمار کتب کسی نہ کسی پہلو سے تشنگی محسوس کرا ہی دیتی ہیں۔ اسی طرح ہر ناشر سیرتِ رسول ﷺ پر کتب شائع کرنا اپنے ادارے کے لیے سعادت سمجھتا ہے اور اسے خوب سے خوب تر شائع کرنے کا اہتمام کرتا ہے۔

دارالسلام اب تک عربی اور انگریزی زبان میں سیرتِ رسول ﷺ پر قابلِ قدر اور قابلِ ستائش کتب شائع کر چکا ہے، تاہم نوجوان نسل کو تفاصیل میں لے جائے بغیر سیرتِ طیبہ سے آگاہ کرنے کی اشد ضرورت محسوس کرتے ہوئے عصرِ حاضر کے عظیم سیرت نگار مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری سے کچھ عرصہ قبل درخواست کی گئی کہ عربی زبان میں نوجوانوں اور بطورِ خاص میٹرک تک کے طلبہ کے لیے ایک مختصر مگر جامع کتاب سیرتِ رسول پر لکھیں جو عام فہم اور صحیح واقعات پر مبنی ہو اور اس کا انداز اتنا دلکش ہو کہ نوجوانوں کے دلوں میں رسول اللہ ﷺ کی محبت اور سیرت نقش ہو جائے۔ انھوں نے میری التماس کو شرفِ قبولیت بخشا اور تھوڑے ہی عرصہ بعد "روضة الأنوار في سيرة النبي المختار" کے نام سے کتاب کا مسودہ

میرے حوالے کر دیا۔ کتاب شائع ہوئی تو سعودی عرب کے متعدد تعلیمی اداروں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ بعض لوگوں نے اسے مفت تقسیم کیا، چند ایک اسکولوں نے اسے اپنے نصاب میں داخل کر لیا۔ ایک عرصہ بعد مولانا صاحب رحمہ اللہ دوبارہ ریاض تشریف لائے تو اُردو دان طبقے کے لیے ان سے اس کتاب کے ترجمے کی فرمائش کی گئی۔ اس پر انھوں نے مسکراتے ہوئے اپنا بیگ کھولا اور اردو ترجمے کا مسودہ یہ کہتے ہوئے میرے حوالے کر دیا کہ انھیں معلوم تھا کہ میں اس خواہش کا اظہار بھی ضرور کروں گا۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ عَلٰی ذَالِكَ اِس پر میں نے مولانا کا شکریہ ادا کیا۔

مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ ، اللہ کے فضل سے عربی اور اردو دونوں زبانوں پر مکمل عبور رکھتے ہیں۔ انھوں نے جس لگن اور شبانہ روز محنت سے یہ کام سرانجام دیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ دورانِ تحریر عقیدت و شیفتگی کا عنصر اندازِ بیان کو فصیح و بلیغ، شستہ و شگفتہ اور متین بنا دیتا ہے۔ اسی لیے سیرت پر قلم اٹھاتے ہوئے ان کا ہر جملہ نگینے کی طرح جڑا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ مولانا کا سیرتِ رسول ﷺ پر وسیع مطالعہ اور تحقیق و جستجو مسلمہ حیثیت رکھتی ہے جس کا ثبوت ان کی تالیف ''الرحیق المختوم'' ہے جو رابطہ عالمِ اسلامی (مکہ مکرمہ) کی طرف سے سیرت نگاری کے عالمی مقابلے میں اول انعام یافتہ ہے۔ ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ اس لیے آپ کے بارے میں مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، تاہم اس مقام پر اس کتاب کا ایک اقتباس نمونے کے طور پر ملاحظہ فرما لیا جائے، فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کی ہستی جامع کمالات تھی۔ ان کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک حرف حکمت کے اعتبار سے بلند پایہ ہے، پھر بھی وہ اُمی کہلائے اور اسی اُمی ہونے کے باعث یہ ثابت ہوا کہ وہ منشائے الٰہی کے سوا کچھ نہیں بولتے۔ وہ محبت کو بنیاد بناتے ہیں اور صبر کو لباس، اسی لیے جب قبیلۂ بنو سعد سے تعلق رکھنے والے ایک نجدی نے اپنے مخصوص سخت اور درشت لہجے میں بات کی تو وہ اپنے سوالات کا حکیمانہ جواب سننے کے بعد کلمۂ شہادت پڑھے بغیر نہ رہ سکا اور اطاعت و محبت کا وہ

وعدہ کیا کہ اسی وقت جنت کی سند حاصل کر گیا۔''

اس قسم کے ولولہ انگیز جملے آپ کو ''تجلیاتِ نبوت'' کے صفحات میں جا بجا ملیں گے جو عقیدت ومحبت کے حقیقی آئینہ دار ہیں۔

آخر میں ''دار السلام'' کی جانب سے مولانا صفی الرحمٰن ﷾ کا تہِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جو ان دنوں ''دار السلام'' کے لیے مختلف علمی منصوبوں پر بھی کام کر رہے ہیں۔

«جَزَاهُمُ اللّٰهُ أَحْسَنَ الْجَزَاءِ»

کتاب کی مسودہ خوانی اور حتمی تصحیح وترتیب کا کام مولانا محمد عثمان منیب، مولانا منیر احمد رسولپوری، حافظ محمد ندیم، حافظ محمد نعمان فاروقی، جناب احمد کامران اور حافظ محمد فاروق نے انجام دیا ہے۔ اس کے فنی مراحل، ڈیزائننگ اور کمپوزنگ وغیرہ میں جناب زاہد سلیم چودھری، محمد عامر رضوان، اسد علی اور ابو مصعب نے اسے خوب سے خوب تر بنانے میں بھرپور محنت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو عامۃ المسلمین کے لیے نافع بنائے۔ آمین یا رب العالمین!

کتاب کو مزید خوبصورت اور دلکش بنانے کے لیے ہمارے ادارے کے کارکنوں نے دن رات محنت کی ہے۔ ممتاز سکالر وکہنہ مشق صحافی جناب محسن فارانی نے اس میں نبی ﷺ کے فہر (قریش) اور عدنان تک دو شجرہ ہائے نسب، ایک شجرہ بنو قحطان اور دو رنگے جدید وقدیم نقشے بھی شامل کر دیے ہیں۔ ان سب کی یہ پرخلوص کاوش محبت رسول (ﷺ) کی آئینہ دار ہے۔ اللہ تعالیٰ اِن سب کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔

هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ۔ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيمِ، مُحَمَّدٍ وَ آلِهِ وَ صَحْبِهِ أَجْمَعِينَ.

خادم قرآن وسنت

عبد المالک مجاہد

مدیر: دار السلام۔ الریاض، لاہور

اگست 2010ء

حرفِ اول

تاریخِ انسانی میں انبیاء ﷩ کی سیرت کا اس عہد کے ظلمات میں سب سے روشن اور منور کردار رہا ہے لیکن مختلف مذاہب کے پیروکاروں نے ان پیکرانِ صدق وصفا کی صورت گری اور تصویر کشی میں کچھ ایسے افراط وتفریط سے کام لیا ہے کہ یہ سیرتیں چیستان بن کر رہ گئی ہیں۔ اس میں واحد استثنا رسولِ اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے کہ جن کی حیاتِ مقدسہ اور خدماتِ جلیلہ کے تذکرے کو کم وبیش پانچ لاکھ سوانح نگاروں نے کسی نہ کسی شکل میں محفوظ رکھا ہے مگر اصولِ سیرت پر مرتب شرائط وضوابط کے فقدان نے سیرت نگاروں کو حاطب اللیل کی طرح ہر خشک وتر کو جمع کرنے پر مجبور کیا۔ سیرت النبی ﷺ کے ذخیرے پر نگاہ رکھنے والے اس حقیقتِ مذکورہ سے بخوبی آگاہ ہیں۔

اُردو زبان میں سیرت نگاری کی روایت خود اس زبان کے آغاز وارتقا سے مربوط ہے۔ مگر تحقیقی لوازم کے لحاظ سے سر سید احمد خاں کے نظریات سے اختلاف کے باوجود ان کی کتاب ''الخطبات الأحمديه في السيرة المحمديه'' (1870ء) کو ایک امتیاز حاصل ہے۔ بعدازاں شبلی نعمانی ﷫ اور ان کے نامور شاگرد سید سلیمان ندوی ﷫ نے پہلی مرتبہ واقعاتِ سیرت کے ایک تحقیقی شعور کے ساتھ اخذ وقبول کی روایت کو مستحکم کیا۔ قاضی سلیمان منصور پوری ﷫ کی ''رحمۃ للعالمین'' بھی ایسے ہی تحقیقی لوازمے کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔

سیرت نگاری میں ایک معیاری تحقیق کا نمونہ 1979ء میں سامنے آیا۔ یہ علمائے مبارکپور کے ایک فاضل مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری کی تصنیف ''الرحیق المختوم'' تھی جو انھوں نے

عربی زبان میں تحریر کی اور اسے رابطہ عالمِ اسلامی کے تحت منعقد ہونے والے بین الاقوامی انعامی مقابلہ سیرت نگاری میں اوّلیت کا شرف حاصل ہوا۔

الرحیق المختوم قدرے تفصیلی کاوش ہے۔ اسی فاضل مصنف نے 'تجلیاتِ نبوت، کے نام سے دینی مدارس اور ہائی سکولوں کے طلبہ اور عامۃ المسلمین کے لیے ایک متوسط بلکہ قدرے مختصر کتاب تیار کی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ مصنف نے کمال ہنر مندی سے سیرت کے تمام تر وقائع کو ایک ایسی نئی ترتیب اور تازہ اسلوب کے ساتھ پیش کیا ہے کہ اس کے مطالعے سے دل و دماغ پر ایک پاکیزہ نقش قائم ہوتا ہے۔ اس مقصد کے لیے سیرت نگار کو ایک پل صراط سے گزرنا پڑتا ہے۔ کتاب کو ایک نظر دیکھتے جایئے، اس میں دعوتِ اسلامی کے تمام مراحل اور اس کی پیش آمدہ دشواریوں کا مناسب تذکرہ موجود ہے۔ تکالیف اور مصائب کے طوفانوں میں وحیِ الٰہی کس طرح سے نصرتِ الٰہی کے راستے پیدا کرتی ہے، اس کا ایمان افروز بیان ملتا ہے۔ واقعاتِ سیرت کی صحت میں مصنف نے مستند ماخذوں تک رسائی حاصل کی ہے اور اس تلاش وجستجو کا یہ نتیجہ ہے کہ ان کے ہاں اصولِ دین سے متصادم کوئی واقعہ نہیں ملتا۔ سیرت نگاری کے اس فن میں صحتِ واقعات کی تلاش میں یہ احتیاط اور ضبط لائقِ تحسین ہے۔

تجلیاتِ نبوت کی انھی خصوصیات کے باعث اس کا عربی ایڈیشن تو سعودی عرب کے تعلیمی اداروں میں ایک نصابی کتاب کے طور پر اختیار کر لیا گیا ہے، پاکستان کے دینی مدارس میں بھی اسے پذیرائی مل رہی ہے۔ فاضل مصنف نے اس اردو ایڈیشن کے لیے تخریج اور تصحیح کا ایک کڑا معیار پیشِ نظر رکھا ہے۔ اس اہم کتاب کی اس تازہ طباعت میں قارئین کو حوالہ جات اور ان کے ماخذ کا براہِ راست علم ہو جائے گا۔ یوں طلبائے مدارس اور عامۃ المسلمین کے لیے اردو زبان میں یہ سیرت کی پہلی مختصر مگر جامع کتاب ہے جس میں واقعات کی صحت کے ساتھ ان کی مکمل تخریج بھی موجود ہے۔ یہ اہتمام اپنی جگہ اس کتاب کی اہمیت، ثقاہت اور استناد کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

سیرتِ نبوی سے شغف رکھنے والے حضرات اس امر سے باخبر ہیں کہ سیرۃ النبی ﷺ کے شریک مصنف سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے بچوں اور نوجوانوں کے لیے ''رحمتِ عالم'' کے عنوان سے ایک کوشش کی تھی جسے بہت قبولِ عام ہوا مگر اس میں قارئین کو تخریج اور تصحیح کا یہ اسلوب دکھائی نہیں دے گا جو ''تجلیاتِ نبوت'' میں اختیار کیا گیا ہے۔ راقم الحروف کے ذاتی ذخیرۂ سیرت میں تین ہزار کے قریب کتب و رسائل موجود ہیں مگر میں وثوق کے ساتھ عرض کروں گا کہ ''تجلیاتِ نبوت'' صحتِ واقعات اور تخریج کے اعتبار سے اردو زبان میں موجود بہترین کتابوں میں ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔

دارالسلام جسے دینی اور دعوتی لٹریچر کو عالمی سطح پر جدید اسلوبِ طباعت کے ساتھ پیش کرنے کا شرف حاصل ہے، اس نے ''تجلیاتِ نبوت'' کے اس نئے ایڈیشن کو نہایت معیاری طباعت کا کامیاب نمونہ بنا کر پیش کیا ہے۔ اپنے تحقیقی مواد اور لوازم، عام فہم اسلوب اور موزوں واقعاتی ترتیب کے باعث یہ تالیفِ سیرت ان شاء اللہ العزیز نوجوانوں اور عامۃ المسلمین میں قبولِ عام کا درجہ حاصل کرے گی۔ اللہ تعالیٰ اس کے مطالعے سے قارئین میں اتباعِ سنت، اطاعتِ رسول اور حمیّتِ دین کے جذبات پیدا کرے اور اس کتاب کے مصنف، ناشر اور منتظمین کی محنت کو حسنِ قبول عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین.

پروفیسر عبدالجبار شاکر

بیت الحکمت، لاہور

17 / رمضان المبارک 1422ھ

مقدمہ

«اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِینَ، وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مُحَمَّدٍ الْمَبْعُوثِ رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِینَ، وَ ھُدًی لِّلْمُتَّقِینَ، وَعَلٰی آلِہٖ وَ صَحْبِہٖ حَمَلَۃِ لِوَاءِ الدِّینِ، وَعَلٰی مَنْ تَبِعَھُمْ بِإِحْسَانٍ مِّنَ الْأَئِمَّۃِ وَالْھُدَاۃِ وَالدُّعَاۃِ وَالْأَتْقِیَاءِ وَالصَّالِحِینَ، وَ عَلٰی مَنْ سَلَکَ سَبِیلَھُمْ إِلٰی یَوْمِ الدِّینِ. أَمَّا بَعْدُ:

سیرت نبوی ﷺ انتہائی پاکیزہ اور بلند پایہ موضوع ہے۔ اس سے مسلمان کو یہ علم ہوتا ہے کہ اس کا دین کن کن مراحل سے گزرا، اس کے نبی ﷺ اور اصحابِ نبی پر کیا بیتی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو کیسی کیسی نسبی و خاندانی شرافت بخشی، کس طرح وحی ورسالت اور دعوتِ دین کے لیے منتخب فرمایا، پھر آپ ﷺ نے اس راہ میں کیا کیا مشقتیں جھیلیں، کیسے کیسے مصائب برداشت کیے اور بالآخر کس کس طرح کے انعامات سے نوازے گئے۔ اللہ نے پردۂ غیب سے فرشتے بھیج کر، اسباب موڑ کر، برکات نازل فرما کر، معجزات ظاہر کر کے کس کس طرح آپ کی نصرت وتائید فرمائی اور کتنے بڑے بڑے زورآور لشکروں نے آپ کی مٹھی بھر جماعت کے سامنے شکست کھائی۔ یہ ساری باتیں کتبِ سیرت کے اوراق پر جلوہ فگن نظر آتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ابتدائے اسلام سے آج تک اس موضوع پر لکھنے لکھانے اور پڑھنے

پڑھانے کا بڑا اہتمام ہوتا آیا ہے۔ کیونکہ یہ کام گہرے ایمان ومحبت اور والہانہ جذبہ فنا و فدائیت کا نتیجہ ہے۔ مگر ہوتا یہ رہا ہے کہ عموماً اس موضوع پر لکھتے ہوئے تحقیق کا اہتمام نہیں کیا گیا بلکہ افکار و خیالات اور جذبات واحساسات کی نظر میں جو چیز جچ گئی، اسے داخلِ کتاب کر لیا گیا، خواہ وہ صحت وثبوت کے لحاظ سے صفر ہی کیوں نہ ہو۔ بلکہ بسا اوقات ایسی باتیں بھی قبول کر لی گئیں جو دین کے اصول سے متصادم اور معقولیت کے دائرے سے خارج ہیں۔

اسی کیفیت کے پیشِ نظر برادرِ عزیز جناب عبدالمالک مجاہد صاحب مدیر دارالسلام الریاض، نے میرے سامنے یہ تجویز رکھی کہ میں اس موضوع پر اوسط درجے کی ایک کتاب تالیف کروں جس میں ائمۂ فن کے نقطۂ نظر سے ثابت شدہ اور مسلّمہ معلومات جمع کی گئی ہوں تاکہ اس سے ہماری نئی نسل اور بالخصوص میٹرک تک کے طلبہ سیرت کے باب میں صحیح معلومات حاصل کر سکیں۔ میں نے افادۂ عام کے لیے ان کی یہ تجویز قبول کر لی اور اللہ سے توفیق واعانت طلب کرتے ہوئے قرآنِ کریم، معتمد کتب تفاسیر اور کتبِ احادیث وسیرت کی مدد سے یہ کام انجام دیا۔ واقعات کی داخلی اور خارجی شہادتوں سے بھی استفادہ کیا اور کوشش کی کہ جہاں تک ممکن ہو اختصار وانتخاب کے ساتھ روایات کے الفاظ اور سابقین کی زبان استعمال کی جائے۔ میں نے بڑی حد تک یہ مقصد پورا کر دیا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس سے مسلمانوں کو نفع پہنچائے اور میرے لیے سعادتِ دارین کا ذریعہ بنائے آمین۔

«صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَسَلَّمْ»

صفی الرحمٰن مبارکپوری

مدینہ یونیورسٹی، مدینہ منورہ

(12 شوال 1415ھ)

نسب نامہ مبارک آپ کا مبارک نسب نامہ یہ ہے:

''محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قُصَی بن کِلاب بن مُرّہ بن کعب بن لُؤیّ بن غالب بن فِہر بن مالک بن نضر بن کِنانہ بن خُزیمہ بن مُدرِکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن مَعَد بن عدنان۔''

عدنان بالاتفاق حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہیں لیکن دونوں کے درمیان کتنی پشتیں ہیں اور ان کے نام کیا کیا ہیں؟ اس بارے میں بڑا اختلاف ہے۔

آپ (ﷺ) کی والدہ کا نام ''آمنہ'' تھا اور ان کے والد وہب بن عبدمناف بن زہرہ بن کلاب تھے۔ یہ وہی کلاب ہیں جو والد کی طرف سے بھی آپ کے نسب نامے میں آتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا اصل نام عُروہ یا حکیم تھا۔ لیکن وہ کتوں کے ذریعے سے بکثرت شکار کھیلا کرتے تھے، اس لیے کلاب کے نام سے مشہور ہو گئے۔ عربی میں کلاب کتوں کو کہتے ہیں۔

قبیلہ آپ قبیلۂ قریش سے تعلق رکھتے تھے جو پورے عرب میں سب سے معزز قبیلہ تھا۔ قریش دراصل فہر بن مالک یا نضر بن کنانہ کا لقب تھا۔ بعد میں اس کی اولاد اسی نسبت سے مشہور ہو گئی۔ یوں تو اس قبیلے کو ہر دور میں سیادت حاصل رہی لیکن قصی کو ایک منفرد مقام حاصل ہوا۔ اس کا نام زید تھا اور وہ بچپن میں یتیم ہو کر والدہ کے ساتھ ملکِ شام کے قریب قبیلہ عذرہ میں جا بسا تھا اور وہیں پلا بڑھا تھا لیکن جوان ہو کر مکہ آ گیا اور کچھ ہی دنوں کے

بعد خانۂ کعبہ کا متولی بن گیا۔ یہ قبیلۂ قریش کا پہلا شخص تھا جو خانۂ کعبہ کا متولی ہوا۔ متولی ہونے کا مطلب یہ تھا کہ اسی کے ہاتھ میں خانۂ کعبہ کی کنجی ہوتی تھی، وہ جس کے لیے جب چاہتا تھا کعبے کا دروازہ کھولتا تھا۔ علاوہ ازیں قریش مکہ سے باہر آباد تھے، اس نے اُنھیں اندر لاکر آباد کیا۔ اسی نے حاجیوں کے لیے میزبانی کا طریقہ بھی ایجاد کیا۔ وہ حج کے دنوں میں بڑے پیمانے پر کھانا تیار کراتا اور چمڑے کے بڑے بڑے لگنوں میں کھجور، شہد یا کشمش سے میٹھا شربت بنواتا اور حاجیوں کو پیش کرتا۔ اس نے کعبہ کے شمال میں ''دار الندوہ'' کے نام سے ایک گھر بھی بنایا تھا جو قریش کی اجتماعی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ یہی ان کی پارلیمنٹ بھی تھی اور اسی میں وہ شادی وغیرہ کی رسمیں بھی انجام دیتے تھے۔ قریش کا جھنڈا اور کمان بھی قُصَی ہی کے ہاتھ میں تھے، چنانچہ لڑائی کا جھنڈا اس کے سوا کوئی نہیں باندھ سکتا تھا۔ وہ بڑا کریم اور عقلمند تھا۔ قریش اس کی بات بے چون وچرا تسلیم کرتے تھے۔

خاندان آپ ﷺ کا خاندان، آپ کے پردادا ''ہاشم'' کی نسبت سے ''ہاشمی'' کہلاتا تھا۔ ان کو قُصَی کے مناصب میں سے حاجیوں کی میزبانی کا منصب حاصل ہوا جو ان کے بعد ان کے بھائی مطلب کی طرف منتقل ہوگیا۔ مطّلب کے بعد پھر ہاشم کی اولاد کو یہ منصب حاصل ہوا اور اسلام کی آمد تک اُنھی کے ہاتھ میں رہا۔

ہاشم اپنے زمانے کے سب سے عظیم انسان شمار ہوتے تھے۔ اُنھیں وادئ بطحاء کا سردار کہا جاتا تھا۔ وہ روٹی توڑ کر گوشت اور شوربے میں بھگوتے اور لوگوں کے کھانے کے لیے چھوڑ دیتے تھے۔ چونکہ عربی میں اس طرح کسی چیز کے توڑنے کو ہشم اور توڑنے والے کو ہاشم کہتے ہیں، اس لیے ان کا نام ہاشم پڑ گیا، ورنہ ان کا اصل نام عَمرو تھا۔ قریش تجارت پیشہ تھے۔ ہاشم نے ان کے لیے جاڑے میں یمن اور گرمی میں شام کا تجارتی سفر منظم کیا اور اس کے لیے دونوں ملکوں کے ذمے داروں سے ضمانتیں حاصل کیں۔ اس سفر کا ذکر قرآن مجید کی سورۂ قریش میں اللہ تعالیٰ کے ایک بہت بڑے احسان کے طور پر کیا گیا ہے۔

ہاشم ایک بار تجارت کے لیے شام جاتے ہوئے یثرب (مدینہ منورہ) سے گزرے تو

وہاں بنو عدی بن نجار کی ایک خاتون سلمٰی بنت عمرو سے شادی کر لی اور کچھ عرصہ ٹھہر کر ملکِ شام چلے گئے اور وہیں سرزمینِ فلسطین کے مشہور شہر غزہ میں انتقال کر گئے۔ ان کی روانگی کے وقت سلمٰی حاملہ تھیں۔ بعد میں بچہ پیدا ہوا جس کے سر کے بالوں میں سفیدی تھی، اس لیے اس کا نام شَیبہ رکھا گیا۔ یہ بچہ مدینے میں پرورش پاتا رہا لیکن مکے میں ہاشم کے بھائیوں اور خاندان کے دوسرے لوگوں کو اس کا علم نہ تھا۔ آٹھ برس بعد مطّلب کو اس کا پتہ چلا تو وہ مدینہ جا کر اس کو اپنے ساتھ لے آئے۔ جب مکے میں داخل ہوئے تو لوگوں نے سمجھا کہ یہ ان کا غلام ہے، چنانچہ اسے عبدالمطّلب، عبدالمطّلب کہنے لگے۔ بالآخر وہ اسی نام سے مشہور ہو گیا۔[1]

عبدالمطّلب بہت خوبصورت اور عظیم انسان تھے۔ ان کے دور میں ان کا ہم مرتبہ کوئی نہ ہوا۔ وہ قریش کے سردار اور مکہ کے قافلۂ تجارت کے ذمے دار تھے۔ جود و سخا اس قدر کرتے تھے کہ ان کا لقب فیاض پڑ گیا تھا۔ ان کے دستر خوان کا پس خوردہ مسکینوں، جانوروں اور چڑیوں کے کھانے کے لیے رکھ دیا جاتا تھا اور اس بنا پر ان کا یہ عرف بن گیا تھا: ''زمین پر انسانوں اور پہاڑ کی چوٹیوں پر وحشی جانوروں اور چڑیوں کو کھلانے والا۔''

انھیں زمزم کا کنواں کھودنے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ اس کنویں کو بنو جُرہُم نے مکّے سے جلا وطن ہوتے وقت پاٹ دیا تھا۔ اس وقت سے اس کی جگہ نامعلوم چلی آ رہی تھی۔ عبدالمطّلب کو خواب میں اس کی جگہ بتلائی گئی اور کھودنے کا حکم دیا گیا۔ انھوں نے کھودا تو پرانا کنواں برآمد ہو گیا۔[2]

اُنھی کے زمانے میں خانۂ کعبہ پر ہاتھی والوں کے حملے کا واقعہ پیش آیا۔ یہ سب حبشی تھے۔ ان کے سردار کا نام ابرہہ تھا جو یمن پر قابض اور حکمران تھا۔ وہ خانۂ کعبہ ڈھانے کے لیے ساٹھ ہزار کا لشکرِ جرار لے کر آیا لیکن جب مکے کے مشرق میں مزدلفہ اور منٰی کے درمیان ''وادئ محسّر'' میں پہنچا اور مکے پر حملہ آور ہونے کے لیے تیار ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس

(1) سیرت ابن ہشام: 1/137,138، وتاریخ الطبري: 2/247. (2) سیرت ابن ہشام: 1/142-174.

کے لشکر پر چڑیوں کا جھنڈ بھیج دیا جنھوں نے اس پر ٹھیکری جیسے پتھر برسا دیے اور وہ کھائے ہوئے بھُس کی طرح ہو گیا۔[1] یہ واقعہ آپ کی پیدائش سے 50/55 دن پہلے پیش آیا۔

آپ ﷺ کے والدِ گرامی عبداللہ، عبدالمطلب کے سب سے خوبصورت، پاک دامن اور چہیتے لڑکے تھے۔ اُنھیں ''ذبیح'' بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زمزم کی کھدائی کے دوران میں جب کنویں کے نشانات برآمد ہوئے تو قریش نے بھی عبدالمطلب کے ساتھ شرکت کرنی چاہی اور اس کے لیے ان سے جھگڑا کیا جو بڑی مشکل سے فرو ہو سکا۔ یہ دیکھ کر عبدالمطلب نے نذر مانی کہ اگر اللہ نے ان کو دس لڑکے دے دیے اور ہر ایک مقابلے کے لائق ہوا تو ان میں سے ایک کو وہ اللہ کی راہ میں ذبح کر دیں گے۔ اب اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ ان کی یہ مراد پوری ہو گئی، چنانچہ انھوں نے سب لڑکوں کے درمیان قرعہ ڈالا۔ قرعہ عبداللہ کے نام نکلا، لہٰذا ان کو ذبح کرنے کے لیے خانۂ کعبہ کے پاس لے گئے مگر قریش نے انھیں روک دیا۔ بالخصوص عبداللہ کے بھائی اور ماموں سخت آڑے آئے۔ بالآخر یہ فیصلہ ہوا کہ ان کے بدلے ایک سو اونٹ ذبح کیے جائیں، چنانچہ عبدالمطلب نے ایسا ہی کیا،[2] اسی لیے آپ (ﷺ) کو دو ذبیحوں کی اولاد کہا جاتا ہے۔ ایک ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے اور ایک آپ (ﷺ) کے والد عبداللہ۔ اسی طرح آپ کو ''دو فدیہ دیے گئے بزرگوں کی اولاد'' بھی کہا جاتا ہے کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مینڈھے کا فدیہ دیا گیا تھا اور آپ کے والد کو سو اونٹوں کا۔

عبداللہ کی شادی آمنہ بنت وہب سے ہوئی جو اس وقت قریش کی سب سے بلند پایہ خاتون تھیں۔ ان کا باپ وہب بھی بنو زہرہ کا سردار اور عالی نسب تھا۔ آمنہ شادی کے بعد ہی امید سے ہو گئیں۔ ادھر کچھ عرصہ بعد عبدالمطلب نے عبداللہ کو تجارت کے سلسلے میں مدینہ یا شام بھیجا۔ واپسی پر وہ مدینے میں انتقال کر گئے اور انھیں نابغہ ذُبیانی کے مکان میں دفن کر دیا گیا۔ اس وقت تک آپ پیدا نہیں ہوئے تھے۔[3]

[1] سیرت ابن هشام :1/65,43، وابن كثير:8/458-466. [2] سیرت ابن هشام :1/155,151، و تاريخ طبري:2/243,239. [3] سیرت ابن هشام:1/157,156، وتاريخ طبري:2/246 والروض ◄◄

پیدائش آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں شعب بنی ہاشم کے اندر موسم بہار میں پیدا ہوئے۔ یہ دوشنبہ (سوموار) کی صبح تھی، ربیع الاول کی 9 اور کہا جاتا ہے کہ 12 تاریخ تھی سال وہی تھا جس میں ابرہہ نے مکے پر حملہ کیا تھا۔ چونکہ وہ اپنے ساتھ ہاتھی بھی لایا تھا اور عربی میں ہاتھی کو فیل کہتے ہیں، اس لیے اس سال کا نام ''عام الفیل'' پڑ گیا۔ اس روز اپریل 571ء کی 22 تاریخ تھی۔① پیدائش کے وقت دایہ کا کام حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی والدہ شفاء بنت عمرو نے انجام دیا۔

جب آپ ﷺ پیدا ہوئے تو آپ کی والدہ نے خواب میں دیکھا کہ ان کے جسم سے ایک نور نکلا ہے جس سے ملکِ شام کے محل روشن ہو گئے۔② پھر والدہ نے عبدالمطلب کو آپ کی پیدائش کی خوشخبری بھجوائی۔ وہ شاداں وفرحاں تشریف لائے اور آپ کو خانۂ کعبہ میں لے جا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اس کا شکر ادا کیا اور اس توقع پر کہ آپ کی تعریف کی جائے گی، آپ کا نام ''محمد'' رکھا، پھر عرب کے دستور کے مطابق ساتویں دن عقیقہ اور ختنہ کیا اور لوگوں کی دعوت کی۔③

آپ ﷺ کو آپ کے والد کی لونڈی ام ایمن گود کھلایا کرتی تھیں۔ وہ حبشن تھیں اور ان کا نام ''برکت'' تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر بڑا فضل کیا، چنانچہ انھوں نے آپ کی نبوت کا دور پایا، اسلام لائیں اور ہجرت بھی کی، پھر آپ کی وفات کے پانچ چھ مہینے بعد وفات پا گئیں۔ رضی اللہ عنہا۔④

رضاعت آپ ﷺ کی والدہ کے بعد سب سے پہلے ابولہب کی لونڈی ثُوَیبہ نے آپ

« الأنف: 184/1. ① 9 ربیع الاوّل کی تحقیق محمود پاشا فلکی نے بہت خوب کی ہے۔ دیکھیے نتائج الأفهام في تقويم العرب قبل الإسلام، طبع بيروت، ص: 28-35. ② مسند أحمد: 127/4، 128 و 185 و 262/5، وسنن الدارمي، المقدمة، باب كيف كان أول شان النبي ﷺ، حديث: 13، وطبقات ابن سعد: 102/1. ③ سیرت ابن ہشام: 159/1، 160، وتاریخ طبری: 156/2، 157، وطبقات ابن سعد: 103/1. کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ ختنہ شدہ پیدا ہوئے۔ (تلقيح فهوم أهل الأثر، ص: 4) مگر ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس بارے میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔ (زادالمعاد: 18/1). ④ صحيح مسلم، الجهاد، باب ردّ المهاجرين إلى الأنصار منائحهم، حديث: 1771.

کو دودھ پلایا، اس وقت اس کا اپنا جو بچہ دودھ پیتا تھا، اس کا نام مسروح تھا۔ ثویبہ نے آپ سے پہلے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کو اور آپ کے بعد ابو سلمہ بن عبد الاسد مخزومی کو بھی دودھ پلایا تھا، لہٰذا یہ تینوں آپ کے رضاعی بھائی ہوئے۔[1]

حلیمہ سعدیہ کی گود میں عرب کے شہری باشندوں کا دستور تھا کہ وہ اپنے بچوں کو شہری بیماریوں سے بچانے کے لیے انھیں دودھ پلانے والی بدوی عورتوں کے حوالے کر دیا کرتے تھے تاکہ ان کے پٹھے مضبوط اور ان کی عربی زبان خالص اور ٹھوس ہو جائے۔ اسی دستور کے مطابق عبدالمطلب کو بھی دودھ پلانے والی دایہ کی تلاش تھی۔ ادھر بنو سعد بن بکر بن ہوازن کی کچھ عورتیں اسی غرض سے مکہ آئیں اور ان کے رو برو آپ ﷺ کو بھی پیش کیا گیا مگر جب اُنھیں معلوم ہوتا کہ آپ ﷺ یتیم ہیں تو وہ آپ کو لینے سے انکار کر دیتیں۔ ایک خاتون حلیمہ بنت ابی ذُوَیب کو کوئی بچہ نہ ملا، لہٰذا انھوں نے مجبوراً آپ ہی کو لے لیا مگر جب لے لیا تو ان پر خوش قسمتی کا ایسا دروازہ کھلا کہ دنیا حیرت زدہ رہ گئی جس کی ایک جھلک آپ آئندہ سطور میں ملاحظہ کریں گے۔

حضرت حلیمہ کے والد ابو ذویب کا نام عبداللہ بن حارث تھا اور وہ آپ ﷺ کے رضاعی نانا ہوئے۔ حلیمہ کے شوہر کا نام حارث بن عبدالعزیٰ تھا اور دونوں ہی قبیلہ سعد بن بکر بن ہوازن سے تعلق رکھتے تھے، اس طرح حارث کے بچے، بچیاں آپ کے رضاعی بھائی بہن ہوئے۔ جن کے نام یہ ہیں۔ عبداللہ، انیسہ، جدامہ، ان کا لقب شیماء تھا اور اسی سے وہ مشہور ہوئیں۔ وہ قدرے بڑی تھیں اور آپ کو گود کھلایا کرتی تھیں۔

حلیمہ کے گھر میں برکات کی بارش جیسا کہ پہلے اشارہ کیا گیا کہ جب تک آپ ﷺ حلیمہ کے گھر موجود رہے، ان کا گھر برکتوں سے مالا مال رہا۔ حلیمہ کا بیان ہے کہ وہ جب مکہ آئی تھیں تو قحط سالی کا دور تھا۔ ان کے پاس ایک گدھی تھی جو اس قدر کمزور اور دبلی تھی کہ

[1] صحيح البخاري، النكاح، باب: ﴿وَأُمَّهَٰتُكُمُ ٱلَّٰتِيٓ أَرۡضَعۡنَكُمۡ﴾ حديث: 5101,5100، وتاريخ طبري: 158/2، و دلائل النبوة لأبي نعيم: 157/1.

پورے قافلے میں سب سے سست اور مریل چال چلتی تھی، ایک اونٹنی بھی تھی مگر وہ ایک قطرہ دودھ نہ دیتی تھی۔ حلیمہ کا اپنا بچہ بھوک کی بے قراری سے پوری رات بلکتا اور چیختا رہتا، نہ خودسوتا نہ ماں باپ کو سونے دیتا۔ مگر جب وہ آپ ﷺ کو لے کر اپنے ڈیرے پر آئیں اور گود میں رکھا تو سینہ دودھ سے بھر گیا حتیٰ کہ آپ نے شکم سیر ہو کر دودھ پیا اور آپ کے ساتھ حلیمہ کے بچے نے بھی جی بھر کر پیا، پھر دونوں آرام کی نیند سو گئے۔

ادھر شوہر اٹھ کر اونٹنی کے پاس گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ تھن سے دودھ ابلا چاہتا ہے، چنانچہ اس نے اس قدر دودھ دوہا کہ دونوں نے خوب آسودہ اور سیراب ہو کر پیا اور نہایت پر سکون رات گزاری۔

مکہ سے واپسی کے دوران میں حضرت حلیمہ اسی خستہ حال گدھی پر سوار ہوئیں اور اپنے ساتھ آپ کو بھی لیا مگر اب وہی گدھی اس قدر تیز چلی کہ پورے قافلے کو کاٹ کر آگے نکل گئی اور کوئی گدھا اس کا ساتھ نہ پکڑ سکا۔

حضرت حلیمہ کا وطن دیار بنو سعد، سب سے زیادہ قحط زدہ تھا مگر اس کے باوجود مکہ سے واپسی کے بعد ان کی یہ حالت ہوئی کہ جب بکریاں چر کر واپس آتیں تو ان کی کوکھ نکلی ہوتی اور تھن دودھ سے لبریز ہوتے۔ میاں بیوی خوب دوہتے اور پیتے جبکہ کسی اور انسان کو دودھ کا ایک قطرہ بھی میسر نہ ہوتا۔

یوں اس خانوادے کو مسلسل خیر وبرکت نصیب ہوتی رہی، یہاں تک کہ دو سال گزر گئے اور مدت رضاعت پوری ہوگئی، چنانچہ حلیمہ نے آپ کا دودھ چھڑا دیا۔ اس دوران میں آپ ﷺ پختہ اور مضبوط ہو چکے تھے۔

کچھ اور عرصہ حلیمہ کے پاس حلیمہ کا دستور تھا کہ وہ آپ کو ہر چھ مہینے بعد مکہ لاتیں، والدہ اور خاندان کے لوگوں سے ملاتیں پھر اپنے دیار بنو سعد واپس لے جاتیں۔ جب مدت رضاعت پوری ہو گئی اور دودھ چھڑا کر آپ ﷺ کو آپ کی والدہ کے پاس لائیں تو اب تک جو خیر وبرکت دیکھ چکی تھیں، اس کے پیش نظر چاہتی تھیں کہ آپ کو انھی کے پاس رہنے

دیا جائے، چنانچہ انھوں نے آپ کی والدہ سے کہا: ”کیوں نہ آپ بچے کو میرے پاس ہی رہنے دیں کہ وہ ذرا اور مضبوط ہو جائے کیونکہ مکہ کی وبا سے ڈر لگتا ہے۔“ والدہ اس پر راضی ہو گئیں اور حلیمہ آپ کو لے کر خوش خوش اپنے گھر واپس ہوئیں [1] اور آپ تقریباً مزید دو برس تک وہیں رہے، پھر آپ کا سینۂ مبارک چاک کیے جانے کا واقعہ پیش آیا جس سے ڈر کر حلیمہ اور ان کے شوہر نے آپ کو آپ کی والدہ کے حوالے کر دیا۔ [2]

سینۂ مبارک چاک کیا جاتا ہے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: ”آپ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور آپ کو لٹا کر سینہ چاک کر دیا، پھر آپ کا دل نکالا اور اس میں سے ایک لوتھڑا نکال کر فرمایا: ”یہ شیطان کا حصہ تھا جو نکال دیا گیا۔“ پھر دل کو سونے کے طشت میں زمزم کے پانی سے دھو کر جوڑ دیا اور اسی جگہ پلٹا دیا۔ ادھر بچے دوڑ کر آپ کی ماں، یعنی دایہ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ ”محمد ﷺ کو قتل کر دیا گیا۔“ وہ لوگ جھٹ پہنچے تو دیکھا رنگ اترا ہوا تھا۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نبی ﷺ کے سینے پر سلائی کا اثر دیکھا کرتا تھا۔ [3]

ماں کی آغوشِ محبت میں اس واقعے کے بعد آپ ﷺ کو مکہ پہنچا دیا گیا اور آپ نے اپنی ماں کے سایۂ محبت میں اپنے خاندان کے اندر تقریباً دو برس گزارے، پھر والدہ، دادا اور ام ایمن کے ساتھ مدینے کا سفر کیا جہاں آپ کے والد کی قبر بھی تھی اور دادا کا ننھیال بھی۔ آپ مدینے میں ایک ماہ رہ کر واپس ہوئے تو راستے میں آپ کی والدہ بیمار ہو گئیں اور ”ابواء“ پہنچ کر رحلت کر گئیں۔ اُنھیں وہیں دفن کر دیا گیا۔ [4]

دادا کے سایۂ شفقت میں اب بوڑھے عبدالمطلب آپ کو لے کر مکہ پہنچے۔ ان کے دل پر آپ کی اس نئی مصیبت کے احساس کا گہرا زخم تھا، چنانچہ آپ کے لیے ان کے دل میں

① سیرت ابن هشام:1/164,162، وتاريخ طبري:2/159,158، وابن حبان :8/84,82، وطبقات ابن سعد: 1/111. ② طبقات ابن سعد: 1/112، ومروج الذهب: 1/181، ودلائل النبوة لأبي نعيم: 1/162,161 اور ان کے نزدیک بقول ابن عباس یہ واقعہ پانچویں سال کا ہے۔ ③ صحيح مسلم، الإيمان، باب الإسراء برسول الله ﷺ ......، حديث: 162. ④ سیرت ابن هشام:1/168، وتلقيح الفهوم، ص: 7.

ایسی رقت پیدا ہوئی کہ خود ان کے اپنے بیٹوں کے لیے ویسی رقت نہ تھی۔ وہ آپ کی بڑی قدر کرتے، اپنی اولاد سے بھی بڑھ کر چاہتے، خوب اکرام کرتے، ان کا خاص ”فرش“ جس پر کوئی دوسرا نہ بیٹھ سکتا تھا، اس پر آپ کو بٹھاتے، پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے، آپ کی نقل وحرکت دیکھ کر خوش ہوتے اور یقین رکھتے تھے کہ آئندہ آپ کی ایک نرالی شان ہونے والی ہے لیکن ابھی آپ کی عمر صرف ”آٹھ برس دو مہینے اور دس دن“ ہوئی تھی کہ عبدالمطلب بھی انتقال کر گئے۔[1]

چچا کی کفالت میں اب آپ کے چچا ابو طالب نے آپ کی کفالت کا بیڑا اٹھایا۔ یہ آپ کے والد کے سگے بھائی تھے۔ انھوں نے آپ سے خاص رحمت وشفقت برتی۔ وہ مالدار تو نہ تھے لیکن آپ کی کفالت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے تھوڑے سے مال میں اس قدر برکت دی کہ ایک آدمی کا کھانا پورے کنبے کے لیے کافی ہو جایا کرتا۔ خود آپ بھی صبر وقناعت کا نمونہ تھے جو کچھ ملتا اسی پر قناعت فرماتے۔

ملک شام کا سفر اور بحیرا راہب سے ملاقات جب آپ ﷺ کی عمر بارہ برس اور کہا جاتا ہے کہ مزید دو مہینے دس دن ہوئی[2] تو ابو طالب نے تجارت کے لیے ملک شام جانے کا قصد کیا۔ آپ کو ان کی جدائی بہت گراں گزری جس سے وہ بھی بہت متاثر ہوئے اور اپنے ساتھ لے لیا۔ جب قافلے نے ملک شام کی حدود میں پہنچ کر شہر بُصریٰ کے قریب پڑاؤ ڈالا تو بحیرا نامی عیسائیوں کا ایک بڑا راہب، اپنے گرجے سے نکل کر ان کے پاس آیا اور قافلے کے درمیان سے گزر کر نبی ﷺ کے پاس پہنچا اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا: ”یہ دنیا کے سردار ہیں۔ پروردگارِ عالم کے رسول ہیں۔ اللہ انھیں رحمتِ عالم بنا کر بھیجے گا۔“

لوگوں نے کہا: ”آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟“

اس نے کہا: ”تم لوگ جب گھاٹی سے ادھر ظاہر ہوئے تو کوئی پتھر یا درخت ایسا نہ بچا جو سجدہ کے لیے جھک نہ گیا ہو اور یہ دونوں چیزیں نبی کے علاوہ کسی اور کو سجدہ نہیں کرتیں، پھر

[1] سیرت ابن ہشام: 1/169,168، وتلقیح، ص: 7. [2] یہ بات ابن جوزی نے تلقیح، ص: 7 میں کہی ہے۔

میں انھیں مہر نبوت سے بھی پہچانتا ہوں جو کندھے کے نیچے نرم ہڈی کے پاس سیب کی طرح ہے اور ہم انھیں اپنی کتابوں میں بھی پاتے ہیں۔"

پھر اس نے قافلے کی ضیافت کی اور ابو طالب سے کہا: "ان کو واپس کر دیں۔ ملک شام نہ لے جائیں کیونکہ یہود اور رومیوں سے خطرہ ہے۔" اس پر ابو طالب نے آپ کو مکہ بھیج دیا۔[1]

جنگِ فجار جب آپ کی عمر بیس برس کی ہوئی تو ذی قعدہ کے مہینے میں "عُکاظ" کے بازار میں ایک لڑائی پیش آئی جس میں ایک طرف قریش اور کنانہ کے قبائل تھے اور دوسری طرف قیس اور غیلان کے قبائل۔ دونوں میں گھمسان کا رن پڑا۔ فریقین کے کئی کئی آدمی کھیت رہے لیکن پھر انھوں نے صلح کر لی اور طے کیا کہ دونوں طرف کے مقتولین گنے جائیں، جدھر زیادہ ہوں، اُدھر والے زائد مقتولین کا خون بہا لے لیں۔ اس کے بعد جنگ ختم ہوگئی اور باہمی شر و عداوت کو مٹا دیا گیا۔

اس جنگ میں آپ بھی شریک تھے اور اپنے چچاؤں کو تیر تھمایا کرتے تھے۔ اس کا نام "جنگِ فجار" اس لیے پڑا کہ اس میں حرام مہینے کی حرمت پامال کی گئی تھی۔ فجار نام کے واقعات چار بار پیش آئے۔ ہر سال ایک واقعہ پیش آتا رہا۔ مذکورہ واقعہ آخری تھا۔ اس سے پہلے کے تین واقعات میں ہلکے پھلکے جھگڑے پیش آئے۔ لڑائی صرف اسی چوتھے واقعے میں پیش آئی۔[2]

حِلف الفضول اس جنگ کے بعد ہی ذی قعدہ کے مہینے میں پانچ قریشی قبائل کے درمیان ایک عہد نامہ طے پایا جسے "حلف الفضول" کہتے ہیں۔ ان قبائل کے نام یہ ہیں:

---

[1] جامع الترمذي، المناقب، باب ماجاء في بدء نبوة النبيﷺ، حديث: 3620، وتاريخ طبرى: 279,278/2، ومصنف ابن أبي شيبة، حديث: 11782 (489/11) ودلائل النبوة للبيهقي: 25,24/2، ودلائل النبوة لأبي نعيم: 170/1، اس کی سند ثابت اور قوی ہے، البتہ اس میں کچھ وہم واقع ہوا ہے، اس لیے ہم نے اس کو چھوڑ دیا ہے۔ [2] سیرت ابن ہشام: 187,184/1، والمنمق في أخبار قريش، ص: 185,164، والكامل في التاريخ لا بن الأثير: 472,468/1.

① بنو ہاشم ② بنو المطلب ③ بنو اسد ④ بنو زہرہ ⑤ بنو تیم

اس کی وجہ یہ ہوئی کہ زُبید (یمن) کا ایک آدمی سامانِ تجارت لے کر مکہ آیا، عاص بن وائل نے اس سے سامان خرید لیا لیکن قیمت ادا نہ کی۔ اس نے بنو عبدالدار، بنو مخزوم، بنو جمح، بنو سہم اور بنو عدی سے فریاد کی لیکن انھوں نے کوئی توجہ نہ دی، چنانچہ اس نے جبل ابو قبیس پر چڑھ کر چند اشعار میں اپنی مظلومیت کا نقشہ کھینچا اور آواز لگائی کہ کوئی اس کا حق دلانے کے لیے اس کی مدد کرے۔ اس پر زبیر بن عبدالمطلب نے دوڑ دھوپ کی، چنانچہ مذکورہ قبائل کے افراد بنو تیم کے سردار عبداللہ بن جدعان کے گھر میں اکٹھے ہوئے اور آپس میں عہد و پیمان کیا کہ مکہ میں جو بھی مظلوم نظر آئے، خواہ مکہ کا رہنے والا ہو یا کہیں اور کا، یہ سب اس کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوں گے اور عاص بن وائل سے زُبیدی کا حق لے کر اس کے حوالے کیا۔

اس عہد و پیمان میں آپ بھی اپنے چچاؤں کے ساتھ تشریف فرما تھے اور شرف رسالت سے مشرف ہونے کے بعد فرمایا کرتے تھے:

«لَقَدْ شَهِدْتُ فِي دَارِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جُدْعَانَ حِلْفًا مَّا أُحِبُّ أَنَّ لِي بِهِ حُمْرَ النَّعَمِ، وَلَوْ أُدْعٰى بِهِ فِي الْإِسْلَامِ لَأَجَبْتُ»

”میں عبداللہ بن جدعان کے مکان پر ایک ایسے معاہدے میں شریک ہوا کہ مجھے اس کے عوض سرخ اونٹ بھی پسند نہیں اور اگر میں اس کے لیے دورِ اسلام میں بلایا جاتا تو اسے یقیناً قبول کرتا۔“①

عملی زندگی: نبی ﷺ یتیم پیدا ہوئے اور اپنے دادا پھر چچا کی کفالت میں پرورش پائی۔ والد سے وراثت میں جو کچھ ملا تھا، اس سے کچھ ہونے والا نہ تھا، لہٰذا جوں ہی آپ ہلکے پھلکے کام کرنے کے لائق ہوئے، اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ دیار بنی سعد میں بکریاں چرانے

① طبقات ابن سعد:128,126/1، ونسب قريش للزبيري، ص:291.

لگے۔[1] جب مکہ آئے تو وہاں بھی چند قیراط کے عوض اہل مکہ کی بکریاں چرائیں۔[2] قیراط، ایک دینار کا بیسواں یا چوبیسواں حصہ ہوتا ہے جس کی قیمت اس زمانے میں بمشکل اسی نوے روپے ہوگی۔

اوائلِ عمر میں بکریاں چُرانا انبیاء کی سنت ہے۔ ایک بار عہد نبوت میں نبی ﷺ نے فرمایا:

«وَهَلْ مِنْ نَّبِيٍّ إِلَّا رَعَاهَا»

''کوئی بھی نبی نہیں گزرا مگر اس نے بکریاں ضرور چرائی ہیں۔''[3]

جب آپ جوان ہو گئے تو غالبًا تجارت کرنے لگے کیونکہ بعض روایات میں مذکور ہے کہ آپ سائب بن ابوسائب کے ساتھ مل کر تجارت کرتے تھے۔ آپ بہترین ساجھی تھے، نہ حجت بحث کرتے تھے، نہ جھگڑتے تھے۔[4] آپ معاملات میں حد درجہ امانت، سچائی اور پرہیز کے لیے مشہور تھے اور زندگی کے سارے میدانوں میں آپ کا یہی وتیرہ تھا، چنانچہ آپ کا لقب ہی ''امین'' پڑ گیا تھا۔

ملک شام کا سفر اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال کی تجارت آپ کا یہی شہرہ سن کر خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو تجارت کے لیے اپنے مال کی پیش کش کی۔ وہ شرف اور مال دونوں لحاظ سے قریش کی سب سے معزز خاتون تھیں اور لوگوں کو کچھ اجرت پر اپنا مال تجارت کے لیے دیا کرتی تھیں۔ انھوں نے پیش کش کے ساتھ یہ بھی عرض کی کہ وہ آپ کو سب سے اچھی اجرت دیں گی۔''

آپ نے ان کے غلام مَیسرہ کے ساتھ ملک شام کا سفر کیا۔ وہاں خرید و فروخت کی، خوب نفع ہوا اور اس قدر برکت ہوئی کہ پہلے کبھی نہ ہوئی تھی، پھر مکہ واپس آئے اور امانت

[1] سيرة ابن هشام: 166/1. [2] صحيح البخاري، الإجارة، باب رعي الغنم على قراريط، حديث: 2262. [3] صحيح البخاري، الأطعمة، باب الكباث وهو (ثمر) الأراك، حديث: 5453. [4] سنن أبي داود، الأدب، باب في كراهية المراء، حديث: 4836، وسنن ابن ماجه، التجارات، باب الشركة والمضاربة، حديث: 2287، و مسند أحمد: 425/3.

ادا فرما دی۔[1]

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی ادھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے امانت وبرکت کا یہ حال دیکھا تو دم بخود رہ گئیں، پھر میسرہ نے آپ کے شیریں شمائل، بلند اخلاق اور کہا جاتا ہے: ''دھوپ میں دو فرشتوں کے سایہ کرنے'' کا حال بیان کیا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے محسوس کیا کہ ان کا گوہرِ مراد انھیں مل گیا ہے، چنانچہ انھوں نے آپ کے پاس اپنی ایک سہیلی کو بھیج کر شادی کی خواہش کا اظہار کیا۔ آپ نے تجویز پسند کی اور چچاؤں سے گفتگو کی۔ انھوں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا عمرو بن اسد کو پیغام بھیجا، بات طے ہوگئی اور بنو ہاشم اور سردارانِ قریش کی ایک مجلس میں بیس اونٹ ...... اور کہا جاتا ہے چھ اونٹ...... مہر پر نکاح ہوگیا۔ خطبۂ نکاح ابو طالب نے پڑھا جس میں اللہ کی حمد وثنا کی، پھر آپ کے فضل وشرف کا ذکر کیا۔ اس کے بعد ایجاب وقبول کے کلمات کہے اور مہر بیان کیا۔

یہ ملک شام سے واپسی کے دو مہینے اور چند دن بعد کی بات ہے۔ اس وقت آپ ﷺ کی عمر 25 سال تھی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر مشہور قول کے مطابق چالیس سال تھی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ 28 سال تھی، کچھ اور اقوال بھی ہیں۔ حضرت خدیجہ کی شادی پہلے عتیق بن عائذ مخزومی سے ہوئی تھی۔ وہ انتقال کر گیا تو ابو ہالہ تیمی سے ہوئی اور اس سے ایک بچہ بھی پیدا ہوا، پھر ابو ہالہ بھی انتقال کر گیا۔ اس کے بعد بڑے بڑے سردارانِ قریش نے شادی کرنی چاہی مگر حضرت خدیجہ راضی نہ ہوئیں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو آپ کے شرفِ زوجیت سے نوازا اور ایسی سعادت عطا فرمائی کہ پہلوں اور پچھلوں سب کے لیے باعثِ رشک ٹھہریں۔

نبی ﷺ کی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کی پہلی بیوی تھیں، ان کے جیتے جی آپ نے کسی اور سے شادی نہ کی۔ آپ کی تمام اولاد بھی اُنھی سے تھی۔ صرف ابراہیم ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے تھے۔ ان کی اولاد کے نام یہ ہیں پہلے قاسم، پھر

[1] سیرت ابن ہشام: 1/187,188.

زینب، پھر رقیہ، پھر اُم کلثوم، پھر فاطمہ پھر عبداللہ۔ کچھ لوگوں نے تعداد اور ترتیب دونوں میں اس سے اختلاف کیا ہے۔ آپ ﷺ کے تمام لڑکے بچپن ہی میں فوت ہو گئے، البتہ تمام بچیوں نے عہدِ نبوت پایا، اسلام لے آئیں اور ہجرت بھی کی...... اور سب کی سب آپ کی زندگی ہی میں فوت بھی ہو گئیں صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے بعد چھ مہینے زندہ رہیں۔ (1)

بیت اللہ کی تعمیر اور حجر اسود کے جھگڑے کا فیصلہ آپ کی عمر کا پینتیسواں سال تھا کہ ایک زور دار سیلاب آیا جس سے خانۂ کعبہ کی دیواریں پھٹ گئیں۔ یہ دیواریں ایک بار کعبہ میں آگ لگ جانے کی وجہ سے پہلے ہی کمزور ہو چکی تھیں۔ اب قریش مجبور ہوئے کہ از سرِ نو تعمیر کریں۔ اس موقع پر انھوں نے فیصلہ کیا کہ اس تعمیر میں صرف حلال مال ہی خرچ کریں گے، چنانچہ رنڈی کی اجرت، سود کی دولت اور کسی کا ناحق لیا ہوا مال اس میں استعمال نہیں کریں گے۔ انھیں خانہ کعبہ گراتے ہوئے بھی ڈر لگ رہا تھا مبادا اللہ کا عذاب ٹوٹ پڑے۔ بالآخر ولید بن مغیرہ نے یہ کہہ کر ڈھانا شروع کیا کہ اللہ مصلحین کو ہلاک نہیں کرتا۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ اسے کچھ نہیں ہوا تو انھوں نے بھی ڈھانا شروع کر دیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام والی بنیاد تک گرا ڈالا۔

اس کے بعد تعمیر شروع کی، تعمیر کے لیے ہر قبیلے کا الگ الگ حصہ مقرر تھا، اشراف اپنے کاندھوں پر پتھر لاتے اور ڈھیر لگاتے۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے چچا عباس بھی پتھر ڈھو رہے تھے۔ تعمیر کا کام باقوم نامی ایک رومی معمار کر رہا تھا چونکہ مال اتنا جمع نہ ہو سکا تھا کہ عمارت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر مکمل کی جا سکتی، اس لیے شمال کی طرف سے تقریباً چھ ہاتھ چھوڑ کر اس پر ایک چھوٹی سی دیوار اٹھا دی گئی تا کہ علامت رہے کہ یہ کعبہ کا حصہ ہے۔ اسی کو ''حجر اور حطیم'' کہتے ہیں۔

جب دیوار ''حجر اسود'' تک اٹھ چکی تو ہر سردار نے چاہا کہ وہی حجر اسود کو اس کی جگہ رکھنے کا

(1) سیرت ابن هشام: 1/189-191، تلقیح، ص: 7، وفتح الباري: 7/105.

شرف حاصل کرے۔ اس پر سخت جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا جو چار پانچ روز جاری رہا اور قریب تھا کہ حرم میں خون خرابہ ہو جاتا لیکن ابوامیہ نے، جو سب سے زیادہ عمر رسیدہ تھا، یہ کہہ کر فیصلے کی ایک صورت پیدا کر دی کہ مسجد حرام کے دروازے سے جو شخص پہلے داخل ہو، اسے اس جھگڑے کا حَکَم مان لیں۔ لوگوں نے یہ تجویز منظور کر لی۔ اللہ کی مشیت دیکھیں کہ اس کے بعد سب سے پہلے جو شخص داخل ہوا، وہ آپ ﷺ تھے۔ قریش نے دیکھتے ہی کہا:

«هٰذَا الْأَمِينُ رَضِينَاهُ، هٰذَا مُحَمَّدٌ»

"یہ محمد ہیں جو امین ہیں، ہم ان سے راضی ہیں۔"

پھر آپ ﷺ ان کے پاس پہنچے تو آپ کو تفصیل بتائی گئی۔ آپ نے اس کا یہ حل نکالا کہ ایک چادر لی، اس میں حجر اسود رکھا اور سب سرداروں سے کہا کہ اس کا کنارہ پکڑ کر اوپر اٹھائیں۔ سب نے ایسا ہی کیا۔ جب چادر حجر اسود کی جگہ تک پہنچ گئی تو آپ نے اپنے مبارک ہاتھ سے حجرِ اسود کو اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ یہ اتنا عمدہ فیصلہ تھا کہ اس پر سب خوش ہو گئے۔

حجرِ اسود زمین سے ڈیڑھ میٹر بلندی پر ہے اور دروازہ تقریباً دو میٹر اونچا ہے۔ قریش نے اسے اتنا اونچا اس لیے رکھا تاکہ ان کی اجازت کے بغیر کوئی شخص کعبہ میں داخل نہ ہو سکے۔ دیواریں اٹھارہ ہاتھ بلند ہیں جبکہ پہلے نو ہاتھ تھیں۔ اندرونِ کعبہ دو قطاروں میں چھ ستون کھڑے کیے گئے ہیں اور پندرہ ہاتھ کی بلندی پر چھت بنائی گئی ہے جبکہ پہلے نہ ستون تھے اور نہ چھت۔[1]

نبوت سے پہلے آپ (ﷺ) کی سیرت

آپ ﷺ بچپن ہی سے سلیم العقل، پاکدامن اور بھرپور قوت کے مالک تھے۔ جوانی اور پختگی کا زمانہ آیا تو آپ کی خوبیاں اور نکھر آئیں۔

[1] سیرت ابن هشام: 1/192 -197، وتاريخ طبري: 2/289 ومابعد- صحيح البخاري، الحج، باب فضل مكة و بنيانها حديث: 1582، و مسند أبي داود الطيالسي :3/22، حديث : 1496، محاضرات، تاريخ الأمم الإسلاميه، از خضرى بك :1/64,65.

آپ درست سوچ، صحیح نظر، بہترین اخلاق اور عمدہ عادات کا سب سے بلند نمونہ تھے۔ سچائی اور امانت، مردانگی اور شجاعت، عدل اور حکمت، زہد اور قناعت، بردباری اور عفت، صبر وشکر، حیا اور وفا، خیر خواہی اور تواضع سب میں ممتاز تھے۔ بھلائی اور احسان میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔

ابو طالب نے کیا خوب کہا ہے:

أَبْيَضُ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ
ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِلْأَرَامِلِ

"وہ گورے مکھڑے والا جس کی برکت سے ابرِ رحمت برستا ہے، وہ یتیموں کا سہارا اور بیواؤں کا نگہبان ہے۔"

آپ صلہ رحمی کرتے تھے۔ لوگوں کا بوجھ اپنے سر لے لیتے تھے۔ تنگ دست کی ایسی مدد فرماتے کہ مالدار ہو جاتا یا روز گار پہ لگ جاتا۔ مہمان کی میزبانی کرتے اور مصیبت کے مارے ہوؤں سے تعاون فرماتے۔[1]

اللہ نے آپ کی حفاظت ونگہبانی کا خاص انتظام فرمایا تھا اور قوم کے اندر پھیلی ہوئی خرافات اور برائیوں کے خلاف آپ کے دل میں نفرت ڈال دی تھی، چنانچہ آپ بتوں کی عید پر حاضر ہوتے تھے نہ شرک کے میلوں میں جاتے تھے۔ آپ آستانوں یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور کھاتے نہ بتوں کو چھوتے اور نہ ان سے تقرب حاصل کرتے۔ لات وعزیٰ کی قسم تو سننا بھی گوارا نہ فرماتے تھے۔[2]

شراب نوشی اور کھیل کود کی مجلسوں سے آپ انتہائی دور تھے، ایسی کسی مجلس میں آپ ﷺ نے کبھی شرکت نہ فرمائی، حالانکہ یہی مجلسیں جوانوں کی تفریح گاہ اور دوستوں کی جائے ملاقات ہوا کرتی تھیں۔

[1] صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي ......، حديث: 3. [2] سیرت ابن ہشام: 128/1، وتاریخ طبری: 161/2، وتہذیب تاریخ دمشق: 376,373/1.

باب: 2

نبوت و رسالت سے سرفرازی، دعوت اور پیش آمدہ مصائب

نبوت کے آثار اور سعادت کی جھلکیاں پیچھے جو حالات بیان کیے جا چکے ہیں، ان کی وجہ سے آپ (ﷺ) اور آپ کی قوم کے درمیان فکری اور عملی فاصلہ بڑھتا گیا۔ آپ قوم کی بدبختی اور بگاڑ دیکھ کر رنجیدہ رہنے لگے، ان سے الگ تھلگ اور تنہا رہنے کی خواہش بڑھنے لگی اور یہ سوچ بھی گہری ہونے لگی کہ انھیں ہلاکت اور تباہی سے کیونکر بچایا جائے۔

عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ یہ رنج اور یہ خواہش بڑھتی ہی گئی اور بالآخر آپ کو کشاں کشاں غارِ حرا[1] تک لے گئی جہاں آپ ﷺ سال میں رمضان کا ایک مہینہ دینِ ابراہیم کی بچی کھچی تعلیمات کے مطابق اللہ کی عبادت کرتے اور مہینہ پورا کر کے صبح دم مکہ تشریف لاتے اور خانہ کعبہ کا طواف کر کے گھر کی راہ لیتے۔ تین سال تک آپ ﷺ کا یہی عمل رہا۔

جب چالیس سال عمر پوری ہوگئی اور یہی سنِ کمال ہے، عموماً اسی عمر میں پیغمبر بھیجے جاتے ہیں تو نبوت کی چمک دمک اور سعادت کی جھلکیاں نظر آنی شروع ہوئیں، چنانچہ آپ نیک خواب دیکھتے اور جیسا دیکھتے ویسا ہی پیش آتا، پھر روشنی نظر آنے لگی اور آواز سنائی دینے لگی۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں:

«إِنِّي لَأَعْرِفُ حَجَرًا بِمَكَّةَ كَانَ يُسَلِّمُ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ أُبْعَثَ»

''میں مکے میں ایک پتھر کو پہچانتا ہوں جو بعثت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا۔''[2]

[1] حرا پہاڑ اب ''جبلِ نور'' کے نام سے مشہور ہے۔ اصل مکہ سے اس کا فاصلہ تقریباً دو میل ہے۔ اس کی بلند چوٹی دور سے نظر آتی ہے۔ اس چوٹی کے بائیں طرف کچھ نیچے اترنے کے بعد غار واقع ہے۔ غار کی لمبائی چار میٹر سے کچھ کم اور چوڑائی ڈیڑھ میٹر سے کچھ زیادہ ہے۔ [2] صحیح مسلم، الفضائل، باب ◄◄

نبوت کا آغاز اور وحی کا نزول پھر تیسرے سال کے رمضان میں جب آپ کی عمر کا اکتالیسواں سال چل رہا تھا، آپ ﷺ غار حرا کے اندر ذکر الٰہی اور عبادت میں مشغول تھے کہ یکایک حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور آپ کو وحی ونبوت سے نوازا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''رسول اللہ ﷺ پر وحی کا آغاز نیند میں اچھے خواب سے ہوا، آپ جو خواب دیکھتے وہ سپیدۂ صبح کی طرح نمودار ہوتا، پھر آپ کو تنہائی پسند آنے لگی، چنانچہ آپ غار حرا میں خلوت اختیار فرماتے اور کئی کئی رات گھر آئے بغیر عبادت کرتے اور اس عرصے کے لیے توشہ بھی لے جاتے، پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس واپس آتے اور اسی جیسی مدت کے لیے پھر توشہ لے جاتے، یہاں تک کہ آپ ﷺ غار حرا ہی میں تھے کہ آپ کے پاس حق آ گیا، یعنی آپ کے پاس فرشتہ آیا اور کہا: «اِقْرَأْ» ''پڑھو!''

آپ نے فرمایا: «مَا أَنَا بِقَارِیءٍ» ''میں پڑھنا نہیں جانتا......''

آپ فرماتے ہیں:

«فَأَخَذَنِي، فَغَطَّنِي حَتّٰی بَلَغَ مِنِّي الْجَهْدَ، ثُمَّ أَرْسَلَنِي، فَقَالَ:»

''اس پر اس نے مجھے پکڑ لیا اور اس زور سے دبوچا کہ مجھے چُور کر ڈالا، پھر چھوڑ کر کہا:

«اِقْرَأْ» ''پڑھو!''

میں نے کہا: «مَا أَنَا بِقَارِیءٍ» ''میں پڑھنا نہیں جانتا......''

«فَأَخَذَنِي، فَغَطَّنِي حَتّٰی بَلَغَ مِنِّي الْجَهْدَ، ثُمَّ أَرْسَلَنِي، فَقَالَ:»

''اس نے دوبارہ پکڑ کر دبوچا اور چُور کر ڈالا، پھر چھوڑ کر کہا:''

«اِقْرَأْ» ''پڑھو!''

«فَقُلْتُ: مَا أَنَا بِقَارِیءٍ» میں نے کہا: ''میں پڑھا ہوا نہیں ہوں......''

«فَأَخَذَنِي، فَغَطَّنِي الثَّالِثَةَ، ثُمَّ أَرْسَلَنِي، فَقَالَ:»

فضل نسب النبي ﷺ......، حدیث: 2277.

اس نے تیسری بار دبوچا۔ اور کہا:

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝﴾

''پڑھ! اپنے اس پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ انسان کو لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ! تیرا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم دیا۔ انسان کو وہ بات سکھائی جسے وہ جانتا نہ تھا۔''[1]

ان آیات کو لے کر رسول اللہ ﷺ واپس ہوئے۔ آپ کا دل کانپ رہا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچ کر فرمایا:

«زَمِّلُونِي، زَمِّلُونِي» ''مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو۔''

انھوں نے چادر اوڑھا دی۔ یہاں تک کہ دہشت جاتی رہی، پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو واقعہ سنا کر فرمایا:

«لَقَدْ خَشِيتُ عَلٰى نَفْسِي» ''مجھے اپنی جان کا ڈر لگتا ہے۔''

انھوں نے کہا:

«كَلَّا، وَاللّٰهِ! مَا يُخْزِيكَ اللّٰهُ أَبَدًا، إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَ تَحْمِلُ الْكَلَّ، وَ تَكْسِبُ الْمَعْدُومَ، وَ تَقْرِي الضَّيْفَ، وَ تُعِينُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ»

''اللہ کی قسم! ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، بے سہاروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، تنگدست لوگوں کی مدد کرتے ہیں، مہمان کی میزبانی کرتے ہیں اور حق کے سلسلے میں پیش آنے والے مصائب میں مدد فرماتے ہیں۔''[2]

[1] العلق 96:1-5. [2] صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي ......، حديث: 3.

اس کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو اپنے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ وہ دورِ جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے اور عبرانی لکھنا جانتے تھے، چنانچہ توفیقِ الٰہی کے مطابق عبرانی میں انجیل لکھتے تھے۔ اس وقت وہ بوڑھے اور نابینا ہو چکے تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا: بھائی جان! آپ اپنے بھتیجے کی بات سنیں۔

ورقہ نے کہا: ”بھتیجے! تم کیا کہتے ہو؟“ آپ ﷺ نے جو کچھ دیکھا تھا، بیان کر دیا۔

ورقہ نے کہا: ”یہ تو وہی ناموس (وحی لانے والا فرشتہ) ہے جو موسیٰ پر نازل ہوا تھا۔ کاش! میں اس وقت جوان ہوتا۔ کاش! میں اس وقت تک زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ کو نکال دے گی۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَوَمُخْرِجِيَّ هُمْ؟» ”تو کیا میری قوم مجھے نکال دے گی؟“

ورقہ نے کہا: ”ہاں! کوئی ایسا آدمی نہیں جو تمھارے جیسا پیغام لایا ہو مگر اس سے دشمنی نہ کی گئی ہو۔ اگر میں نے تمھارا وہ دن (جس دن تمھاری قوم تمھیں مکہ سے نکالے گی) پالیا تو تمھاری زبردست مدد کروں گا۔ اس کے بعد ورقہ جلد ہی فوت ہو گئے اور وحی رک گئی۔“[1]

آغازِ نبوت اور نزولِ وحی کی تاریخ یہ نبی ﷺ پر پہلی بار وحی اترنے اور آپ کی نبوت شروع ہونے کا واقعہ ہے۔ یہ رمضان کے مہینے میں لیلۃ القدر کے اندر پیش آیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ﴾

”رمضان کا مہینہ ہی (وہ مہینہ) ہے جس میں قرآن اتارا گیا۔“[2]

نیز ارشاد ہے:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ ”ہم نے قرآن کو عزت والی رات میں اتارا۔“[3]

صحیح احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ یہ واقعہ رات کے پچھلے پہر سوموار کی فجر طلوع ہونے

① صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف بدء الوحي الى رسول الله ﷺ، حديث : 3، صحيح مسلم، الإيمان، باب بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ، حديث: 160. ② البقرة 185:2. ③ القدر 1:97.

سے پہلے پیش آیا چونکہ لیلۃ القدر رمضان کی آخری دس راتوں میں سے کسی طاق رات میں ہوا کرتی ہے اور اس سال سوموار 21 رمضان کو لیلۃ القدر تھی، اس لیے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ (ﷺ) کی نبوت آپ کی پیدائش کے اکتالیسویں سال 21 رمضان سوموار کی رات شروع ہوئی،[1] اس روز اگست کی دس تاریخ تھی اور 610 عیسوی۔ قمری حساب سے اس وقت آپ ﷺ کی عمر چالیس سال چھ مہینے بارہ دن تھی اور شمسی حساب سے انتالیس سال تین مہینے بائیس دن، لہٰذا آپ کی بعثت چالیس سال شمسی کے سرے پر ہوئی۔[2]

وحی کی بندش اور دوبارہ نزول جیسا کہ بتایا گیا، غارِ حرا میں پہلی وحی اتر کر بند ہو گئی تھی، یہ بندش کئی روز تک قائم رہی۔[3] اس کی وجہ سے نبی ﷺ کو سخت رنج وملال ہوا لیکن مصلحتِ الٰہی اسی میں تھی کیونکہ اس طرح خوف جاتا رہا، معاملے کی نوعیت کو سمجھنے کا موقع ملا اور دوبارہ وحی کی مشقت جھیلنے کے لیے صرف یہی نہیں کہ طبیعت آمادہ ہو گئی بلکہ ایک گونہ شوق وطلب بھی پیدا ہوئی اور آپ ﷺ دوبارہ وحی آنے کا انتظار فرمانے لگے۔

ادھر گوشہ نشینی کی بقیہ مدت پوری کرنے کے لیے آپ ﷺ ورقہ کے پاس سے پلٹ کر دوبارہ غارِ حرا میں تشریف لا چکے تھے، پھر جب ماہِ رمضان ختم ہو گیا اور آپ کی مدتِ اعتکاف پوری ہو گئی تو حسبِ عادت پہلی شوال کی صبح حرا سے اتر کر مکہ روانہ ہوئے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

«فَلَمَّا اسْتَبْطَنْتُ الْوَادِيَ نُودِيتُ، فَنَظَرْتُ عَنْ يَمِينِي فَلَمْ أَرَ شَيْئًا، وَنَظَرْتُ عَنْ شِمَالِي فَلَمْ أَرَ شَيْئًا، وَنَظَرْتُ أَمَامِي فَلَمْ أَرَ شَيْئًا، وَنَظَرْتُ خَلْفِي فَلَمْ أَرَ شَيْئًا، فَرَفَعْتُ رَأْسِي فَرَأَيْتُ شَيْئًا، فَإِذَا الْمَلَكُ

① ایک صحیح حدیث کے مطابق نزولِ قرآن کی تاریخ 24 رمضان المبارک (25 ویں رات) ہے۔ (مسند أحمد: 107/4) ② صحیح مسلم، الصیام، باب استحباب صیام ثلاثة أیام من كل شهر، حدیث: 1162 و 368/1 (ہندی)، ومسند أحمد: 299,297/5 والسنن الكبرىٰ للبیهقي: 286/4، والمستدرك للحاكم: 602/2. ③ طبقات ابن سعد: 196/1.

الَّذِي جَاءَنِي بِحِرَاءَ، جَالِسٌ عَلٰى كُرْسِيٍّ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، فَجُئِثْتُ مِنْهُ رُعْبًا حَتّٰى هَوَيْتُ إِلَى الْأَرْضِ، فَأَتَيْتُ خَدِيجَةَ، فَقُلْتُ: زَمِّلُونِي، زَمِّلُونِي، دَثِّرُونِي وَ صُبُّوا عَلَيَّ مَاءً بَارِدًا، فَدَثَّرُونِي وَ صَبُّوا عَلَيَّ مَاءً بَارِدًا، فَنَزَلَتْ:»

''میں پہاڑ سے اتر کر میدان میں پہنچا تو مجھے پکارا گیا۔ میں نے دائیں دیکھا تو وہاں کچھ دکھائی نہ دیا، بائیں دیکھا تو وہاں بھی کچھ دکھائی نہ دیا، پھر آگے دیکھا تو وہاں بھی کچھ نظر نہ آیا، پھر پیچھے دیکھا تو وہاں بھی کچھ نظر نہ آیا۔ اس کے بعد میں نے سر اوپر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ جو فرشتہ حرا میں میرے پاس آیا تھا وہی آسمان و زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ یہ دیکھ کر میرا پورا وجود اس کے رعب سے بھر گیا، یہاں تک کہ میں زمین کی طرف جا جھکا، پھر میں خدیجہ کے پاس آیا اور کہا: مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو، مجھ پر کمبل ڈال دو اور ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارو'' ! انھوں نے کمبل اوڑھا دیا اور ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارے، پھر یہ آیتیں نازل ہوئیں:

﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ○ قُمْ فَأَنذِرْ ○ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ○ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ○ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ○﴾

''اے کمبل پوش! اٹھ اور (لوگوں کو ان کی بدعملی کے نتائج سے) ڈرا اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر اور اپنے کپڑے پاک رکھ اور گندگی سے الگ تھلگ رہ۔''[1]

یہ واقعہ نماز فرض ہونے سے پہلے کا ہے۔ اس کے بعد وحی میں تیزی آ گئی، چنانچہ پے در پے وحی آنے لگی۔[2] ان آیات سے آپ کی رسالت شروع ہوئی، آپ کی یہ رسالت آپ کی نبوت کے اتنے دنوں بعد شروع ہوئی جتنے دنوں وحی بند رہی تھی۔ ان آیات میں

[1] المدثر 74:1-5. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب ﴿وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾، حديث : 4926 وصحيح مسلم الإيمان، باب بدء الوحي إلى رسول اللهﷺ، حديث :161.

آپ ﷺ کو دو طرح کے کام سونپے گئے ہیں اور دونوں کے نتائج بھی بتا دیے گئے ہیں۔

ایک کام یہ ہے کہ آپ لوگوں کو اللہ کا حکم بتائیں اور بدعملی کے نتائج سے ڈرائیں۔ آپ کو یہ حکم ﴿قُمْ فَأَنذِرْ﴾ ''اٹھ اور ڈرا'' کے ذریعے سے دیا گیا ہے کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ لوگوں کو یہ بتا اور سمجھا دیں کہ وہ جس طرح کی گمراہی و بدعملی میں مبتلا ہیں اور غیر اللہ کی پوجا اور اللہ کی بعض صفات و افعال اور حقوق میں دوسروں کو شریک ٹھہرانے کا جو کام کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ اس پر ان کو عذاب دے گا۔

دوسرا کام یہ ہے کہ آپ خود اپنے اوپر اللہ کے احکام لاگو کریں تاکہ آپ کو اللہ کی خوشنودی بھی حاصل ہو اور آپ دوسروں کے لیے نمونہ بھی ٹھہریں۔ یہ حکم بقیہ آیات میں دیا گیا ہے۔

- چنانچہ ﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ آپ بڑائی اور کبریائی کے لیے اللہ ہی کو خاص کر لیں۔ اس میں کسی اور کو اس کے ساتھ شریک نہ کریں۔
- اور ﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾ کے بظاہر معنی یہ ہیں کہ کپڑے اور جسم پاک رکھیں کیونکہ اللہ کے سامنے نجاست اور گندگی کے ساتھ کھڑے ہونا ٹھیک نہیں مگر محققین کے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ اپنی روح کو پاک اور منزہ رکھیں۔
- اور ﴿وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی ناراضی و عذاب کے اسباب سے اور قوم کی بداعمالیوں، گندگیوں اور آلودگیوں سے الگ ہو جائیں۔
- اور ﴿وَلَا تَمْنُن تَسْتَكْثِرُ﴾ ''زیادہ چاہنے کے لیے احسان نہ کر'' کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں احسان کے بدلے کی خواہش اور امید نہ رکھیں بلکہ یہ سمجھ لیں کہ یہ مشکلات اور آزمائشوں کا راستہ ہے، لہٰذا اپنی قوم کا دین چھوڑنے اور ایک اللہ کی طرف بلانے پر تکالیف اور دشواریاں سہنے کے لیے تیار رہیں۔
- اور ﴿وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ﴾ اپنے رب کے لیے صبر کر۔''

تبلیغ کا آغاز ان آیات کے اترنے کے بعد نبی ﷺ دعوت و تبلیغ کے کام میں لگ گئے۔ چونکہ آپ کی قوم اکھڑ اور بت پرست تھی، باپ دادا سے جو کچھ ہوتا آیا تھا اسی کو حق سمجھتی تھی، اس میں اکڑ اور تکبر بھی بہت تھا، نیز وہ اپنے معاملات کے فیصلے تلوار سے کیا کرتی تھی، اس لیے اللہ نے آپ ﷺ کے لیے یہ راستہ چنا کہ تبلیغ کا کام خاموشی اور راز داری سے کریں اور صرف اسی کو مخاطب کریں جو بھلا، حق پسند اور قابلِ اطمینان ہو اور ان میں بھی سب سے پہلے اپنے گھر، کنبے، قبیلے اور دوست احباب کو دعوت دیں۔

پہلے پہل ایمان لانے والے اس پروگرام کے مطابق نبی ﷺ نے دعوت و تبلیغ شروع کی تو کئی خوش قسمت لوگوں نے اسے لپک کر قبول کیا اور آپ پر ایمان لے آئے۔

ان میں سب سے پہلا نام حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ہے۔ وہ آپ کی بیوی ہونے کی وجہ سے آپ کے بلند اخلاق اور اعلیٰ کردار کو سب سے اچھی طرح جانتی تھیں۔ اُنھیں یہ بھی پتہ تھا کہ ایک آخری نبی کی آمد ابھی باقی ہے۔ وہ آپ کے تعلق سے کچھ معجزانہ حالات و واقعات بھی سن چکی تھیں اور آپ ﷺ میں نبوت و رسالت کی جھلک بھی دیکھ چکی تھیں۔ ان سب پر مستزاد یہ کہ ورقہ جیسے صاحبِ علم و بصیرت نے بتایا تھا کہ حرا میں جو فرشتہ آپ کے پاس آیا تھا، وہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے اور جو کچھ لائے تھے، وہ وحی الٰہی تھی اور سب سے آخری بات یہ کہ سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات جب اتر رہی تھیں تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بنفسِ نفیس وہاں موجود تھیں، اس لیے یہ بالکل فطری بات تھی کہ وہ سب سے پہلے ایمان لاتیں۔

اِدھر ان آیات کے اترتے ہی نبی ﷺ اپنے جگری دوست ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور اُنھیں اپنی نبوت و رسالت سے آگاہ کرتے ہوئے ایمان لانے کی دعوت دی۔ انھوں نے بے کھٹک ایمان قبول کیا اور فوراً تصدیق کرتے ہوئے حق کی شہادت دی، چنانچہ وہ اس امت کے سب سے پہلے مومن ہیں۔ وہ آپ سے دو سال چھوٹے تھے اور آپ کا کھلا چھپا سب کچھ جانتے تھے، لہٰذا ان کا ایمان لانا آپ ﷺ کی سچائی کا بہترین ثبوت ہے۔

پہلے پہل ایمان لانے والوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زیرِ کفالت تھے۔ آپ ہی کے پاس رہتے تھے اور آپ ہی ان کے کھانے پینے کا بندوبست اور ان کی دیکھ بھال کرتے تھے کیونکہ قریش قحط سالی سے دوچار تھے اور ابوطالب کے پاس مال کم اور اولاد زیادہ تھی، لہٰذا ان کے بیٹے جعفر کو حضرت عباس پال رہے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پالا تھا۔ وہ آپ کے بچوں کی طرح آپ کے یہاں رہتے تھے اور آغازِ نبوت کے وقت بلوغت کے قریب پہنچ چکے تھے اور ایک قول کے مطابق ابھی دس سال کے تھے۔ جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے وہی وہ بھی کرتے تھے، لہٰذا جب آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو وہ مسلمان ہو گئے اور وہ بچوں میں سب سے پہلے مومن تھے۔

اسی طرح پہلے پہل ایمان لانے والوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ بن شراحیل کلبی تھے۔ یہ دور جاہلیت میں گرفتار کر کے بیچ دیے گئے تھے، پھر انھیں حکیم بن حزام نے خرید کر اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا تھا اور حضرت خدیجہ نے انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دیا تھا۔ جب ان کے والد اور چچا کو ان کی موجودگی کا علم ہوا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیں اور فدیہ لینے میں بھی احسان فرمائیں۔ آپ نے زید کو بلایا اور اختیار دیا کہ چاہے آپ کے پاس رہیں، چاہے والد اور چچا کے ساتھ چلے جائیں۔ انھوں نے آپ کے ساتھ رہنا پسند کیا۔ آپ نے اسی وقت قریش کے مجمع میں جا کر اعلان فرمایا:

«اِشْهَدُوا أَنَّ هٰذَا ابْنِي وَارِثًا وَّمَوْرُوثًا»

''گواہ رہو آج سے زید میرا بیٹا ہے۔ وہ میرا وارث اور میں اس کا وارث ہوں گا۔''

اور اسی دن سے ان کو ''زید بن محمد'' کہا جانے لگا۔ والد اور چچا یہ منظر دیکھ کر بخوشی واپس چلے گئے۔

یہ سارا واقعہ نبوت سے پہلے کا ہے، اسلام آیا تو اس نے منہ بولے بیٹے کا رواج ختم کر دیا اور حضرت زید کو زید بن حارثہ کہا جانے لگا۔

یہ چاروں حضرات اس دن ایمان لائے تھے، جس دن سورت مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئی تھیں۔ کہنے والوں نے ان میں سے ہر ایک کے متعلق کہا ہے کہ سب سے پہلے وہی ایمان لائے۔

اس کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی تبلیغ میں سرگرم ہو گئے اور حقِ رسالت ادا کرنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دایاں بازو بن گئے۔ وہ بڑے پاک دامن، پسندیدہ، نرم مزاج، شریف، دریا دل اور معزز تھے، عرب کے انساب و واقعات سب سے زیادہ جانتے تھے۔ ان کے کردار و اخلاق، جود و سخا، علم و فضل، لین دین اور میل جول کی خوبیوں کی وجہ سے ان کے پاس ہر قسم کے لوگوں کی آمد و رفت برابر رہا کرتی تھی۔ اب جس کو وہ بھلا اور بھروسے کے لائق محسوس کرتے اسے اسلام کی دعوت دے دیتے۔ اس طرح کبار صحابہ کی ایک جماعت نے ان کے ذریعے سے اسلام قبول کیا جن میں سرِ فہرست عثمان بن عفان اموی، زبیر بن عوام اسدی، عبد الرحمٰن بن عوف زُہری، سعد بن ابی وقاص زُہری اور طلحہ بن عبید اللہ تیمی رضی اللہ عنہم کے نام آتے ہیں۔ ان سب کو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اسلام کی حقیقت سے آگاہ کیا اور انھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے تو ان سب نے اسلام قبول کر لیا۔ ان کے بعد مندرجہ ذیل افراد نے اسلام قبول کیا:

امین الامت ابو عبیدہ عامر بن جراح، ابو سَلَمہ بن عبد الاسد، ان کی بیوی ام سَلَمہ، ارقم بن ابی الارقم، عثمان بن مظعون، ان کے بھائی قُدامہ بن مظعون اور عبد اللہ بن مظعون، عبیدہ بن حارث بن مطّلب بن عبد مناف، سعید بن زید بن عمرو بن نفیل اور ان کی بیوی حضرت عمر کی بہن فاطمہ بنت خطاب، خباب بن ارتؓ، جعفر بن ابی طالب اور ان کی بیوی اسماء بنت عُمیس، خالد بن سعید بن عاص اور ان کی بیوی امینہ بنت خلف، پھر ان کے بھائی عمرو بن سعید بن عاص، حاطب بن حارث، ان کی بیوی فاطمہ بنت مجلل اور ان کے بھائی خطاب بن حارث اور ان کی بیوی فُکَیْہہ بنت یسار، نیز ان کا ایک اور بھائی معمر بن حارث، مطّلب بن ازہر اور ان کی بیوی رَملہ بنت ابو عوف اور نعیم بن عبد اللہ بن نحام رضی اللہ عنہم۔

یہ سب لوگ قریشی تھے اور قریش کی مختلف شاخوں سے تعلق رکھتے تھے۔ اس ابتدائی دور میں قریش کے علاوہ دوسرے قبائل سے جو لوگ اسلام لائے ان کے نام یہ ہیں:

عبداللہ بن مسعود ہُذَلی، مسعود بن ربیعہ القاری، عبداللہ بن جحش اور ان کے بھائی ابواحمد بن جحش، صُہَیب بن سِنان رومی، عمار بن یاسر عنسی، ان کے والد یاسر اور والدہ سمیہ اور عامر بن فُہیرہ رضی اللہ عنہم۔

اوپر ذکر کی گئی خواتین کے علاوہ جن عورتوں نے اسلام کی طرف سبقت کی ان کے نام یہ ہیں:
ام ایمن برکت حبشیہ جو نبی ﷺ کو بچپن میں گود کھلایا کرتی تھیں اور آپ کے والد کی لونڈی تھیں، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بیوی امّ الفضل لُبابہ الکبریٰ بنت حارث ہلالیہ اور اسماء بنت ابوبکر صدیق رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ عَنْهُنَّ أَجْمَعِيْنَ۔ [1]

یہ لوگ اور ان کے ساتھ مزید جو لوگ اسلام لائے انھیں سابقین اولین کہا جاتا ہے۔
تلاش وجستجو سے معلوم ہوتا ہے کہ جن کو قدیم الاسلام یا سابقین اولین کہا گیا ہے ان کی تعداد تقریباً ایک سوتیس تک پہنچ جاتی ہے لیکن ان میں سے ہر ایک کے اسلام لانے کا وقت ٹھیک ٹھیک معلوم نہیں ہو سکا۔ غالباً اس میں ایسے صحابہ بھی ہیں جنھوں نے کھلم کھلا اسلام کی دعوت شروع ہونے کے بعد اسلام قبول کیا تھا۔

اہلِ ایمان کی عبادت وتربیت جیسا کہ گزر چکا ہے سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات کے بعد وحی پے درپے آتی رہی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد سب سے پہلی سورت جو نازل ہوئی وہ سورۂ فاتحہ ہے۔ اس میں اہلِ ایمان کو حمد اور دعا کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ اللہ کی ہستی کی چند جامع صفات بیان کر کے اس کا ٹھیک ٹھیک تصور دیا گیا ہے اور یہ بھی سمجھا دیا گیا ہے کہ اس دنیا میں اچھے یا بُرے، جیسے کام کرو گے ٹھیک ویسا ہی نتیجہ اور بدلہ پاؤ گے اور یہ بدلہ آگے ایک دوسری دنیا میں ملے گا۔ اس کے علاوہ کامیابی اور سعادت کے راستے کی پہچان بھی بتائی گئی ہے۔ اس طرح دینِ حق کا سارا ماحصل اس سورت کے چند سادے بولوں میں آ گیا

[1] سیرت ابن هشام: 262,245/1.

ہے اور حمد اور دعا کی شکل میں بندے کو اس کی تعلیم دی گئی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ رسالت شروع ہونے کے بعد سب سے پہلے جو حکم دیا گیا، وہ نماز کا حکم تھا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے تشریف لا کر نماز اور وضو کا طریقہ بتایا اور صبح وشام دو دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ ①

یوں مکمل طہارت اہلِ ایمان کی علامت ٹھہری۔ وضو کو نماز کی شرط قرار دیا گیا۔ سورۂ فاتحہ نماز کی اصل اور حمد وتسبیح نماز کے اوراد و وظائف قرار پائے۔ اب نماز ہی اہل ایمان کی اصل عبادت تھی جو انھیں قائم کرنی تھی، اس کے لیے وہ نظروں سے دور جگہوں کا انتخاب کرتے اور کبھی کبھی وادیوں اور گھاٹیوں میں بھی چلے جاتے تھے۔ ②

اسلام کے ابتدائی دنوں میں نماز کے علاوہ کسی عبادت یا امر و نہی کا پتہ نہیں چلتا۔ وحی آتی تھی توحید کے مختلف گوشوں کو بیان کرتی تھی، صحابہ رضی اللہ عنہم کو نفس کی صفائی کی ترغیب دیتی تھی، مکارمِ اخلاق پر ابھارتی تھی، جنت وجہنم کے حالات بیان کرتی تھی اور ایسی زبردست نصیحتیں لے کر آتی تھی کہ ان سے سینے کھل جاتے تھے اور روح کو غذا ملتی تھی۔

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کتاب وحکمت کی تعلیم کے ذریعے سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو یکجا کرتے، انھیں دلوں کی صفائی، اخلاق کی پاکیزگی، معاملات کی سچائی اور نفس کی عفت کی تربیت دیتے، تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاتے، صحیح راستہ بتاتے اور اللہ کے دین کو مضبوطی سے پکڑنے، اس کی رسی کو اچھی طرح تھامنے اور اس کے معاملے میں ثابت قدم رہنے کی تلقین فرماتے تھے۔

یوں تین برس گزر گئے اور صرف افراد کو دعوت دی جاتی رہی۔ مجلسوں اور محفلوں میں کہیں اعلانیہ تبلیغ نہیں کی گئی لیکن قریش کو اس کا علم ہو گیا اور بعض نے اس پر تنکیر بھی کی۔ بعض اہلِ ایمان پر کچھ زیادتیاں کی گئیں، تاہم عمومی طور پر قریش نے اب تک اسے کوئی

① شیخ عبداللہ نے اسے مختصر السیرة، ص: 88 میں حارث بن ابی اسامہ اور ابن ماجہ سے ذکر کیا ہے۔
② سیرت ابن هشام: 247/1، ومسند أبي داود الطيالسي: 100/1، حديث: 184.

اہمیت نہیں دی۔ ادھر نبی ﷺ نے بھی ان کے دین سے کوئی تعرض کیا نہ ان کے معبودوں کے بارے میں کوئی بات کہی۔

اسلام کی علانیہ تبلیغ

قرابت داروں میں تبلیغ جب اکا دکا افراد کو خاموشی سے اسلام کی دعوت دیتے ہوئے تین برس گزر گئے، قریش اور دوسرے قبیلوں کے کچھ اچھے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور یوں اسلام کی علانیہ تبلیغ کے لیے حالات میں تھوڑی سی گنجائش ہو چلی تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا:

﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ○ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ○ فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ○﴾

”اور اب آپ اپنے نزدیکی رشتے داروں کو ڈرائیں، پھر جو ایمان لائیں اور آپ کے پیروکار بن جائیں ان کے لیے اپنا بازو جھکائے رکھیں اور جو آپ کی بات نہ مانیں ان سے آپ اپنی لاتعلقی کا اعلان کر دیں۔“[1]

اس حکم پر نبی ﷺ نے اپنے سب سے نزدیکی قرابت داروں، یعنی بنو ہاشم کو اکٹھا کیا۔ ان کے ساتھ بنو مُطّلب کے بھی کچھ آدمی تھے۔ آپ نے ان کے سامنے اللہ کی حمد وثنا کی۔ اس کی وحدانیت کی شہادت دی اور فرمایا:

«وَاللّٰهِ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ! إِنِّي لَرَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ خَاصَّةً وَ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً، وَاللّٰهِ لَتَمُوتُنَّ كَمَا تَنَامُونَ، وَلَتُبْعَثُنَّ كَمَا تَسْتَيْقِظُونَ، وَ لَتُحَاسَبُنَّ بِمَا تَعْمَلُونَ، وَ إِنَّهَا الْجَنَّةُ أَبَدًا أَوِ النَّارُ أَبَدًا»

”اللہ وحدہ لاشریک کی قسم میں تمھارے لیے خصوصاً اور تمام انسانوں کے لیے عموماً

[1] الشعرآء 26:214-216.

اللہ کا رسول ہوں۔ اللہ کی قسم! تم لوگ اسی طرح مر جاؤ گے جیسے سوتے ہو، پھر اسی طرح اٹھائے جاؤ گے جیسے جاگتے ہو۔ اس کے بعد تم سے تمھارے اعمال کا حساب لیا جائے گا، پھر یا تو ہمیشہ کے لیے جنت ہوگی یا ہمیشہ کے لیے جہنم۔''

نبی ﷺ کی باتیں سن کر سب نے نرمی سے گفتگو کی۔ صرف آپ کے چچا ابولہب نے کہا: ''اس کا ہاتھ اس سے پہلے پکڑ لو کہ عرب اس کے خلاف اکٹھے ہوں ورنہ اس وقت اگر اس کو ان کے حوالے کرو گے تو ذلت اٹھاؤ گے اور اگر اسے بچانا چاہو گے تو مارے جاؤ گے۔''

مگر آپ کے چچا ابو طالب نے کہا: ''تمھیں جو حکم ملا ہے، اسے کر گزرو۔ واللہ! میں مسلسل تمھاری حفاظت اور بچاؤ کرتا رہوں گا، البتہ میرا جی نہیں چاہتا کہ میں اپنے والد عبدالمطّلب کا دین چھوڑ دوں۔''[1]

صفا کی پہاڑی پر انھی دنوں اللہ نے ایک اور حکم اتارا:

﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ○﴾

''تمھیں جس بات کا حکم دیا جا رہا ہے، اسے کھلم کھلا بیان کر دو اور مشرکوں سے منہ پھیر لو۔''[2]

یہ حکم ملنے کے بعد ایک روز رسول اللہ ﷺ صفا پہاڑی پر تشریف لے گئے اور سب سے اونچے پتھر پر چڑھ کر صدا لگائی: «يَاصَبَاحَاه» ''ہائے صبح!''

یہ پکار اس بات کی علامت ہوا کرتی تھی کہ دشمن نے حملہ کر دیا ہے یا کوئی بڑا حادثہ پیش آ گیا ہے۔ اس کے بعد نبی ﷺ نے قریش کے ایک ایک خاندان اور کنبے کو نام بنام پکارنا شروع کیا:

«يَا بَنِي فِهْرٍ! يَا بَنِي عَدِيٍّ! يَا بَنِي فُلَانٍ! يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ!

① الكامل لابن الأثير :585,584/1. ② الحجر 94:15.

يَا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ!»

''اے بنی فہر! اے بنی عدی! اے بنی فلاں! اے بنی عبد مناف! اے بنی عبدالمطلب!''

جب لوگوں نے یہ آواز سنی تو کہا: یہ کون پکار رہا ہے؟ کچھ لوگوں نے بتایا: کہ محمد ﷺ، اس پر ہر طرف سے لوگ دوڑ پڑے، یہاں تک کہ اگر کوئی آدمی خود نہ آسکا تو اپنی جگہ کسی دوسرے کو بھیج دیا کہ دیکھ کر آئے کیا بات ہے۔ یوں جب سب اکٹھے ہوگئے تو آپ نے فرمایا:

«أَرَأَيْتَكُمْ لَوْ أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ خَيْلًا بِالْوَادِي بِسَفْحِ هٰذَا الْجَبَلِ، تُرِيدُ أَنْ تُغِيرَ عَلَيْكُمْ، أَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ؟»

''یہ بتاؤ! اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے وادی میں گھڑ سواروں کی ایک جماعت ہے جو تم پر حملہ آور ہوا چاہتی ہے تو کیا تم مجھے سچا مانو گے؟''

لوگوں نے کہا: ہاں ہاں! ہم نے آپ کو کبھی جھوٹا نہیں پایا۔ ہم نے ہمیشہ آپ کو سچا ہی پایا ہے۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَإِنِّي نَذِيرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ، إِنَّمَا مَثَلِي وَ مَثَلُكُمْ كَمَثَلِ رَجُلٍ، رَأَى الْعَدُوَّ فَانْطَلَقَ، يَرْبَأُ أَهْلَهُ، فَخَشِيَ أَنْ يَّسْبِقُوهُ، فَجَعَلَ يُنَادِي «يَا صَبَاحَاهُ»

''اچھا تو میں ایک سخت عذاب کے آنے سے پہلے تمھیں ڈرانے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ میری اور تمھاری مثال ایسی ہی ہے جیسے کسی آدمی نے دشمن کو دیکھ لیا اور جھٹ پٹ دوڑا کہ گھر والوں کی حفاظت کا بندوبست کرے لیکن اس نے خطرہ محسوس کیا کہ دشمن اس سے پہلے انھیں آدبوچے گا، لہٰذا وہ زور زور سے پکارنے لگا: یَا صَبَاحَاہ ہائے صبح!''

اس کے بعد نبی ﷺ نے لوگوں کو دعوت دی کہ وہ 'لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ، کا سچے دل سے اقرار کریں اور بتلایا کہ یہی کلمہ دنیا کی کامیابی اور آخرت کی نجات کا ذریعہ ہے اور سمجھایا کہ اگر وہ اپنے شرک پر جمے رہے اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی باتوں پر ایمان نہ لائے تو اللہ کا عذاب انھیں اپنی گرفت میں لے لے گا اور آپ رسول ہونے کے باوجود انھیں عذاب سے بچا سکیں گے نہ اللہ سے چھڑا سکیں گے۔ آپ نے یہ ڈراوا عام لوگوں کو بھی سنایا اور خاص لوگوں کو بھی، چنانچہ فرمایا:

«يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! اشْتَرُوا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ، أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ، فَإِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا، وَّلَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا»

''اے قریش کے لوگو! جہنم سے نجات کے بدلے میں اللہ سے اپنی جانوں کا سودا کر لو کیونکہ میں تمھارے نفع ونقصان کا مالک نہیں اور نہ تمھیں اللہ سے بچانے کے سلسلے میں تمھارے کام آ سکتا ہوں۔

«يَا بَنِي كَعْبِ بْنِ لُؤَيٍّ! أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ، فَإِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا»

اے بنی کعب بن لوی! اپنے آپ کو جہنم سے بچالو کیونکہ میں تمھارے نفع ونقصان کا مالک نہیں۔

«يَا بَنِي مُرَّةَ بْنِ كَعْبٍ! أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ»

اے بنی مرہ بن کعب! اپنے آپ کو جہنم سے بچالو۔

«يَا مَعْشَرَ بَنِي قُصَيٍّ! أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ، فَإِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا»

اے بنی قصی! اپنے آپ کو جہنم سے بچالو۔ میں تمھارے نفع ونقصان کا مالک نہیں۔

«يَا بَنِي عَبْدِ شَمْسٍ! أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ»

اے بنی عبد شمس! اپنے آپ کو جہنم سے بچالو۔

«يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ! أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ فَإِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا»

اے بنی عبد مناف! اپنے آپ کو جہنم سے بچالو کیونکہ میں تمھارے نفع ونقصان کا مالک نہیں۔

«يَا بَنِي هَاشِمٍ! أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ»

اے بنی ہاشم! اپنے آپ کو جہنم سے بچالو۔

«يَا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ! أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ، فَإِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا، وَّلَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا، سَلُونِي مِنْ مَّالِي مَا شِئْتُمْ، لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا»

اے بنی عبد المطلب! اپنے آپ کو جہنم سے بچالو کیونکہ میں تمھارے نفع ونقصان کا مالک نہیں اور تمھیں اللہ سے بالکل نہیں بچا سکتا۔ میرے مال میں سے جتنا چاہو مانگ لو مگر میں تمھیں اللہ سے بچانے کے لیے کوئی اختیار نہیں رکھتا۔

«يَا عَبَّاسَ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ! لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا»

اے عباس بن عبد المطلب! میں اللہ سے بچانے کے لیے تمھارے بھی کچھ کام نہیں آسکتا۔

«يَا صَفِيَّةُ بِنْتَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ عَمَّةَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ! لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا»

اے رسول اللہ کی پھوپھی صفیہ بنت عبد المطلب! میں اللہ سے بچانے کے لیے

تمھارے بھی کچھ کام نہیں آ سکتا۔

«يَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ رَّسُولِ اللّٰهِ! سَلِينِي بِمَا شِئْتِ، أَنْقِذِي نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ، لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا»

اے رسول اللہ کی بیٹی فاطمہ! جو مال چاہو مانگ لو مگر اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ۔ میں تمھیں بھی اللہ سے بچانے کے لیے کچھ کام نہیں آ سکتا۔

«غَيْرَ أَنَّ لَكُمْ رَحِمًا، سَأَبُلُّهَا بِبَلَالِهَا»

ہاں تم لوگوں سے نسب وقرابت کا تعلق ہے جسے اس کی تری کے مطابق تر کروں گا، یعنی حق رشتہ داری نبھاؤں گا۔"

اس ڈراوے کے بعد لوگ اِدھر اُدھر بکھر گئے اور ایسا کوئی بیان نہیں ملتا کہ فوری طور پر لوگوں نے کسی قسم کی مخالفت یا تائید کی ہو، البتہ ابولہب بدسلوکی سے پیش آیا۔ اس نے کہا: تو سارا دن غارت ہو۔ تو نے اسی لیے ہم کو اکٹھا کیا تھا؟ اس کے جواب میں سورہ ﴿تَبَّتْ يَدَآ أَبِي لَهَبٍ﴾ نازل ہوئی اور بتایا گیا کہ وہ، اس کی بیوی اور اس کا مال سب غارت ہو جائیں گے اور جہنم کا ایندھن بنیں گے۔[1]

جہاں تک عام لوگوں کا تعلق ہے تو لگتا ہے کہ وہ یہ ڈراوا سن کر حیرت میں پڑ گئے اور فوری طور پر کوئی فیصلہ نہیں کر سکے کہ اُنھیں کیا کرنا چاہیے لیکن جب وہ گھروں کو واپس ہوئے، طبیعتوں کو قرار آیا، حیرت وتعجب ختم ہوا اور وہ مطمئن ہو گئے تو متکبرانہ خیالات نے اپنی راہ بنائی اور انھوں نے اس تبلیغ اور ڈراوے کو حقارت اور مذاق کی نظر سے دیکھا، چنانچہ نبی ﷺ جب ان کے بڑوں کے پاس سے گزرتے تو وہ اس طرح کی باتیں کہتے:

"یہی ہے جسے اللہ نے رسول بنا دیا ہے۔ ابو کبشہ کا یہ لڑکا آسمان سے مخاطب کیا

[1] از مجموعہ روایات صحیح البخاري، التفسیر، باب ﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾، حدیث: 4770، وصحیح مسلم، الإیمان، باب في قوله ﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾، حدیث: 208، وجامع الترمذي، تفسیر القرآن، باب ومن سورة الشعراء، حدیث: 3184 وغیرہ۔

جاتا ہے۔“

ابو کبشہ نبی ﷺ کے ننھیالی (اور دودھیالی) نسب میں پڑتا ہے۔ اس نے قریش کا دین چھوڑ کر نصرانیت اختیار کر لی تھی، اس لیے جب نبی ﷺ نے ان سے الگ دین کا اعلان کیا تو انھوں نے آپ کو تحقیر اور طعنہ زنی کی نیت سے ابو کبشہ کی طرف منسوب کیا اور اس کے مثل قرار دیا۔

بہرحال نبی ﷺ اپنی تبلیغ میں لگے رہے اور مجمعوں اور محفلوں میں اس کا اظہار شروع کر دیا۔ آپ کتاب اللہ کی آیتیں پڑھتے اور پچھلے رسولوں نے جو پیغام سنایا تھا، وہی پیغام سناتے: ﴿يَقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ﴾

”اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں۔“[1]

اس کے ساتھ ہی آپ نے لوگوں کی آنکھوں کے سامنے کھلم کھلا اللہ کی عبادت شروع کر دی، چنانچہ آپ دن دہاڑے سارے لوگوں کے سامنے کعبے کے صحن میں نماز پڑھتے۔

آپ کی تبلیغ دھیرے دھیرے کامیاب ہوتی گئی، ایک ایک کر کے بہت سے لوگ مسلمان ہوتے گئے اور جو مسلمان ہوئے ان میں اور ان کے گھر کے دوسرے لوگوں میں دوری اور نفرت بھی پیدا ہوتی گئی۔

حاجیوں کو آگاہ کرنے کے لیے قریش کے مشورے

قریش اس پوری صورتِ حال کو تشویش کی نظر سے دیکھ رہے تھے اور ابھی اس پر تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ حج کا وقت آ گیا اور انھیں حاجیوں کے بارے میں تشویش نے آ گھیرا، چنانچہ ان کی ایک جماعت ولید بن مغیرہ کے پاس آئی، یہ ان میں عمر رسیدہ اور مرتبے کا آدمی تھا۔ اس نے کہا:

”دیکھو! حج کا وقت آ گیا ہے۔ اب ہر طرف سے لوگ تمھارے پاس آئیں گے

[1] الأعراف 85:7.

اور وہ تمھارے اس صاحب کا معاملہ سن ہی چکے ہیں، لہٰذا کوئی ایک رائے طے کرلو اور مختلف باتیں نہ کہنا ورنہ ایک دوسرے کو جھٹلا بیٹھو گے۔"

لوگوں نے کہا: "آپ ہی کہیں اور ہمارے لیے کوئی رائے طے کر دیں۔"

اس نے کہا: "نہیں بلکہ تم لوگ کہو میں سنوں گا۔"

لوگوں نے کہا: "اچھا تو ہم کہیں گے وہ کاہن ہے۔"

اس نے کہا: "وہ کاہن نہیں ہے۔ ہم نے کاہنوں کو دیکھا ہے۔ اس میں نہ ان کی سی گنگناہٹ ہے نہ تک بندی۔"

لوگوں نے کہا: "تب ہم کہیں گے کہ وہ پاگل ہے۔"

اس نے کہا: "وہ پاگل بھی نہیں ہے۔ ہم پاگل پن کو بھی جانتے پہچانتے ہیں۔ اس میں نہ پاگلوں کی سی گھٹن ہے، نہ الٹی سیدھی حرکتیں، نہ بہکی بہکی باتیں۔"

لوگوں نے کہا: "تب ہم کہیں گے کہ وہ شاعر ہے۔"

اس نے کہا: "وہ شاعر بھی نہیں ہے۔ ہمیں شعر وشاعری کی تمام قسمیں معلوم ہیں۔ وہ شاعر نہیں ہے۔"

لوگوں نے کہا: "اچھا تو ہم کہیں گے کہ وہ جادوگر ہے۔"

اس نے کہا: "وہ جادوگر بھی نہیں ہے۔ ہم نے جادو اور جادوگر سب دیکھے ہیں، اس میں نہ ان کی سی جھاڑ پھونک ہے نہ گرہ بندی۔"

لوگوں نے کہا: "تب ہم کیا کہیں؟"

اس نے کہا:

"واللہ! اس کی بات میں مٹھاس، رونق اور تازگی ہے۔ اس کی جڑ پائیدار اور اس کی شاخ پھلدار ہے۔ تم جو کچھ بھی کہو واضح ہوجائے گا کہ وہ باطل ہے۔ ویسے زیادہ مناسب یہی ہے کہ وہ جادوگر ہے اور اس کی بات میں جادو ہے۔ وہ اس کے ذریعے سے باپ بیٹے میں، بھائی بھائی میں، میاں بیوی میں، آدمی اور اس کے

خاندان میں تفرِقہ ڈال دیتا ہے۔“

یہ بات طے کر کے لوگ وہاں سے اٹھے اور اُنھوں نے حج کے لیے آنے والوں کی راہ میں بیٹھنا شروع کر دیا۔ اب جو بھی ان کے پاس سے گزرتا، اس سے آپ کی بات ذکر کرتے اور ڈراتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے آپ کو دیکھنے اور سننے سے پہلے ہی آپ کا معاملہ جان لیا۔[1]

اس کے بعد جب حج کے دن آ گئے تو نبی ﷺ نے حاجیوں کے مجمعوں اور ڈیروں میں جا جا کر انھیں اسلام کی طرف بلانا شروع کیا۔ آپ فرماتے:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ قُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوا»

”لوگو لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہو کامیاب رہو گے۔“

ادھر ابولہب کا یہ حال تھا کہ وہ آپ کے پیچھے پیچھے لگا رہتا۔ جھٹلاتا جاتا اور تکلیف بھی پہنچاتا۔[2] اس طرح اس حج سے جب حجاج واپس ہوئے تو پورے عرب میں نبی ﷺ کا چرچا پھیل گیا۔

مقابلے کی مختلف تدبیریں

حج کے بعد جب قریش اپنے گھروں کو واپس آ کر مطمئن ہو چکے تو انھوں نے اس مسئلے کے مکمل حل کی طرف توجہ دی اور غور و فکر اور باہمی مشورے سے کئی تدبیریں طے کیں جن کے متعلق ان کا اندازہ تھا کہ ان سے اسلامی دعوت کا کام تمام کیا جا سکتا ہے۔ یہ تدبیریں مختصراً یہ ہیں:

① **ہنسی اڑانا اور تحقیر و استہزا کی رَوِش اپنانا** اس کا مقصد یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ اور

① سیرت ابن ہشام: 1/271، ودلائل النبوة للبیہقي: 2/198، أبو نعیم (دلائل) وغیرہ.

② مسند أحمد: 3/492 و 4/341، والبدایة والنہایة: 5/75، وکنز العمال: 12/449، 450.

مسلمانوں کے حوصلے ٹوٹ جائیں، چنانچہ وہ آپ ﷺ کے بارے میں کہتے:

''اس پر جادو کر دیا گیا ہے، شاعر ہے، پاگل ہے، کاہن ہے، اس کے پاس شیطان آتا ہے، جادوگر ہے، جھوٹا ہے، گھڑنتیا ہے، بناوٹی ہے وغیرہ۔ جب آپ کو آتے جاتے دیکھتے تو غصے اور انتقام کی نظر سے یوں دیکھتے گویا کھا جائیں گے اور حقارت آمیز لہجے میں کہتے: ''یہی ہے جو تمھارے خداؤں پر انگلی اٹھاتا ہے۔''

کمزور صحابہ کو دیکھتے تو کہتے:

''یہ لو، تمھارے پاس زمین کے بادشاہ آگئے۔ ارے یہی ہیں جن پر اللہ نے ہم سب کو چھوڑ کر احسان کر دیا۔''

ان کا نقشہ اللہ نے یوں کھینچا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ ۝ وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ ۝ وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمُ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ ۝ وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَضَالُّونَ ۝﴾

''مجرم، ایمان لانے والوں کی ہنسی اڑاتے تھے اور جب ان کے پاس سے گزرتے تو آنکھیں مارتے اور جب وہ اپنے گھروں کو پلٹتے تو مزے لیتے ہوئے پلٹتے اور جب اُنھیں دیکھتے تو کہتے کہ یہی لوگ گمراہ ہیں۔''[1]

مشرکین نے اس ہنسی، مذاق، ٹھٹھے اور طعنہ زنی کی اتنی کثرت کی کہ خود نبی ﷺ کی طبیعت اس سے متاثر ہوئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ۝﴾

''ہمیں معلوم ہے کہ ان کی باتوں سے آپ کا سینہ تنگ ہو رہا ہے۔''[2]

پھر بتایا کہ اس کا اثر کیسے جائے گا اور ثابت قدمی کیسے آئے گی، چنانچہ فرمایا:

﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ ۝ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ۝﴾

① المطففين 83:29-32. ② الحجر 15:97.

”تم اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو۔ اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔ اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہو یہاں تک کہ موت آ جائے۔“[1]

اس سے پہلے آپ کو تسلی بھی دی گئی:

﴿إِنَّا كَفَيْنَٰكَ ٱلْمُسْتَهْزِءِينَ ۝ ٱلَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ ٱللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝﴾

”ہم آپ سے استہزا کرنے والوں کو کافی ہیں۔ جو اللہ کے ساتھ دوسروں کو معبود ٹھہراتے ہیں، انھیں بہت جلد نتیجہ معلوم ہو جائے گا۔“[2]

آپ کو یہ بھی بتایا گیا کہ ان کی حرکت ان کے لیے باعثِ وبال ہوگی، چنانچہ فرمایا:

﴿وَلَقَدِ ٱسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَحَاقَ بِٱلَّذِينَ سَخِرُوا۟ مِنْهُم مَّا كَانُوا۟ بِهِۦ يَسْتَهْزِءُونَ ۝﴾

”آپ سے پہلے بھی رسولوں کے ساتھ استہزا کیا جا چکا ہے جس کا نتیجہ یہ رہا ہے کہ خود ان مذاق اڑانے والوں کو ان کے استہزا نے گھیر لیا۔“[3]

لوگوں کو آپ ﷺ کی بات سننے سے روکنا انھوں نے طے کیا کہ جب نبی ﷺ کو دیکھو کہ وہ لوگوں کے درمیان دعوت وتبلیغ کے لیے کھڑے ہیں تو خوب شور مچاؤ اور لوگوں کو وہاں سے بھگا دو تاکہ انھیں اپنی بات بیان کرنے کا موقع ہی نہ مل سکے۔ مشرکین نے اس تجویز پر عمل کرنے کی ایک دوسرے کو خوب تاکید کی اور بڑی سختی اور پختگی سے اس پر عمل بھی کیا، چنانچہ ان کے مجمعِ عام میں نبی ﷺ کو تلاوتِ قرآن کا جو پہلا موقع مل سکا، وہ نبوت کے پانچویں برس رمضان کے مہینے میں ملا۔ اس موقع پر آپ نے سورتِ نجم تلاوت فرمائی تھی۔

معاملہ اس قدر سخت تھا کہ نبی ﷺ جب نماز میں قرآن کی تلاوت فرماتے اور یہ تلاوت زیادہ تر رات کو تہجد کی نماز میں ہوا کرتی تو یہ لوگ قرآن کو، اس کے اتارنے والے کو اور

[1] الحجر 15:98-99. [2] الحجر 15:95,96. [3] الأنعام 6:10.

اسے لانے والے کو گالیاں دیتے، چنانچہ اللہ نے حکم دیا:

﴿ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ۝﴾

''اپنی نماز نہ بہت اونچی آواز سے پڑھو نہ بالکل دھیمی آواز سے بلکہ بیچ کا راستہ اپناؤ۔''[1]

اسی تدبیر کا ایک حصہ یہ تھا کہ نضر بن حارث حیرہ اور شام گیا اور وہاں سے لوک کہانیاں، دارا و سکندر اور رستم و اسفندیار کے قصے سیکھ کر آیا اور جہاں مجلس جمتی، داستان شروع کر دیتا اور لوگوں کو موقع ہی نہ دیتا کہ وہ نبی ﷺ کی بات سن سکیں۔ اگر پتہ چلتا کہ کسی مجلس میں بیٹھ کر آپ نے کچھ وعظ و نصیحت کی ہے تو آپ کے ہٹتے ہی ٹپک پڑتا اور قصے کہانیاں سنا کر کہتا کہ آخر محمد کی بات کیونکر مجھ سے اچھی ہے۔[2]

اس کے بعد اس نے ایک قدم اور آگے بڑھایا، گانے بجانے والی لونڈیاں خریدیں اور جس کے متعلق سنتا کہ وہ اسلام کی طرف مائل ہے تو اسے کسی لونڈی کے پاس لے جا کر اس لونڈی سے کہتا کہ اسے کھلاؤ پلاؤ اور گانے سناؤ اور اس شخص کو سمجھاؤ کہ ''محمد جس بات کی طرف بلا رہے ہیں یہ اس سے بہتر ہے۔'' اللہ نے اسی بارے میں یہ آیت نازل کی:

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝﴾

''بعض لوگ کھیل کی بات خریدتے ہیں تاکہ علم کے بغیر اللہ کی راہ سے گمراہ کریں اور اسے مذاق بنائیں۔ ایسے لوگوں کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔''[3]

شکوک و شبہات پیدا کرنا اور پروپیگنڈے کرنا اس میدان میں قریش نے بڑی سرگرمی دکھائی اور بڑا تفنن اختیار کیا، چنانچہ وہ قرآن کے بارے میں کبھی کہتے کہ یہ محض اوٹ پٹانگ خواب ہے جسے محمد رات کو دیکھتے ہیں اور دن کو تلاوت کرنے لگتے ہیں۔ کبھی کہتے کہ انھوں

[1] بنی إسرآءیل 110:17. [2] سیرت ابن ہشام :300,299/1 و 358. [3] لقمان 31 :6، والدر المنثور، تفسیر سورۃ لقمان 6:31 (307/5).

نے خود اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے۔ کبھی کہتے کہ انھیں ایک انسان سکھاتا ہے۔ کبھی کہتے کہ یہ محض جھوٹ ہے جسے کچھ لوگوں کی مدد سے انھوں نے گھڑا ہے، یعنی سب مل جل کر گھڑتے ہیں۔ کبھی کہتے کہ یہ تو پہلوں کے افسانے ہیں جنھیں انھوں نے لکھوا لیا ہے اور اب یہ ان پر صبح وشام تلاوت کیے جاتے ہیں۔ کبھی کہتے کہ ان کے پاس ایک جن یا شیطان ہے جو اسی طرح قرآن لے کر اترتا ہے جیسے کاہنوں پر جن و شیطان اترا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا:

﴿هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ ○ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ○﴾

''میں بتاؤں کس پر شیطان اترتے ہیں، وہ ایسے لوگوں پر اترتے ہیں جو پکے جھوٹے اور گناہ گار ہوں۔''[1]

یعنی شیطان صرف ایسے ہی انسانوں پر اترتے ہیں جو جھوٹے ہوں، بدکار ہوں، گناہوں میں لت پت ہوں جبکہ میں ایسا انسان ہوں کہ تم نے مجھے کبھی کوئی جھوٹ بولتے نہیں سنا اور نہ مجھ میں کسی طرح کی کوئی برائی و بدکاری پائی، پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ قرآن شیطان کا اتارا ہوا ہو۔

کبھی کہتے کہ نبی ﷺ کو ایک قسم کا جنون ہو گیا ہے جس کے اثر سے وہ عجیب وغریب قسم کے معانی ومطالب سوچتے ہیں اور انھیں نہایت عمدہ قسم کے الفاظ میں ڈھال دیتے ہیں۔ جیسے شعراء اپنے اشعار ڈھالا کرتے ہیں، لہٰذا وہ شاعر ہیں اور ان کا کلام شعر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا:

﴿وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ○ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ○ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ○﴾

''شعراء کی پیروی بہکے ہوئے لوگ کرتے ہیں۔ تم دیکھتے نہیں کہ وہ ہر میدان میں بھٹکتے پھرتے ہیں اور ایسی باتیں کہتے ہیں جنھیں کرتے نہیں۔''[2]

① الشعرآء 26:221-222. ② الشعراء 26:224-226.

مطلب یہ کہ یہ تین باتیں شعراء کی خصوصیات میں داخل ہیں اور ان میں سے کوئی بات بھی نبی ﷺ میں نہیں پائی جاتی، چنانچہ جو لوگ آپ کے پیروکار ہیں وہ اپنے دین میں، اپنے اخلاق میں، اپنے کردار میں، اپنے تصرفات میں، اپنے معاملات میں غرض ہر بات میں صحیح راستے پر ہیں، راست باز ہیں، پرہیز گار ہیں اور نیکوکار ہیں۔ ان کو کسی معاملے میں بہکاوا اور گمراہی چھو کر بھی نہیں گزری، پھر نبی ﷺ شاعروں کی طرح ہر وادی میں ہاتھ پاؤں بھی نہیں مارتے پھر رہے۔ بلکہ آپ کی دعوت وتبلیغ کا ایک خاص میدان ہے۔ آپ ﷺ ایک اللہ، ایک دین اور ایک راستے کی طرف بلا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ وہی بات کہتے ہیں جسے کرتے بھی ہیں اور وہی کام کرتے ہیں جسے کہتے بھی ہیں، لہٰذا آپ کو شعروشاعری سے کیا نسبت اور شعروشاعری کو آپ سے کیا نسبت۔

بحث اور کٹ حجتی مشرکین کو تین باتوں پر بہت اچنبھا تھا اور درحقیقت یہی تین باتیں ان کے اور مسلمانوں کے درمیان دینی اختلاف کی جڑ تھیں ایک توحید، دوسری رسالت اور تیسری موت کے بعد اٹھایا جانا۔

تیسری اور آخری بات، یعنی موت کے بعد اٹھائے جانے کے معاملے میں ان کے پاس تعجب، اچنبھے اور عقل کی کمی کے سوا کچھ نہ تھا۔ وہ کہتے تھے:

﴿ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ۝﴾

''بھلا جب ہم مرکر مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہمیں اٹھایا جائے گا۔ بھلا ہمارے پچھلے باپ دادا بھی زندہ کیے جائیں گے۔''[1]

﴿ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ۝﴾ ''یہ واپسی تو بعید از عقل لگ رہی ہے۔''[2]

وہ یہ بھی کہتے تھے:

﴿هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ﴾

[1] الصّٰفّٰت 37:16,17. [2] قٓ 50:3.

کافروں کا اختلاف (1) توحید (2) رسالت (3) موت کے بعد دوبارہ اٹھایا

''آؤ! ہم تمھیں ایک آدمی کا پتہ بتائیں جو یہ خبر دیتا ہے کہ جب تم ایک دم ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو پھر نئے سرے سے پیدا کر دیے جاؤ گے۔ (سمجھ میں نہیں آتا کہ) وہ اللہ پر جھوٹ گھڑ رہا ہے یا پاگل ہے۔''[1]

ان کے ایک کہنے والے نے یہ بھی کہا:

أَمَوْتٌ ثُمَّ بَعْثٌ ثُمَّ حَشْرٌ
حَدِيثُ خُرَافَةٍ يَا أُمَّ عَمْرٍو

''کیا موت آئے گی، پھر اٹھائے جائیں گے، پھر حشر ہو گا۔ اے ام عمرو! یہ تو خرافات ہیں۔''

اللہ نے ان باتوں کا کئی طرح جواب دیا ہے۔ خلاصۂ جواب یہ ہے کہ تم دیکھتے ہو دنیا میں ظالم اپنے ظلم کی سزا پائے بغیر اور مظلوم ظالم سے اپنا حق وصول کیے بغیر گزر جاتا ہے، اسی طرح احسان کرنے والا نیکو کار اپنے احسان اور نیکی کا بدلہ پانے سے پہلے اور برائی کرنے والا بدکردار اپنی برائی وبدکرداری کی سزا پانے سے پہلے مر جاتا ہے۔ اب اگر موت کے بعد کوئی ایسا دن نہ ہو جس میں لوگوں کو زندہ کر کے ظالم سے مظلوم کا بدلہ لیا جائے اور احسان کرنے والے نیکو کار کو انعام اور فاجر وبدکردار کو سزا دی جائے تو پھر دونوں طرح کے لوگ برابر ٹھہرے، دونوں میں کوئی فرق نہ ہوا بلکہ ظالم وبدکردار تو مظلوم اور محسن وپرہیز گار کے مقابلے میں خوش قسمت ٹھہرا (نعوذ باللہ) حالانکہ یہ بات قطعاً نامعقول ہے، عدل وانصاف سے اسے کوئی واسطہ نہیں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بارے میں یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ وہ اپنی خلقت کا نظام ایسی اندھیر نگری اور ظلم وفساد والا بنائے رکھے گا۔ اسی لیے اس نے فرمایا:

﴿أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ ۝ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ۝﴾

''کیا ہم مسلمانوں (اپنے اطاعت شعاروں اور فرمانبرداروں) کو مجرموں جیسا ٹھہرائیں گے؟ تمھیں کیا ہو گیا ہے؟ تم کیسے فیصلے کر رہے ہو؟''[2]

[1] سبا 34:7، 8. [2] القلم 68:35، 36.

دوسری جگہ فرمایا:

﴿ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۡ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ۝﴾

''کیا ہم ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو زمین میں فساد مچانے والوں جیسا ٹھہرائیں گے؟ یا کیا ہم پرہیز گاروں کو بدکاروں جیسا قرار دیں گے؟''[1]

نیز فرمایا:

﴿ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝﴾

''جن لوگوں نے برائیاں کما رکھی ہیں کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم انھیں ایمان لانے والوں اور نیک اعمال کرنے والوں جیسا ٹھہرائیں گے کہ ان سب کا جینا مرنا یکساں ہوگا؟ برا فیصلہ ہے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔''[2]

جہاں تک عقلی استبعاد کا معاملہ ہے تو اللہ نے اس کی یوں تردید فرمائی:

﴿ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰهَا ۝﴾

''کیا تمھاری پیدائش زیادہ سخت ہے یا آسمان کی؟''[3] نیز فرمایا:

﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ؕ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝﴾

''کیا اُنھیں یہ دکھائی نہیں دیتا کہ جس اللہ نے آسمان وزمین کو پیدا کیا اور انھیں پیدا کر کے نہیں تھکا وہ اس پر بھی قادر ہے کہ مُردوں کو زندہ کر دے۔ کیوں نہیں! یقیناً وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔''[4]

یہ بھی فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝﴾

''تم پہلی بار کی پیدائش کو تو جانتے ہی ہو پھر بات کیوں نہیں سمجھتے۔''[5]

① صٓ 28:38. ② الجاثیة 21:45. ③ النازعات 27:79. ④ الأحقاف 33:46. ⑤ الواقعة 26:56.

اور بتایا کہ دیکھو:

﴿ كَمَا بَدَأْنَآ أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُۥ ۚ وَعْدًا عَلَيْنَآ ۚ إِنَّا كُنَّا فَٰعِلِينَ ﴾

''ہم نے جس طرح پہلی بار شروع میں پیدا کیا تھا اسی طرح دوبارہ پلٹا کر بھی پیدا کریں گے۔ ہمارے ذمے یہ وعدہ ہے اور ہم اسے کر کے رہیں گے۔''[1]

اللہ نے یہ بھی یاد دلایا کہ یہ بات تمھارے عام مشاہدے میں ہے کہ کسی کام کو دوبارہ کرنا پہلی بار سے زیادہ سہل ہوتا ہے۔ اور پوچھا:

﴿ أَفَعَيِينَا بِٱلْخَلْقِ ٱلْأَوَّلِ ۚ بَلْ هُمْ فِى لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ ﴾

''(اس آسمان وزمین، درخت اور پودوں اور ساری کائنات کو) پہلی بار پیدا کر کے کیا ہم تھک گئے ہیں؟'' (کہ دوبارہ پیدا نہیں کر سکتے) بلکہ (حقیقت صرف اتنی ہے کہ) وہ نئی پیدائش کے سلسلے میں التباس کا شکار ہیں۔''[2]

جہاں تک دوسری بات، یعنی نبی ﷺ کی رسالت کا معاملہ ہے تو اگرچہ قریش نبی ﷺ کو انتہائی سچا، امانت دار، نیکو کار اور پرہیز گار تسلیم کرتے تھے مگر پھر بھی ان کے کچھ شبہات تھے جن کی بنا پر وہ آپ ﷺ کی نبوت ورسالت تسلیم نہیں کر رہے تھے۔

ان کا ایک بہت بڑا گمان یہ تھا کہ وہ نبوت ورسالت کے مرتبے اور مقام کو اس سے کہیں بڑا اور اونچا سمجھتے تھے کہ وہ کسی انسان کو دیا جائے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ انسان رسول نہیں ہوسکتا اور نہ رسول انسان ہوسکتا ہے، اس لیے جب نبی ﷺ نے اپنی نبوت ورسالت کا اعلان کیا اور اس پر ایمان لانے کی دعوت دی تو مشرکین کو حیرت وتعجب ہوا۔ انھوں نے کہا:

﴿ مَالِ هَٰذَا ٱلرَّسُولِ يَأْكُلُ ٱلطَّعَامَ وَيَمْشِى فِى ٱلْأَسْوَاقِ ۙ ﴾

''یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا کھاتا اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔''[3]

① الأنبیآء 104:21. ② ق 15:50. ③ الفرقان 7:25.

اللہ تعالیٰ نے ان کی خام خیالی کا مزید نقشہ کھینچتے ہوئے فرمایا:

﴿بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝﴾

''انھیں تعجب ہوا کہ ان کے پاس خود انھی میں سے ایک ڈرانے والا آ گیا، چنانچہ ان کافروں نے کہا: یہ تو عجیب چیز ہے۔''[1]

انھوں نے یہ بھی کہا: ﴿مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ﴾

''اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نہیں اتاری ہے۔''[2]

اللہ نے ان کے اس عقیدے کو باطل ٹھہرایا اور اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

﴿قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ﴾

''کہہ دو، وہ کتاب کس نے اتاری جسے موسیٰ لے کر آئے تھے۔ اور جو لوگوں کے لیے روشنی اور ہدایت تھی۔''[3]

اسی طرح اللہ نے اُنھیں دوسرے انبیاء کے واقعات سناتے ہوئے بتلایا کہ ان کی قوموں نے بھی ان کی رسالت کا انکار کرتے ہوئے یہی کہا تھا:

﴿اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ﴾ ''کہ تم لوگ بھی تو ہمارے ہی جیسے بشر ہو۔''[4]

اور اس کے جواب میں پیغمبروں نے یہی کہا:

﴿اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ﴾

''جی ہاں! ہم بھی تمھارے جیسے بشر ہی ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان کر دیتا ہے۔''[5]

مطلب یہ کہ جتنے انبیاء اور رسول گزرے ہیں وہ سب بشر ہی تھے اور اگر بشر کے بجائے فرشتے کو رسول بنا دیا جاتا تو رسالت کا مقصد ہی پورا نہ ہوتا کیونکہ انسان فرشتوں کے نقشِ قدم پر چلنے کی طاقت ہی نہیں رکھتا۔ اس کے علاوہ مشرکین کا شبہ بھی جوں کا توں رہتا۔

① قٓ 2:50. ② الأنعام 91:6. ③ الأنعام 91:6. ④ إبراهيم 10:14. ⑤ إبراهيم 11:14.

کیوں؟ اس لیے:

﴿وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِم مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝﴾

''اور اگر ہم فرشتے کو رسول بناتے تو بھی ہم اسے انسان ہی بناتے۔ اور جو شبہ (اب) کرتے ہیں، اسی شبہے میں انھیں پھر ڈال دیتے۔''[1]

لہٰذا جب رسالت کا مقصد حاصل ہو، نہ لوگوں کا شبہ دور ہو تو فرشتے کو رسول بنانے کا کیا فائدہ؟

اب چونکہ مشرکین تسلیم کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل اور حضرت موسیٰ علیہم السلام پیغمبر تھے اور بشر بھی تھے، اس لیے انھیں اس شبہے پر جمنے اور اڑنے کی گنجائش نہ مل سکی، لہٰذا انھوں نے ایک دوسرا شبہ ظاہر کیا۔ کہنے لگے:

''کیا اللہ کو اپنی پیغمبری کے لیے یہی یتیم ولاچار انسان ملا تھا۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قریش اور ثقیف کے بڑے بڑے لوگوں کو تو چھوڑ دے اور اس مسکین کو اپنا پیغمبر بنا لے؟''

﴿لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝﴾

''یہ قرآن (مکہ اور طائف کی) دونوں آبادیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ اتارا گیا؟''[2]

اللہ تعالیٰ نے اس کا بڑا مختصر جواب دیا۔ فرمایا:

﴿اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ﴾ ''کیا تمھارے رب کی رحمت یہ لوگ تقسیم کریں گے؟''[3]

یعنی وحی، قرآن، نبوت اور رسالت، سب کی سب اللہ کی رحمت ہے اور اللہ ہی جانتا ہے کہ اپنی رحمت کیسے تقسیم کرے۔ کس کو دے اور کس کو نہ دے، چنانچہ فرمایا:

﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ﴾

[1] الأنعام 9:6. [2] الزخرف 31:43. [3] الزخرف 32:43.

”اللہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کہاں رکھے (کس کو دے)۔“[1]

چونکہ اس جواب کے آگے ان کا کوئی عذر چل نہیں سکتا تھا، اس لیے انھوں نے ایک اور شبہ یہ پیش کیا:

”ہم دیکھتے ہیں کہ جو شخص دنیا کے بادشاہوں میں سے کسی بادشاہ کا ایلچی ہوتا ہے، اس کے لیے بادشاہ کی طرف سے جاہ وحشمت کے تمام لوازم، یعنی خدم وحشم، مال و جاگیر اور جاہ وجلال کے تمام وسائل فراہم کیے جاتے ہیں۔ وہ جب چلتا ہے تو اس کے جلو میں اردلی، پاسبان اور بڑے بڑے معزز لوگ ہوتے ہیں، پھر کیا بات ہے کہ محمد اللہ کا ایلچی ہوتے ہوئے لقمۂ زندگی کے لیے بازاروں میں دھکے کھاتا پھرتا ہے؟“

اللہ تعالیٰ نے ان کی بات نقل کرتے ہوئے فرمایا:

﴿لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْتَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ۭ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝﴾

”آخر اس کے اوپر کوئی فرشتہ کیوں نہ اتارا گیا جو اس کے ساتھ ڈراوے کا کام کرتا، یا اس کی جانب کوئی خزانہ کیوں نہ اتار دیا گیا، یا اس کے پاس کوئی ایسا باغ کیوں نہ ہوا جس سے وہ کھاتا رہتا، چنانچہ ان ظالموں نے کہا کہ تم لوگ محض ایک ایسے آدمی کی پیروی کر رہے ہو جس پر جادو کر دیا گیا ہے۔“[2]

یہ تھا مشرکین کا اعتراض لیکن معلوم ہے کہ نبی ﷺ چھوٹے، بڑے، کمزور، طاقتور، غریب، مالدار، نیچے، اونچے، غلام، آزاد، ہر طرح کے لوگوں کے پاس پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے۔ اب اگر آپ جاہ وجلال کے ساتھ، خدم وحشم اور بڑے بڑے لوگوں کے جلو میں چلتے پھرتے تو آخر کمزور اور چھوٹے لوگ آپ تک کیسے پہنچ سکتے اور آپ سے کیسے فائدہ اٹھا سکتے تھے جبکہ اکثریت انھی کی ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں نبوت ورسالت بے فائدہ

[1] الأنعام 124:6. [2] الفرقان 8,7:25.

ہو کر رہ جاتی ہے، اس لیے مشرکین کے اس اعتراض کا صرف ایک ہی لفظ میں جواب دیا گیا: ''محمد ﷺ رسول ہیں۔''

یعنی تمھارے اعتراض کا صرف اتنا ہی جواب کافی ہے کہ وہ رسول ہیں کیونکہ تم نے ان کے لیے جاہ وحشمت اور مال ودولت کا جو مطالبہ کیا ہے اس کے ہوتے ہوئے عام لوگوں میں رسالت کی تبلیغ ہو ہی نہیں سکتی، جبکہ عام لوگ ہی رسالت کا اصل مقصود ہیں۔

اس شبہے کا جواب پا کر اُنھوں نے ایک اور پہلو بدلا اور معجزات اور نشانیوں کا مطالبہ کرنے لگے جس کا مقصد محض یہ تھا کہ وہ آپ کو نبی نہ ماننے کی اپنی ضد پر قائم رہیں اور آپ کو مجبور اور بے بس کر دیں۔ اس معاملے میں مشرکین اور نبی ﷺ کے درمیان جو بات چیت ہوئی، اس کا کچھ حصہ ہم آگے چل کر ان شاء اللہ ذکر کریں گے۔

اب رہ جاتا ہے پہلا معاملہ، یعنی توحید کا، جو سارے اختلافات کی اصل بنیاد تھی تو اس کی شکل یہ تھی کہ مشرکین اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات اور اکثر صفات و افعال میں ایک مانتے تھے۔ وہ کہتے تھے:

''صرف اللہ ہی خالق ہے۔ جس نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی ساری چیزیں پیدا کی ہیں۔ وہی ہر چیز کا خالق بھی ہے اور صرف وہی مالک بھی ہے۔ اسی کے ہاتھ میں آسمان وزمین اور ان کے بیچ کی ساری چیزوں کی ملکیت ہے۔ صرف وہی رازق ہے جو انسان، حیوان، چوپائے، درندے، پرندے، غرض ہر زندہ چیز کو روزی دیتا ہے۔ صرف وہی مُدَبِّر ہے جو آسمان اور زمین تک کا سارا نظام چلاتا ہے اور چھوٹی بڑی ہر چیز یہاں تک کہ چیونٹی اور ذرے تک کے معاملات کا انتظام کرتا ہے۔ صرف وہی آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان جو کچھ ہے ان سب کا رب ہے۔ وہی عرشِ عظیم کا رب ہے اور ہر چیز کا رب ہے۔ اسی نے سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت، چوپائے، جن، انسان اور فرشتے سب کو اپنے تابعِ فرمان کر رکھا ہے اور سب کے سب اس کے سامنے جھکے ہوئے ہیں۔ وہ جس کو چاہے پناہ

دے اُسے کوئی پکڑ نہیں سکتا اور جس کو چاہے پکڑ لے اُسے کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ وہی زندہ کرتا ہے، وہی مارتا ہے، جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو حکم چاہے لگاتا ہے۔ نہ کوئی اس کا حکم روک سکتا ہے، نہ اس کا فیصلہ بدل سکتا ہے۔“

یہ ساری باتیں مشرکین تسلیم کرتے تھے اور ان سب میں وہ اللہ کو ایک، اکیلا اور یکتا مانتے تھے۔ وہ اللہ کی ذات اور مذکورہ صفات و افعال میں کسی کو شریک نہیں مانتے تھے، البتہ ان سب باتوں میں اللہ کو ایک ماننے کے بعد وہ کہتے تھے:

”اللہ نے اپنے بعض مقرب اور مقبول بندوں، مثلاً: پیغمبروں اور نبیوں کو، اولیائے کرام اور بزرگانِ دین کو، اچھے اور نیکوکار لوگوں کو اس دنیا کے بعض کاموں میں کچھ تصرُّف کرنے کا اختیار دے دیا ہے اور وہ اللہ کے دیے ہوئے اس اختیار کی بنا پر تصرف کرتے ہیں، مثلاً: اولاد دے دیتے ہیں، مصیبت دور کر دیتے ہیں، بیمار کو شفا دے دیتے ہیں اور بعض دیگر ضرورتیں پوری کر دیتے ہیں اور اللہ نے انھیں یہ اختیار اس لیے دیا ہے کہ وہ اللہ کے مُقَرَّب ہیں اور اللہ کے نزدیک ان کا خاص مرتبہ و مقام ہے اور چونکہ اللہ نے ان کو یہ تصرف و اختیار دے رکھا ہے، اس لیے وہ بندوں کی ضرورتیں غیبی طریقے سے پوری کر دیتے ہیں، چنانچہ بعض مصیبتیں دور کر دیتے ہیں، بعض بلائیں ٹال دیتے ہیں اور جس سے خوش ہو جاتے ہیں، اُسے اللہ کا مقرب بنا دیتے ہیں اور اللہ سے اس کی سِفارش کر دیتے ہیں۔“

مشرکین نے اپنے ان فاسد خیالات کی بنا پر ان انبیائے عِظام، اولیائے کرام، بزرگانِ دین اور نیکوکار لوگوں کو اپنے اور اللہ کے درمیان وسیلہ بنایا اور ایسے ایسے اعمال ایجاد کیے، جن کے ذریعے سے ان لوگوں کا قرب اور ان کی رضا مندی حاصل ہو سکے، چنانچہ وہ مشرکین پہلے ان اعمال کو بجا لاتے، پھر عاجزی کے ساتھ گڑگڑا کر ان ہستیوں سے فریاد کرتے اور کہتے:

”ہماری ضرورت پوری کر دو، ہماری مصیبت ٹال دو اور ہمارا خطرہ دور کر دو۔“

اب رہا یہ سوال کہ وہ کیا اعمال تھے جنھیں مشرکین نے ان ہستیوں کی رضامندی اور تقرب کے لیے ایجاد کیا تھا تو وہ اعمال یہ تھے کہ انھوں نے ان انبیائے کرام، اولیاء اور بزرگانِ دین کے نام سے بعض مخصوص جگہوں پر آستانے بنا کر وہاں ان کی اصلی یا خیالی تصویریں یا مورتیاں سجا رکھی تھیں اور کہیں کہیں ایسا بھی ہوا کہ ان کے خیال میں بعض اولیائے کرام یا بزرگان دین کی قبریں مل گئیں تو مورتی تراشنے کے بجائے انھی قبروں پر آستانے بنا دیے۔[1]

اس کے بعد یہ لوگ ان آستانوں پر جاتے اور مورتیوں یا قبروں کو چھو کر ان سے برکت حاصل کرتے، ان کے گرد چکر لگاتے، تعظیم کے طور پر ان کے سامنے کھڑے ہوتے نذر نیاز پیش کرتے، چڑھاوے چڑھاتے اور ان طریقوں سے ان کی قربت اور ان کا فضل چاہتے۔ نیز نذر نیاز اور چڑھاوے کے طور پر یہ لوگ اپنی کوئی بھی چیز پیش کر دیتے تھے۔ کھیتی سے حاصل ہونے والے غلے، کھانے پینے کی چیزیں، جانور، چوپائے، سونا چاندی، مال واسباب غرض جس سے جو ہو سکتا تھا، نذر کر دیتا تھا۔

کھیتی، غلے اور کھانے پینے کی چیزیں، سونا چاندی اور مال اسباب چڑھانے کا طریقہ یہ تھا کہ ان آستانوں پر کچھ مجاور اور درباری ہوا کرتے تھے۔ مشرکین یہ چیزیں ان مجاوروں کو پیش کرتے اور وہ مجاور انھیں قبروں اور مورتیوں پر چڑھا دیتے تھے۔ عام طور پر ان کے بغیر براہ راست کوئی چیز نہیں چڑھائی جاتی تھی۔[2] البتہ جانوروں اور چوپایوں کو چڑھانے کا طریقہ علیحدہ تھا اور اس کی بھی کئی شکلیں تھیں، چنانچہ وہ کبھی ایسا کرتے کہ ان اولیائے کرام اور بزرگانِ دین کی رضامندی کے لیے جانور کو ان کے نام پر آزاد چھوڑ دیتے۔ وہ جہاں چاہتا چرتا اور گھومتا پھرتا، کوئی اسے کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچاتا بلکہ اُسے تقدس کی نظر سے دیکھا جاتا اور کبھی ایسا کرتے کہ جانور کو ان ولیوں اور بزرگوں کے آستانے پر لے جا کر ذبح کر دیتے اور کبھی ایسا کرتے کہ آستانے کے بجائے گھر ہی پر ذبح کر لیتے لیکن کسی ولی یا

(1) دیکھیے سیرت ابن ہشام: 83/1. (2) الأنعام، آیت: 136 اور اس کی تفسیر.

بزرگ کے نام پر ذبح کرتے۔[1]

ان کاموں کے علاوہ مشرکین کا ایک کام یہ بھی تھا کہ وہ سال میں ایک یا دو مرتبہ ان ولیوں اور بزرگوں کے آستانوں پر میلہ لگاتے۔ اس کے لیے خاص تاریخوں میں ہر طرف سے لوگ اکٹھے ہوتے اور اوپر ان کی جو حرکتیں ذکر کی گئیں ہیں وہ سب کرتے، یعنی آستانوں کو چھو کر برکت حاصل کرتے، ان کا طواف کرتے، نذر نیاز پیش کرتے، چڑھاوے چڑھاتے، جانور قربان کرتے وغیرہ۔ یہ سالانہ عرس یا میلہ ایسا اہم ہوتا کہ اس میں دور او رنزدیک سے چھوٹے بڑے ہر طرح کے لوگ حاضر ہو کر اپنی نیاز پیش کرتے اور اپنا مقصد حاصل ہونے کی امید رکھتے۔

یہ سارا کام مشرکین اس غرض سے کرتے تھے کہ ان اولیائے کرام اور بزرگانِ دین کا تقرب اور ان کی خوشنودی حاصل کر کے اُنھیں اپنے اور اللہ کے درمیان وسیلہ بنائیں اور ان کا دامن پکڑ کر اللہ تک پہنچ جائیں کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ اولیائے کرام اور بزرگانِ دین انھیں اللہ کے قریب پہنچا دیں گے اور ان کی ضرورتوں کے لیے اللہ سے سفارش کر دیں گے، چنانچہ یہ لوگ ساری نذر نیاز پیش کرنے کے بعد ان ولیوں اور بزرگوں کو پکارتے:

''اے بابا! میرا فلاں کام بن جائے اور فلاں مصیبت ٹل جائے۔'' اور سمجھتے تھے کہ وہ ان کی باتیں سنتے ہیں اور جو مراد مانگی جائے وہ پوری کرتے ہیں، بگڑی بناتے ہیں، مصیبتیں ٹالتے ہیں اور ایسا یا تو خود اللہ کے دیے ہوئے تصرف واختیار کے ماتحت کر لیتے ہیں یا اللہ سے سفارش کر کے کرا لیتے ہیں۔[2]

تو یہ تھا مشرکین کا شرک اور یہ تھی غیر اللہ کے لیے ان کی عبادت اور یہ تھا اللہ کے ماسوا کو معبود بنانا اور شریک ٹھہرانا اور یہ تھے انبیائے عظام، اولیائے کرام، بزرگان دین اور

[1] سورة المائدة، آیت: 103,3، وسورة الأنعام، آیت: 121-138، وصحیح البخاري، التفسیر، باب: ﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ﴾، حدیث: 4623، وسیرت ابن هشام: 90,89/1، والمنمّق، ص: 329,328. [2] تفسیر سورة یونس، آیت: 18، وسورة الزمر، آیت: 3، وسورة الرعد، آیت: 14، وسورة فاطر، آیت: 13، وسورة الأعراف، آیت: 194، وغیره.

نیکوکار صالحین جن کو مشرکین نے معبود بنا رکھا تھا۔

اب نبیٔ کریم ﷺ جو توحید کی دعوت لے کر اٹھے اور اللہ کے سوا ہر معبود کو چھوڑنے کا مطالبہ کیا تو مشرکین پر یہ بات بہت گراں گزری اور انھیں یہ مطالبہ بہت بھاری اور غلط محسوس ہوا۔ انھوں نے کہا: ''یہ کوئی سازش ہے جو اندر سے کچھ اور باہر سے کچھ اور ہے۔''

﴿ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ○ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓی اٰلِهَتِكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ○ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ○﴾

''یہ کیا تک ہے کہ اس نے سارے معبودوں کی جگہ ایک معبود بنا ڈالا۔ یہ تو عجیب چیز ہے۔ اور ان کے بڑوں کا ایک گروہ اٹھا کہ چلو اور اپنے معبودوں پر ڈٹ جاؤ۔ یقیناً یہ کوئی سوچا سمجھا منصوبہ ہے۔ ہم نے تو ایسی بات کسی اور ملت میں سنی ہی نہیں، ہو نہ ہو یہ گھڑی ہوئی بات ہے۔''[1]

اس کے بعد جب دعوت وتبلیغ کا کام مزید آگے بڑھا اور ادھر مشرکین بھی اپنے شرک کو بچانے، اسلام کی تبلیغ روکنے اور مسلمانوں کے دل و دماغ سے اسلام کا اثر دھونے کے لیے حجت و بحث کے میدان میں اتر پڑے تو ان پر مختلف پہلوؤں سے دلیل قائم کی گئی۔ ان سے پوچھا گیا کہ آخر تمھیں یہ بات کہاں سے معلوم ہوئی کہ اللہ نے اپنے مقرب اور مقبول بندوں کو اس دنیا میں تصرف کی قوت دے رکھی ہے اور وہ ضرورتیں پوری کرنے اور مصیبتیں ٹالنے پر قدرت رکھتے ہیں۔ اس کی صرف دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں:

1. یا تو تمھیں غیب معلوم ہو گیا ہو۔
2. یا پھر پچھلے انبیاء نے کوئی کتاب چھوڑی ہو اور اس میں تمھیں یہ بات لکھی ہوئی مل گئی ہو، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَیْبُ فَهُمْ یَكْتُبُوْنَ ○﴾

''کیا ان کے پاس غیب ہے جسے وہ لکھتے ہیں۔''[2] اور فرمایا:

[1] صٓ 38:5-7. [2] القلم 68:47.

﴿ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ ﴾

”میرے پاس پہلے کی کوئی کتاب لاؤ، یا علمِ الٰہی کا کوئی بقیہ لاؤ، اگر تم لوگ سچے ہو۔“[1]

اور فرمایا:

﴿ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ۭ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ۝ ﴾

”(اے پیغمبر!) ان سے کہو کہ کیا تمھارے پاس کچھ علم ہے؟ اگر ہے تو ہمارے سامنے لاؤ، ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ تم لوگ محض گمان کی پیروی کرتے ہو اور اِدھر اُدھر کے انکل پچو لگاتے ہو۔“[2]

چونکہ یہ بات مشرکین بھی تسلیم کرتے تھے کہ انھیں نہ تو غیب کا کوئی علم ہے اور نہ انبیاء کی کتابوں میں سے کسی کتاب میں انھیں یہ بات ملی ہے، اس لیے انھوں نے نہایت صفائی سے کہا: ﴿ بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ ﴾

”بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو جس بات پر پایا ہے، اسی کی پیروی کر رہے ہیں۔“[3]

اور یہ: ﴿ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓي اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓي اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ ﴾

”ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک امت (طریقے) پر پایا ہے اور ہم بھی اُنھی کی ڈگر پر چل رہے ہیں۔“[4]

اس جواب سے جب مشرکین کی جہالت اور بے بسی کھل گئی تو ان سے کہا گیا کہ دیکھو:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

”تم لوگوں کو تو نہیں معلوم لیکن اللہ جانتا ہے۔“[5]

اس لیے اس کی بات سنو، وہ تمھارے ان شرکاء کی حقیقت بتلاتا ہے اور کہتا ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ ﴾

① الأحقاف 4:46. ② الأنعام 148:6. ③ لقمان 21:31. ④ الزخرف 22:43. ⑤ النحل 74:16.

”بے شک اللہ کے ماسوا جن کو تم لوگ پکارتے ہو، وہ تمھارے جیسے بندے ہی ہیں۔“[1]

یعنی جو چیزیں اللہ کے ساتھ مخصوص ہیں ان پر جس طرح تم کو قدرت حاصل نہیں، اسی طرح تمھارے ان شرکاء کو بھی ان پر قدرت حاصل نہیں۔ پس تم اور وہ، دونوں بے بس ہونے اور قدرت نہ رکھنے میں یکساں اور برابر ہو، اسی لیے اللہ نے ان کو چیلنج کیا:

﴿ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ ﴾

”پھر اگر تم سچے ہو تو ذرا ان کو پکارو اور وہ تمھاری مراد پوری کر کے دکھا دیں۔“[2]

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتایا:

﴿ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۝ ﴾

”تم لوگ اللہ کے ماسوا جن کو پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے۔“[3]

﴿ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۭ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۭ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ۝ ﴾

”اگر تم انھیں پکارو تو وہ تمھاری پکار نہ سنیں گے اور اگر (بالفرض) سن بھی لیں تو جواب نہ دے سکیں گے اور قیامت کے دن تمھارے اس شرک کا انکار کر دیں گے اور ایک خبر رکھنے والے جیسی خبر تمھیں کوئی اور نہیں دے سکتا۔“[4]

یعنی اللہ جانتا ہے اور ہر چیز کی خبر رکھتا ہے، لہٰذا اس نے جو یہ بات بتائی ہے تو یہی صحیح ہے، کوئی اس کے بجائے کچھ اور بتائے تو وہ غلط ہے، نیز فرمایا:

﴿ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝ ﴾

”اللہ کے ماسوا جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ کچھ پیدا نہیں کر سکتے بلکہ خود پیدا کیے گئے ہیں۔ وہ مردہ ہیں، زندہ نہیں ہیں اور وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ کب اٹھائے

[1] الأعراف 194:7. [2] الأعراف 194:7. [3] فاطر 13:35. [4] فاطر 14:35.

جائیں ہے۔''[1] اور فرمایا:

﴿ اَیُشْرِكُوْنَ مَالَا یَخْلُقُ شَیْـًٔا وَّھُمْ یُخْلَقُوْنَ ○ وَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ لَھُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَھُمْ یَنْصُرُوْنَ ○ ﴾

''کیا یہ ایسے لوگوں کو شریک ٹھہراتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں اور نہ ان کی مدد کرنے کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ خود اپنی ہی مدد آپ کر سکتے ہیں۔''[2] اور فرمایا:

﴿ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِھَةً لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّھُمْ یُخْلَقُوْنَ وَلَا یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِھِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا یَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ○ ﴾

''اور ان لوگوں نے اللہ کے ماسوا ایسے لوگوں کو معبود بنا رکھا ہے جو کوئی چیز پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کیے گئے ہیں جو خود اپنے لیے بھی نفع اور نقصان کے مالک نہیں۔ نہ موت اور نہ زندگی اور نہ مرنے کے بعد زندہ کیے جانے کا اختیار رکھتے ہیں۔''[3]

جب اللہ نے ان شرکاء کی بے بسی اور لاچاری بیان کر ڈالی اور بتا دیا کہ مشرکین کی کسی بھی گمان کردہ چیز پر وہ کوئی قدرت نہیں رکھتے تو معاً اس کا نتیجہ بھی بتا دیا کہ ان کو اپنی ضرورت کے لیے پکارنا اور ان سے کوئی امید رکھنا بالکل باطل اور فضول ہے، اس کا قطعاً کوئی فائدہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں چند نہایت دلچسپ مثالیں بھی بیان کیں۔

ایک جگہ فرمایا:

﴿ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَجِیْبُوْنَ لَھُمْ بِشَیْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّیْهِ اِلَى الْمَآءِ لِیَبْلُغَ فَاهُ وَمَا ھُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ○ ﴾

''اور یہ لوگ اللہ کے ماسوا جن کو پکارتے ہیں وہ ان کی پکار کا قطعاً کوئی جواب نہیں دے سکتے مگر جیسے کوئی شخص پانی کی طرف اپنی دونوں ہتھیلیاں پھیلا دے کہ وہ پانی

① النحل 21,20:16. ② الأعراف 192,191:7. ③ الفرقان 3:25.

اس کے منہ میں آ جائے، حالانکہ وہ منہ میں آ ہی نہیں سکتا۔ (پس اسی طرح) ان کافروں کی پکار سوائے بھٹکنے (صدا بصحرا) کے اور کچھ نہیں۔''[1]

یہ بات بیان کر کے مشرکین سے ذرا سوچنے کے لیے کہا گیا ہے۔ وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور ان کے معبودوں نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا اور نہ وہ کچھ پیدا کرنے کی طاقت رکھتے ہیں بلکہ وہ خود اللہ کے پیدا کیے ہوئے ہیں، اس لیے ان سے کہا گیا کہ تم نے تو اللہ تعالیٰ کو، جو خالق اور قادر ہے اور اپنے ان شرکاء کو جو مخلوق اور بالکل بے بس ہیں یکساں اور برابر کر دیا۔ بھلا یہ کیا بات ہوئی کہ تم اللہ کو بھی پوجتے ہو اور ان شرکاء کو بھی پوجتے ہو، اللہ کو بھی پکارتے ہو اور ان کو بھی پکارتے ہو۔ آخر عبادت اور پکار کے معاملے میں تم نے دونوں کو برابر کیسے کر دیا۔

﴿ أَفَمَن يَخْلُقُ كَمَن لَّا يَخْلُقُ ۗ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝ ﴾

''کیا جو پیدا کرتا ہے، وہ پیدا نہ کرنے والے کی طرح ہے؟ تم لوگ سمجھتے کیوں نہیں؟''[2]

جب یہ سوال ان کے سامنے رکھا گیا تو وہ بالکل بھونچکا رہ گئے۔ ان کی ساری حجت اور بحث جاتی رہی۔ وہ شرمندہ ہو کر چپ ہو رہے، پھر انھیں ایک غلط بات سجھائی دی۔ وہ کہنے لگے:

''دیکھو! ہمارے باپ دادا سارے انسانوں سے زیادہ عقل مند تھے۔ لوگوں میں ان کی عقل مندی کا شہرہ تھا اور دور دور تک لوگ اس بات کو تسلیم کرتے تھے اور ان سب لوگوں کا دین وہی تھا جو ہمارا ہے، لہٰذا کیسے ہو سکتا ہے کہ یہ دین باطل اور گمراہی والا دین ہو۔ خود نبی ﷺ کے باپ دادا اور مسلمانوں کے باپ دادا بھی اسی دین پر تھے۔''

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ وہ لوگ ہدایت پر نہ تھے کیونکہ انھوں نے حق کا راستہ پہچانا نہ اس کو اختیار کیا جس کے نتیجے میں وہ گمراہ ہو گئے کیونکہ وہ کچھ سمجھتے نہ تھے۔ یہ مطلب بھی

[1] الرعد 14:13. [2] النحل 17:16.

اشاروں کنایوں میں بیان کر دیا جاتا تھا اور کبھی کبھی کھلم کھلا بھی کہہ دیا جاتا تھا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّهُمْ أَلْفَوْا آبَاءَهُمْ ضَالِّينَ ○ فَهُمْ عَلَىٰ آثَارِهِمْ يُهْرَعُونَ ○﴾

''انھوں نے اپنے باپ دادا کو گمراہ پایا تو خود بھی اُنھی کے نقشِ قدم پر دوڑے جا رہے ہیں۔''[1]

اسی کے ساتھ ایک بات یہ بھی چل رہی تھی کہ مشرکین، نبی ﷺ اور مسلمانوں کو اپنے خداؤں سے ڈرایا کرتے تھے، کہتے تھے:

''تم لوگ ہمارے معبودوں کو بے بس کہہ کر ان کی شان میں گستاخی کر رہے ہو، لہٰذا بہت جلد ان کا غضب تم پر نازل ہوگا اور وہ تمھیں بھسم کر دیں گے یا خبطی بنا کر رکھ دیں گے۔''

یہ دھمکی ٹھیک ویسی ہی تھی جیسی پچھلے لوگ اپنے نبیوں کو دیا کرتے تھے:

﴿إِن نَّقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ ۗ﴾

''ہم تو یہی کہتے ہیں کہ تمھیں ہمارے بعض معبودوں کی بد دعا لگ گئی ہے۔''[2]

اس کے جواب میں مشرکین کو وہ حقیقت یاد دلائی گئی جسے وہ خود رات دن دیکھتے رہتے تھے کہ ان کے یہ معبود اپنی جگہ سے ہل سکتے ہیں نہ ذرا آگے پیچھے ہو سکتے ہیں۔ نہ خود اپنی کوئی تکلیف رفع کر سکتے ہیں تو بھلا یہ مسلمانوں کو کیا نقصان پہنچائیں گے؟

﴿أَلَهُمْ أَرْجُلٌ يَمْشُونَ بِهَا ۖ أَمْ لَهُمْ أَيْدٍ يَبْطِشُونَ بِهَا ۖ أَمْ لَهُمْ أَعْيُنٌ يُبْصِرُونَ بِهَا ۖ أَمْ لَهُمْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا ۗ قُلِ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ كِيدُونِ فَلَا تُنظِرُونِ ○﴾

''کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے یہ چل سکتے ہیں، یا ہاتھ ہیں جن سے پکڑ سکتے ہیں، یا آنکھیں ہیں جن سے دیکھ سکتے ہیں، یا کان ہیں جن سے سن سکتے ہیں؟ اے نبی! کہہ دو کہ تم لوگ اپنے شرکاء کو پکارو، پھر میرے اوپر اپنا داؤ چلاؤ اور مجھے مہلت

[1] الصافات 70,69:37۔ [2] هود 54:11۔

نہ دو۔"[1]

ایسے ہی ایک موقع پر ایک کھلی مثال بیان کی گئی جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يَاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَ اِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ○﴾

"لوگو! ایک مثال بیان کی جا رہی ہے، غور سے سنو! اللہ کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ تو کسی طرح ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے، خواہ اس کے لیے سب کے سب جمع ہو جائیں اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے تو وہ چھڑا بھی نہیں سکتے۔ طالب و مطلوب دونوں کمزور ہیں!"[2] اور فرمایا گیا:

﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ؕ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ○﴾

"ان لوگوں کی مثال جنھوں نے اللہ کے ماسوا کو اولیاء بنا لیا ہے، اس مکڑی جیسی ہے جس نے گھر بنایا اور یقیناً سب سے کمزور گھر مکڑی کا گھر ہے۔ کاش یہ لوگ جانتے۔"[3]

ان کے خداؤں کی اس بے بسی کو بعض مسلمانوں نے بھی بڑے دلچسپ انداز میں بیان کیا۔ کہا:

أَرَبٌّ يَبُولُ الثُّعْلُبَانُ بِرَأْسِهِ
لَقَدْ ذَلَّ مَنْ بَالَتْ عَلَيْهِ الثَّعَالِبُ

"بھلا ایسا بھی پروردگار (ہوسکتا) ہے کہ جس کے سر پر لومڑی پیشاب کرے؟ یقیناً جس کے سر پر لومڑیاں پیشاب کریں وہ ذلیل ہے۔"

لیکن جب نوبت اس کھلم کھلا نقد وتبصرے تک پہنچ گئی تو مشرکین بھڑک اٹھے۔ انھوں نے

① الأعراف 195:7. ② الحج 73:22. ③ العنكبوت 41:29.

مسلمانوں کو بھی گالیاں دیں اور ان کے پروردگار کو بھی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ٹوکا کہ دوبارہ اس طرح کی بات نہ کہیں۔ فرمایا:

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللهِ فَيَسُبُّوا اللهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾

”اور وہ (مشرکین) اللہ کے ماسوا جن کو پکارتے ہیں تم انھیں برا بھلا نہ کہو، ورنہ وہ (مشرکین) بھی دشمنی کے جوش اور نادانی میں اللہ کو گالیاں دیں گے۔“ ①

بہرحال جب بحث وحجت سے کام بنتا نظر نہ آیا تو مشرکین نے طے کیا کہ اسلام کی دعوت کو بزورِ طاقت کچل دیں اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روک دیں، چنانچہ بڑے لوگوں اور قبائل کے سرداروں نے اپنے اپنے قبیلے کے مسلمانوں کو اذیتیں دینی شروع کیں اور ان کا ایک وفد ابوطالب کے پاس گیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو اسلام کی تبلیغ سے منع کریں۔

مسلمانوں کو تعذیب

اس منصوبے کے تحت مسلمانوں کو ایسی ایسی تکلیفیں دی گئیں کہ ان کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل شق ہو جاتا ہے، مثلاً:

1) ❋ حضرت بلال بن رَباح رضی اللہ عنہ اُمیہ بن خلف کے غلام تھے۔ امیہ ان کے گلے میں رسی ڈال کر بچوں کے حوالے کر دیتا اور وہ انھیں کھینچتے پھرتے۔ اس دوران بلال رضی اللہ عنہ ”اَحد اَحد“ کہتے رہتے۔ اس کے علاوہ امیہ ان کو دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں جلتی ریت یا پتھر پر ڈال کر سینے پر بھاری پتھر رکھوا دیتا پھر کہتا: ”یا تو محمد کے ساتھ کفر کر اور لات وعزیٰ کی پوجا کر یا اسی حالت میں پڑا پڑا مر جا۔“ لیکن بلال برابر ”اَحد اَحد“ کہتے رہے۔

ایک روز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گزرے۔ حضرت بلال کو اسی طرح کی اذیت دی جا رہی تھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں اس مصیبت میں دیکھا تو خرید کر اللہ کے لیے آزاد کر دیا۔ ②

① الأنعام 108:6. ② سیرت ابن ہشام: 318,317/1، وتلقیح ابن جوزي، ص:61، وابن کثیر، تفسیر سورۃ النحل، آیت: 106.

❋ عامر بن فُہیرہ رضی اللہ عنہ کو اس قدر مارا جاتا کہ ان کی عقل جاتی رہتی اور اُن کی سمجھ میں کچھ نہ آتا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ ①

❋ ابو فُکَیہہ رضی اللہ عنہ جن کا نام افلح تھا اور قبیلہ اَزد کے رہنے والے اور قبیلہ بنو عبدالدار کے غلام تھے، ان کے پاؤں میں لوہے کی بیڑیاں پہنا کر دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں لایا جاتا اور کپڑے اتار کر تپتی ریت یا پتھر پر لٹا دیا جاتا اور اوپر اتنا بھاری پتھر رکھ دیا جاتا کہ وہ ہل بھی نہ سکیں اور اتنی دیر تک اسی اذیت میں رکھا جاتا کہ ان کی عقل کھو جاتی۔ اُنھیں مسلسل اسی طرح اذیتیں دی جاتی رہیں، یہاں تک کہ دوسری ہجرت حبشہ میں وہ بھی ہجرت کر گئے۔ ایک بار اسی طرح ان کے دونوں پاؤں کو رسی سے باندھ کر انھیں گھسیٹتے ہوئے لے جایا گیا اور جلتی زمین پر ڈال کر اس طرح ان کا گلا گھونٹ دیا گیا یوں لگتا تھا جیسے مر گئے ہیں۔ اسی دوران میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وہاں سے گزرے تو انھیں بھی خرید کر اللہ کے لیے آزاد کر دیا۔ ②

❋ مشہور صحابی خباب بن اَرَت رضی اللہ عنہ زمانہ جاہلیت میں قید ہو کر آئے تھے۔ اُنھیں بنوخزاعہ کی ایک عورت ام اَنمار بنت سِباع نے خرید لیا تھا۔ یہ لوہار تھے۔ جب مسلمان ہوئے تو ان کی مالکن لوہے کا جلتا ہوا ٹکڑا لے کر آتی اور ان کی پیٹھ پر ڈال دیتی تاکہ محمد ﷺ کے ساتھ کفر کریں مگر اس سے ان کا ایمان اور زیادہ بڑھ جاتا۔ انھیں مشرکین بھی سزائیں دیتے۔ کبھی گردن مروڑتے، کبھی بال نوچتے اور کئی بار تو جلتے ہوئے کوئلوں پر ڈال دیا جنھیں ان کی پیٹھ کی چربی ہی نے بجھایا۔ ③

❋ حضرت زَنیرہ رضی اللہ عنہا ایک رومی لونڈی تھیں۔ وہ مسلمان ہوئیں تو اُنھیں اللہ کی راہ میں اس قدر تکلیفیں دی گئیں کہ وہ اندھی ہو گئیں۔ اس پر ان سے کہا گیا کہ تمھیں لات اور عزیٰ کی مار پڑ گئی ہے۔ انھوں نے کہا نہیں واللہ! انھوں نے میرا کچھ نہیں بگاڑا۔ یہ تو اللہ کی

① طبقات ابن سعد: 48/3. ② أسد الغابة: 248/5، والإصابة: 125/8,7 وغيره. ③ أسد الغابة: 592,591/1، وتلقيح، ص: 60 وغيره.

طرف سے ہے اور اگر وہ چاہے تو اسے دور کر سکتا ہے۔ دوسرے دن صبح ہوئی تو واقعی اللہ نے ان کی بصارت بحال کر دی تھی۔ اس پر مشرکین کہنے لگے: ''یہ تو محمد کا ایک جادو ہے۔''①

❋ ام عُبیس رضی اللہ عنہا بنو زہرہ کی ایک لونڈی تھیں۔ ان کا مالک اسود بن عبد یغوث اُنھیں ستایا کرتا تھا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا کٹر دشمن تھا اور آپ کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔②

❋ بنو عدی کے عمرو بن مؤمل کی ایک لونڈی مسلمان ہوئیں تو انھیں عمر بن خطاب ستایا کرتے تھے۔ وہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، چنانچہ انھیں اتنا مارتے کہ تھک جاتے، پھر چھوڑ کر کہتے کہ میں نے کسی مروت کی بنا پر نہیں چھوڑا بلکہ مارتے مارتے اکتا گیا ہوں، اس لیے چھوڑ دیا ہے۔ وہ کہتیں: ''تیرا رب بھی تیرے ساتھ ایسا ہی کرے گا۔''③

❋ اور جو جو لونڈیاں مسلمان ہوئیں اور اُنھیں ستایا گیا ان میں نہدیہ اور ان کی صاحبزادی رضی اللہ عنہا کا ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ دونوں بنو عبد الدار کی ایک عورت کی لونڈیاں تھیں۔④

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال، عامر بن فہیرہ اور ابوفکیہہ رضی اللہ عنہم کی طرح ان سب لونڈیوں کو بھی خرید کر آزاد کر دیا۔ اس پر ان کے والد ابو قُحافہ نے بطور عتاب کہا، میں دیکھتا ہوں کہ تم کمزور گردنیں آزاد کرا رہے ہو، اگر طاقتور مردوں کو آزاد کراتے تو وہ تمھارا بچاؤ بھی کر سکتے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں اللہ کی رضا چاہتا ہوں۔''

اس پر اللہ نے ان کی تعریف اور ان کے دشمنوں کی مذمت میں آیت اُتاری، فرمایا:

﴿فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ۝ لَا يَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ۝ الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝ وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۝ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۝ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ۝ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۝ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ۝﴾

یعنی ''میں نے تم کو ڈرا دیا ہے ایک بھڑکتی ہوئی آگ سے جس میں وہی بدبخت داخل

① طبقات ابن سعد: 256/8، وسیرت ابن ھشام: 318/1. ② الإصابة: 434/8. ③ سیرت ابن ھشام: 319/1، وطبقات ابن سعد: 256/8. ④ سیرت ابن ھشام: 319,318/1.

ہو گا، جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا۔ (یعنی امیہ بن خلف اور اس جیسے کام کرنے والے دوسرے لوگ) اور اس سے وہ پرہیزگار بچالیا جائے گا جو اپنا مال پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے دیتا ہے۔ اور اس پر کسی کا احسان نہیں ہے کہ اس کا بدلہ دیا جار ہا ہو بلکہ اس کا مقصد محض اپنے پروردگار کی خوشنودی حاصل کرنا ہے اور وہ یقیناً راضی ہو جائے گا۔''①

اور یہ ہیں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اللہ ان سے بھی راضی ہو اور انھوں نے جن غلاموں اور لونڈیوں کو آزاد کرایا ان سے بھی اور تمام صحابۂ کرام سے بھی۔②

* ان کے علاوہ حضرت عمار بن یاسر اور ان کے والدین رضی اللہ عنہم کو بھی سزائیں دی گئیں۔ یہ لوگ بنومخزوم کے حلیف تھے جن کا ایک سردار ابوجہل تھا، چنانچہ اس کی سرکردگی میں قبیلے والے ان لوگوں کو سخت دھوپ کے وقت ابطح میں لے جاتے اور اس کی گرمی میں تپاتے۔ ایسی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرتے تو فرماتے:

''آلِ یاسر! صبر کرنا، تمھارا ٹھکانا جنت ہے۔ اے اللہ! آل یاسر کو بخش دے۔''

اسی طرح عذاب سہتے سہتے یاسر اس دنیا سے چل بسے۔ وہ قبیلۂ مَذْحِج کی ایک شاخ عنس سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد کا نام عامر اور دادا کا نام مالک تھا۔

* حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام سُمَیّہ بنت خیاط تھا ...... رضی اللہ عنہا...... وہ ابوحذیفہ مخزومی کی لونڈی تھیں، بہت بوڑھی اور کمزور ہو چکی تھیں۔ انھیں کم بخت ابوجہل نے شرمگاہ میں نیزہ مارا جس سے وہ شہید ہو گئیں اور یہ اسلام کی سب سے پہلی شہیدہ ہیں۔

* باقی رہے عمار رضی اللہ عنہ تو عذاب ان کی برداشت سے باہر ہو گیا۔ مشرکین سخت گرمی کے دنوں میں کبھی انھیں لوہے کی زرہ پہنا دیتے، کبھی سینے پر سرخ بھاری پتھر رکھ دیتے، کبھی پانی میں ڈبو دیتے، یہاں تک کہ ایک روز انھوں نے مجبوراً ان کے مطلب کی بات کہہ دی

① اللیل 92:14-21. ② سیرت ابن ہشام: 319,318/1، وطبقات ابن سعد: 256/8، کتب تفسیر، تفسیر آیات مذکورہ.

لیکن دل ایمان سے بھرا ہوا تھا۔ اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَٰكِن مَّن شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ ﴾

''جس شخص کو کفر پر مجبور کیا گیا اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن تھا لیکن اس کے سوا جو کوئی اللہ کے ساتھ کفر کرے، یعنی کھلے دل کے ساتھ کفر قبول کر لے تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور انھی کے لیے زبردست عذاب ہے۔''①

❋ اللہ کی راہ میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو بھی اذیتیں دی گئیں۔ وہ بڑے ناز و نعمت میں پلے بڑھے تھے۔ اسلام لائے تو ان کی ماں نے ان کا کھانا پانی بند کر دیا اور گھر سے نکال دیا، چنانچہ سانپ کی کینچلی کی طرح ان کی چمڑی ادھڑ گئی۔②

❋ حضرت صہیب بن سنان رومی رضی اللہ عنہ کو اس قدر تکلیف دی گئی کہ وہ اپنی عقل کھو بیٹھے۔ انھیں پتہ ہی نہ چلتا تھا کہ کیا کہہ رہے ہیں۔③

❋ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو طرح طرح سے ستایا گیا۔ ان کا چچا ان کو کھجور کی چٹائی میں لپیٹ کر نیچے سے دھوئی دیتا تھا۔④

❋ حضرت ابوبکر اور طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہما کو بھی ستایا گیا۔ نوفل بن خویلد نے اور کہا جاتا ہے کہ طلحہ بن عبیداللہ کے بھائی عثمان بن عبیداللہ نے دونوں کو پکڑ کر ایک ہی رسی میں باندھ دیا۔ تاکہ نماز پڑھنے اور دین پر عمل پیرا ہونے سے باز رہیں مگر ان دونوں حضرات نے اس کی بات نہ مانی، پھر اس نے حیرت سے دیکھا کہ دونوں کھلے ہوئے ہیں اور نماز پڑھ رہے ہیں۔ چونکہ دونوں ایک ساتھ رسی میں باندھے گئے تھے، اس لیے انھیں قرین کہا جاتا ہے۔ قرین کے معنی ہیں ''ایک ساتھ ملائے گئے۔''⑤

① النحل: 106:16، وسیرت ابن ہشام: 320,319/1، وطبقات ابن سعد: 249,248/1، وتفسیر ابن کثیر 106:16، 524/4 آیت مذکورہ، الدرالمنثور، سورۃ النحل، تفسیر آیت: 106، 249/4.
② أسد الغابة: 406/4، وتلقیح، ص: 60. ③ طبقات ابن سعد: 248/3. ④ رحمة للعالمین: 87/1. ⑤ أسد الغابة: 468/2.

ابوجہل کا حال یہ تھا کہ وہ جب کسی بااثر اور بچاؤ کی طاقت رکھنے والے آدمی کے اسلام لانے کی خبر سنتا تو اسے ڈانٹتا پھٹکارتا اور دھمکیاں دیتا کہ مال وعزت کو سخت نقصان پہنچاؤں گا اور اگر کوئی کمزور آدمی اسلام لاتا تو اسے خود بھی مارتا اور دوسروں کو بھی شہ دیتا۔ غرض جس کسی کے بھی مسلمان ہونے کا پتہ چلتا، مشرکین اس کے درپے آزار ہو جاتے اور جہاں تک بس چلتا ستاتے اور تکلیفیں دیتے تھے۔[1]

یہ زیادتیاں تو کمزور اور عام مسلمانوں کے ساتھ ہو رہی تھیں لیکن بڑے اور معزز لوگوں میں سے کوئی مسلمان ہوتا تو مشرکین کو بھی ہاتھ اٹھانے سے پہلے بار بار سوچنا پڑتا، چنانچہ ایسے مسلمان سے اس کے ہم پلہ لوگ ہی حد درجہ احتیاط اور سوچ بچار کے بعد ٹکرانے کی جرأت کرتے۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مشرکین کا رویہ جہاں تک رسول اللہ ﷺ کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا رعب اور شرف و وقار دے رکھا تھا کہ لوگ زیادتی کی جرأت نہ کر پاتے تھے۔ مزید برآں آپ کو ابوطالب کی حمایت وحفاظت بھی حاصل تھی۔ وہ قریش کے ایک عظیم سردار تھے۔ اُن کی بات مانی جاتی تھی اور ان کی ذمے داری کا احترام کیا جاتا تھا۔ اسے توڑنے کی جرأت کسی میں نہ تھی۔ یہ بنوعبد مناف کے چوٹی کے انسان تھے اور قریش بلکہ سارا عرب اس خاندان کو عزت واحترام کی نظر سے دیکھتا تھا، اس لیے آپ کے اس تعلق سے مشرکین مجبور تھے کہ کوئی پر امن قدم اٹھائیں، چنانچہ انھوں نے ابو طالب سے گفت وشنید کا راستہ اپنایا مگر کسی قدر سختی اور چیلنج کے ساتھ!

قریش اور ابو طالب کے درمیان گفتگو قریش کے اشراف ابو طالب کے پاس آئے اور ان سے کہا:

”آپ کا بھتیجا ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہتا ہے۔ ہمارے دین پر عیب لگاتا ہے، ہمیں بیوقوف ٹھہراتا ہے اور ہمارے باپ دادا کو گمراہ کہتا ہے، لہٰذا یا تو آپ اسے

[1] سیرت ابن ہشام :1/320.

روکیں یا ہمارے اور اس کے بیچ سے ہٹ جائیں کیونکہ آپ بھی تو ہماری ہی طرح اس سے الگ دین پر ہیں، ہم اس سے نمٹ لیں گے۔''

جواب میں ابو طالب نے نرمی سے بات کی اور انھیں خوش اسلوبی سے واپس کر دیا، چنانچہ وہ واپس چلے گئے اور رسول اللہ ﷺ اللہ کے دین پر کھلم کھلا کاربند رہ کر اس کی تبلیغ کرتے رہے۔[1]

ابو طالب کو قریش کی دھمکی اور چیلنج مگر جب قریش نے دیکھا کہ نبی ﷺ اپنے کام اور اپنی تبلیغ میں لگے ہوئے ہیں تو وہ مزید صبر نہ کر سکے۔ انھوں نے باہم بڑی چہ میگوئیاں اور شکوے کیے، پھر ابو طالب کے پاس جا کر عرض گزار ہوئے:

''ابو طالب! آپ ہم میں عمر رسیدہ ہیں اور شرف ومنزلت رکھتے ہیں۔ ہم نے آپ سے عرض کی تھی کہ اپنے بھتیجے کو منع کریں مگر آپ نے منع نہیں کیا۔ بخدا ہم یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ ہمارے باپ دادا کو برا بھلا کہا جائے۔ ہمیں بیوقوف قرار دیا جائے اور ہمارے معبودوں پر عیب لگائے جائیں، لہٰذا آپ یا تو اسے منع کریں یا پھر ہم آپ کے اور اس کے مقابلے کے لیے نکل آئیں گے اور اس وقت تک نہیں ٹلیں گے جب تک کہ ایک فریق کا خاتمہ نہ ہو جائے۔''

یہ کہہ کر وہ لوگ واپس چلے گئے۔ ابو طالب کو یہ دھمکی اور چیلنج بڑا بھاری محسوس ہوا۔ انھوں نے آپ ﷺ کو بلا کر ان کی بات سنائی اور کہا:

''اب مجھ پر اور اپنے آپ پر رحم کرو اور میری طاقت سے زیادہ مجھ پر بوجھ نہ ڈالو۔''

جب رسول اللہ ﷺ نے ان کی یہ کمزوری دیکھی تو فرمایا:

«يَا عَمِّ! وَاللّٰهِ! لَوْ وَضَعُوا الشَّمْسَ فِي يَمِينِي وَالْقَمَرَ فِي يَسَارِي عَلٰى أَنْ أَتْرُكَ هٰذَا الْأَمْرَ، حَتّٰى يُظْهِرَهُ اللّٰهُ أَوْ أَهْلِكَ فِيهِ، مَا تَرَكْتُهُ»

[1] سیرت ابن ہشام: 1/265.

"چچا جان! واللہ! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی رکھ دیں کہ میں اس کام کو چھوڑ دوں تب بھی چھوڑ نہیں سکتا، یہاں تک کہ یا تو اللہ اس (دین) کو غالب کر دے یا میں اسی راہ میں ہلاک ہو جاؤں۔"

اس کے بعد آپ ﷺ کے آنسو نکل آئے۔ یہ دیکھ کر ابو طالب کی محبت اور قوت ارادی پلٹ آئی۔ انھوں نے کہا:

"بھتیجے! جاؤ جو کہنا ہے کہو، واللہ! میں تمھیں کبھی کسی بھی وجہ سے چھوڑ نہیں سکتا۔"[1]

قریش کی عجیب وغریب تجویز اور ابو طالب کا دلچسپ جواب قریش نے دیکھا کہ ان کی دھمکی کارگر نہیں ہوئی کیونکہ رسول اللہ ﷺ اپنا کام کیے جا رہے ہیں اور ابو طالب ان کی مدد پر ڈٹے ہوئے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو اپنے بھتیجے کی مدد کے مقابلے میں قریش کی عداوت اور جدائی منظور ہے اور وہ لڑنے بھڑنے کے لیے تیار ہیں، اس لیے قریش کو ذرا توقف وتأمل کرنا پڑا اور وہ دیر تک مشورہ کرتے رہے، آخر انھیں ایک عجیب وغریب تجویز سوجھی۔ قریش میں ایک شخص عمارہ بن ولید تھا، بڑا خوبصورت اور بانکا نوجوان اور جوانوں کا سردار۔ یہ لوگ اسے ساتھ لے کر ابو طالب کے پاس آئے اور کہا:

"ابو طالب! اس نوجوان کو ہم سے لے لیجیے اور اسے اپنا لڑکا قرار دے لیجیے۔ آپ اس کی مدد بھی کیجیے اور دیت بھی لیجیے اور ہمیں اس کے بدلے اپنا بھتیجا دے دیجیے۔ جو آپ کے دین اور آپ کے باپ دادا کے دین کا مخالف ہے اور جس نے آپ کی قوم میں پھوٹ ڈال رکھی ہے اور ان کی عقلوں کو ماؤف قرار دے رکھا ہے۔ ہم اسے لے جا کر قتل کریں گے۔ بس یہ ایک آدمی کے بدلے ایک آدمی کا معاملہ ہوا۔"

[1] سیرت ابن ھشام: 266,265/111، ودلائل النبوۃ للبیھقي: 188/2 "اس روایت کو معروف سیرت نگار ابن ہشام اپنی کتاب "السیرۃ النبویۃ" میں "ابن اسحاق" صاحب مغازی کی سند سے لائے ہیں جس میں انقطاع ہے، چنانچہ محدث البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو بایں الفاظ ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھیے: "السلسلة الضعيفة (909)، یہی روایت ایک دوسرے طریق سے بھی مروی ہے جسے طبرانی اپنی کتاب "المعجم الأوسط" میں لائے ہیں، اس کی سند حسن ہے، البتہ اس کے الفاظ ابن اسحاق کی روایت سے مختلف ہیں، ◄◄

ابو طالب نے کہا:

"واللہ! تم لوگ انتہائی بُرا سودا کر رہے ہو۔ مجھے تم اپنا بیٹا اس لیے دے رہے ہو کہ میں اسے کھلاؤں پلاؤں اور مجھ سے میرا بیٹا مانگ رہے ہو کہ تم اس کو قتل کرو۔ اللہ کی قسم! یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔"[1]

رسول اللہ ﷺ پر دست درازیاں

جب قریش ہر طرح ناکام اور مایوس ہو گئے، نہ ان کی دھمکی کام آئی، نہ سودے بازی تو انھوں نے خود رسول اللہ ﷺ پر دست درازی شروع کر دی اور مسلمانوں پر جو سختیاں وہ پہلے سے کرتے آ رہے تھے ان میں مزید اضافہ کر دیا۔

چونکہ رسول اللہ ﷺ حشمت وعزت اور اکرام واحترام کا بلند مقام رکھتے تھے، اس لیے آپ پر دست درازی کی جرأت صرف بڑے افراد اور سرداروں نے کی، چھوٹے اور عام لوگوں کو یہ جرأت نہ ہو سکی۔

آپ (ﷺ) کو گھر کے اندر جو لوگ تکلیف دیتے تھے، ان کے نام یہ ہیں:

"ابو لہب، حکم بن ابی العاص بن امیہ، عقبہ بن ابو مُعَیط، عدی بن حمراء ثقفی، ابن الاصداء ہذلی۔"

یہ سب آپ کے پڑوسی تھے۔ جب آپ نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تو ان میں سے کوئی شخص بکری کی بچہ دانی اٹھا کر آپ پر پھینک دیتا اور جب ہانڈی چولہے پر چڑھی ہوتی تو اس ہانڈی میں پھینک دیتا۔ آپ جواب میں صرف اتنا کرتے کہ اسے لکڑی پر اٹھا کر لاتے اور

◄◄ چنانچہ طبرانی کی اس روایت میں ہے کہ جب قریش کے لوگوں نے ابو طالب سے آپ ﷺ کی شکایت کی تو آپ نے ان کے جواب میں فرمایا: [مَا أَنَا بِأَقْدَرَ عَلَى أَنْ أَدَعَ لَكُمْ ذَالِكَ عَلَى أَنْ تُشْعِلُوا لِي مِنْهَا شُعْلَةً] یعنی: الشَّمْسَ "مجھ میں قدرت نہیں کہ میں تمھارے لیے اس کام کو چھوڑ دوں، اگرچہ تم اس سورج سے میرے لیے آگ کی لپٹ لے آؤ۔" مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: "السلسلة الصحيحة" (92).

[1] سیرت ابن ہشام :1/267,266.

دروازے پر کھڑے ہو کر کہتے:

”اے بنوعبد مناف! یہ کیسا پڑوس ہے۔“ پھر اسے راستے میں پھینک دیتے۔ [1]

❋ امیہ بن خلف جب آپ کو دیکھتا تو طعن و تشنیع کرتا۔ آنکھیں مار مار کر ان سے اشارے کرتا اور لوگوں کو ہشکارتا۔ اسی طرح اس کا بھائی اُبی بن خلف دھمکیاں دیتا ہوا کہتا: [2]

”اے محمد! میرے پاس عود نامی گھوڑا ہے جسے روزانہ تین صاع خوراک کھلاتا ہوں، اسی پر سوار ہو کر تجھے قتل کروں گا۔“

بالآخر آپ ﷺ نے ایک بار فرمایا:

«بَلْ أَنَا أَقْتُلُكَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ» ”بلکہ ان شاء اللہ میں تجھے قتل کروں گا۔“

اور ایسا ہی ہوا کہ احد میں آپ ہی نے اسے قتل کیا۔ ایک روز یہی ابی بن خلف ایک بوسیدہ ہڈی لایا اور اسے توڑ کر رسول اللہ ﷺ کے چہرے کی طرف پھینک دیا۔ [3]

❋ ایک بار عقبہ بن ابو معیط نے نبی ﷺ کے پاس بیٹھ کر کچھ سنا، یہ بات اس کے دوست ابی بن خلف کو معلوم ہوئی تو اس نے عتاب کیا اور کہا: جاؤ! نبی ﷺ کے چہرے پر تھوک کر آؤ۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ [4]

❋ ابولہب تو پہلے ہی دن سے آپ کا دشمن تھا اور آپ کے درپے آزار رہا کرتا تھا۔ اس کے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کے عقد میں نبی ﷺ کی دو صاحبزادیاں رقیہ اور ام کلثوم تھیں۔ ابولہب نے دونوں بیٹوں سے کہا:

”اگر تم نے محمد کی بیٹیوں کو طلاق نہ دی تو میرا تمھارا آمنا سامنا حرام ہے۔“

اس کی بیوی نے بھی کہا کہ انھیں طلاق دے دو کیونکہ وہ بددین ہو گئی ہیں، چنانچہ انھوں نے طلاق دیدی۔ [5]

❋ ابولہب کی بیوی ام جمیل اروی بنت حرب بھی رسول اللہ ﷺ کی کٹر دشمن تھی۔ وہ کانٹے

[1] سیرت ابن هشام:416/1. [2] سیرت ابن هشام:357,356/1. [3] سیرت ابن هشام:362,361/1.
[4] سیرت ابن هشام:361/1. [5] سیرت ابن هشام:652/2، ومعجم الكبير للطبراني:435/22، طبرانی عن قتادہ۔۔ وغیرہ۔

دار ڈالیاں لا کر رات کو آپ کے راستے میں ڈال دیتی کہ آپ اور آپ کے ساتھی زخمی ہو جائیں۔[1]

اسے سورت ﴿تَبَّتْ يَدَآ أَبِي لَهَبٍ﴾ نازل ہونے کا پتہ چلا تو ہتھیلی میں پتھر لے کر رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں نکلی۔ آپ خانہ کعبہ کے پاس ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ اللہ نے اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا، چنانچہ وہ صرف حضرت ابو بکر ہی کو دیکھ رہی تھی۔ کہنے لگی:

تمھارا ساتھی کہاں گیا؟ مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ میری ہجو کرتا ہے۔ واللہ! اگر اسے پالوں تو یہی پتھر اس کے منہ پر دے ماروں۔ سن لو! میں بھی شاعرہ ہوں، اس کے بعد یہ کہہ کر چلی گئی: مُذَمَّمًا عَصَيْنَا وَ أَمْرَهُ أَبَيْنَا وَ دِينَهُ قَلَيْنَا

”ہم نے ”مذمم“ کی نافرمانی کی، اس کی بات کا انکار کیا اور اس کے دین کو نفرت سے چھوڑ دیا۔“

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! کیا اس نے آپ کو نہیں دیکھا؟ آپ نے فرمایا:

«مَا رَأَتْنِي، لَقَدْ أَخَذَ اللّٰهُ بِبَصَرِهَا»

”وہ مجھے نہیں دیکھ سکی، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی نگاہ پکڑ لی تھی۔“[2]

قریش نے نبی ﷺ کو گالی دینے اور برا بھلا کہنے کا ایک طریقہ یہ بھی ایجاد کر رکھا تھا کہ وہ آپ کو محمد کی بجائے ”مذمم“ کہتے تھے جس کے معنی ”محمد“ کے بالکل الٹ ہیں۔ ”محمد“ کے معنی ہیں وہ شخص جس کی خوب تعریف کی گئی ہو۔ اور ”مذمم“ کے معنی ہیں، وہ شخص جس کی خوب برائی کی گئی ہو لیکن اللہ نے اسے آپ سے یوں پھیر دیا کہ وہ ”مذمم“ نامی آدمی کو گالی دیتے تھے جبکہ آپ کا نام ”محمد (ﷺ)“ تھا۔[3]

[1] تفسير سورة اللهب. [2] سيرت ابن هشام: 356/1، والمستدرك للحاكم: 361/2، ومصنف ابن أبي شيبة: 498/11، حديث: 11817، ومسند أبي يعلى: 246/4، حديث: 2358. [3] صحيح البخاري، المناقب، باب ماجاء في أسماء رسول الله ﷺ، حديث: 3533، ومسند أحمد: 244/2و340و369.

* اخنس بن شریق ثقفی بھی رسول اللہ ﷺ پر زیادتیاں کرتا تھا۔

* اور ابوجہل کا تو کہنا ہی کیا، کہ اس نے آپ کو اللہ کی راہ سے روکنے کا بیڑا اٹھا رکھا تھا۔ وہ نبی ﷺ کو اپنی باتوں سے اذیت پہنچاتا، نماز سے روکتا اور اپنی حرکتوں پر فخر وتکبر کرتا۔ ایک روز نبی ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو سختی پر اتر آیا اور دھمکیاں دینے لگا، بالآخر رسول اللہ ﷺ نے اسے ڈانٹ دیا اور گلے کے پاس سے کپڑا پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے فرمایا: ﴿اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۝ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۝﴾

''تیرے لیے خرابی درخرابی ہے، پھر تیرے لیے خرابی درخرابی ہے۔''[1]

اس نے کہا:

''محمد! مجھے دھمکیاں دے رہے ہو۔ واللہ! تم اور تمھارا رب میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ میں اس وادی (مکہ) کا سب سے طاقتور آدمی ہوں۔''[2]

ایک روز اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

''محمد تمھارے سامنے اپنا چہرہ مٹی پر رکھتا ہے۔''

انھوں نے کہا'': ہاں۔'' اس نے کہا'': لات وعزیٰ کی قسم! اگر میں نے اسے دیکھ لیا تو اس کی گردن روند دوں گا اور اس کا چہرہ مٹی پر رگڑ دوں گا۔''

اس کے بعد اس نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھ لیا اور اس زعم میں چلا کہ آپ کی گردن روند دے گا لیکن لوگوں نے اچانک کیا دیکھا کہ وہ ایڑیوں کے بل پلٹ رہا ہے اور دونوں ہاتھوں سے اپنا بچاؤ کر رہا ہے۔ لوگوں نے پوچھا ''ابوالحکم! تمھیں کیا ہوا؟ کہنے لگا ''میرے اور اس کے درمیان آگ کی ایک خندق ہے اور ہولناکیاں اور (فرشتوں کے پروں کے) بازو ہیں۔'' آپ نے فرمایا: «لَوْ دَنَا مِنِّي لَاَخْتَطَفَتْهُ الْمَلَائِكَةُ عُضْوًا عُضْوًا»

---

[1] القيامة 75:34،35. [2] جامع الترمذي، التفسير، باب ومن سورة اقرأ، حديث: 3349، وتفسير الطبري: 30/234، وابن كثير، العلق: 6/490، والدر المنثور: 4/626، آیت مذکورہ کی تفسیر۔ اور سورۂ اقرأ کی تفسیر۔

”اگر وہ میرے قریب آتا تو فرشتے (اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے اور) اس کا ایک ایک عضوا چک لیتے۔“ [1]

ایسی ہی بدبختی عقبہ بن ابی معیط کے حصے میں بھی آئی۔ ایک بار رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے اور ابوجہل اور اس کے ساتھی بیٹھے تھے۔ اتنے میں بعض افراد نے بعض سے کہا:

”کون ہے جو بنی فلاں کے اونٹ کی بچہ دانی لائے اور جب محمد سجدہ کریں تو ان کی پیٹھ پر ڈال دے۔ اس پر قوم کا بدبخت ترین آدمی عقبہ بن ابی معیط اٹھا اور بچہ دانی لاکر انتظار کرنے لگا۔ جب آپ نے سجدہ کیا تو دونوں کندھوں کے بیچ میں ڈال دی، پھر وہ ہنسی کے مارے ایک دوسرے پر گرنے لگے۔ ادھر آپ سجدے ہی میں رہے، سر نہ اٹھایا یہاں تک کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں اور آپ کی پیٹھ سے بچہ دانی دور پھینکی، تب آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا:

«اَللّٰھُمَّ عَلَیْکَ بِقُرَیْشٍ» ”اے اللہ تو قریش کو پکڑ لے۔“

یہ بددعا ان پر شاق گزری کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ اس شہر میں دعا قبول ہوتی ہے، پھر آپ نے ایک ایک شخص کا نام لے لے کر بددعا کی:

«اَللّٰھُمَّ عَلَیْکَ بِفُلَانٍ وَّ فُلَانٍ» ”اے اللہ! فلاں کو پکڑ لے اور فلاں کو۔“ [2]

اور ہوا بھی یہی کہ وہ سب کے سب آئندہ بدر کی لڑائی میں مارے گئے۔

رسول اللہ ﷺ سے استہزا کرنے والے پانچ بڑے افراد تھے: ولید بن مغیرہ مخزومی، اسود بن عبد یغوث زہری، ابوزمعہ اسود بن عبد المطلب اسدی، حارث بن قیس خزاعی اور عاص بن وائل سہمی۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو بتایا کہ ان کے شر

[1] صحيح مسلم، صفات المنافقين وأحكامهم، باب قوله: ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ لَيَطْغَىٰ﴾ حديث: 2797-2798. [2] صحيح البخاري، الصلاة، باب المرأة تُطرح عن المصلى شيئا من الأذى، حديث: 240و520و2934و3185و3854و3960.

سے بچاؤ کے لیے تنہا اللہ آپ کو کفایت کرے گا، پھر ان میں سے ہر ایک پر ایسی بلا نازل کی جو عبرت ونصیحت سے بھرپور تھی۔

- چنانچہ ولید کو چند سال پہلے سے تیر کی ایک خراش لگی ہوئی تھی جو بالکل معمولی تھی مگر جبریل علیہ السلام نے اس خراش کے نشان کی طرف اشارہ کر دیا تو وہ پھوٹ پڑی اور کئی سال شدید تکلیف پہنچانے کے بعد جان لیوا ثابت ہوئی۔
- اسی طرح اسود بن عبد یغوث کے سر کی طرف حضرت جبریل علیہ السلام نے اشارہ کیا تو اس کو پھوڑے نکل آئے اور انھی پھوڑوں سے اس کی موت واقع ہوگئی۔ کہا جاتا ہے کہ اسے لو لگ گئی تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جبریل علیہ السلام نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا تھا جس سے اسے استسقاء کی بیماری ہوگئی اور پیٹ اس قدر پھول گیا کہ بالآخر وہ اسی سے مر گیا۔
- اسود بن عبد المطلب نے جب رسول اللہ ﷺ کو اذیتیں پہنچا پہنچا کر بہت تنگ کر دیا تو آپ نے بددعا کی: «اَللّٰھُمَّ أَعْمِ بَصَرَهُ وَ أَثْكِلْهُ وَلَدَهُ»

"اے اللہ! اس کی نگاہ چھین لے اور اسے لڑکے سے محروم کر دے۔"

چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور اس کے چہرے پر کانٹے دار پتے یا ڈالی سے مارا تو اس کی نگاہ جاتی رہی پھر اس کے لڑکے کو مارا تو وہ مر گیا۔

- عاص بن وائل ایک کانٹے دار درخت پر بیٹھ گیا۔ اس کا کانٹا پاؤں کے تلوے میں چُبھ گیا۔ اس کا زہر سر تک دوڑ گیا۔ یہاں تک کہ وہ اسی زہر سے مر گیا۔[1]

یہ ان سختیوں کا ایک مختصر سا خاکہ ہے جو کھلم کھلا تبلیغ کے نتیجے میں رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں پر ٹوٹ پڑی تھیں۔ اس پیچیدہ صورت حال کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے دو قدم اٹھائے۔

[1] السنن الکبریٰ للبیہقي: 9/68، کتب تفاسیر: الطبری: 8/14/90، وابن کثیر: 2/738، والدرالمنثور: 4/200 وغیرہ، تفسیر سورۃ الحجر آیت: 95.

دار الارقم پہلا قدم یہ تھا کہ آپ نے ارقم بن ابوالارقم مخزومی کے گھر کو تبلیغ وعبادت اور تعلیم وتربیت کا خفیہ مرکز بنا دیا کیونکہ وہ بدمعاشوں کی نگاہوں سے دور صفا کے دامن میں واقع تھا، چنانچہ وہاں آپ ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ خفیہ طور پر اکٹھے ہوتے۔ نبی ﷺ صحابۂ کرام کو اللہ کی آیتیں تلاوت فرما کر سُناتے، ان کا تزکیہ کرتے اور اُنھیں کتاب وحکمت سکھاتے۔ اس تدبیر سے بہت سے ایسے حادثات سے بچاؤ ہو گیا کہ اگر آپ کھلے طور پر اکٹھے ہوتے تو ان کے پیش آنے کا غالب امکان تھا۔ باقی جہاں تک نبی ﷺ کی اپنی ذات کا تعلق ہے تو آپ مشرکین کے بیچوں بیچ کھلم کھلا اللہ کی عبادت بھی کرتے تھے اور اس کے دین کی دعوت بھی دیتے تھے۔ اس سے نہ آپ کو کوئی ظلم وزیادتی روک سکتی تھی نہ مذاق اور استہزا۔ یہ اللہ کی حکمت تھی تاکہ جو ایمان لائے اسے بھی دعوت پہنچ جائے اور جو ایمان نہ لائے اسے بھی۔ اور اس تبلیغ کے بعد کسی کے لیے اللہ کے خلاف حجت باقی نہ رہ جائے اور قیامت کے روز کوئی کہنے والا یہ نہ کہہ سکے کہ ہمارے پاس تو کوئی خوشخبری دینے اور ڈرانے والا آیا ہی نہیں۔

ہجرت حبشہ دوسرا قدم یہ تھا کہ آپ نے یہ اچھی طرح معلوم کر لینے کے بعد کہ حبشہ کا بادشاہ نجاشی ایک انصاف پسند حکمران ہے اور اس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا، مسلمانوں کو ہدایت کی کہ وہ حبشہ ہجرت کر جائیں۔[1] اس ہدایت کے مطابق رجب سنہ 5 نبوت میں مسلمانوں کے پہلے قافلے نے ہجرت کی۔ اس میں بارہ مرد چار عورتیں اور ان کے سردار حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے، نیز ان کے ساتھ ان کی بیوی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں، جو نبی ﷺ کی صاحبزادی تھیں اور یہ حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کے بعد پہلا گھرانہ تھا جس نے اللہ کے راستے میں ہجرت کی تھی۔[2]

یہ لوگ رات کے اندھیرے میں چپکے سے نکلے اور جدہ کے جنوب میں واقع شعیبہ کی بندرگاہ کا رخ کیا۔ قسمت کی بات ہے کہ وہاں دو تجارتی جہاز موجود تھے۔ یہ لوگ ان پر سوار

[1] السنن الكبرى للبيهقي: 9/9. [2] زاد المعاد: 1/24.

ہو کر حبشہ پہنچ گئے۔

ادھر قریش کو ان کے بھاگنے کا پتہ چلا تو غیظ وغضب سے پھٹ پڑے۔ فوراً آدمی دوڑائے کہ انھیں پکڑ کر مکہ لایا جائے اور خوب سزا دی جائے، یہاں تک کہ وہ اللہ کا دین چھوڑ دیں لیکن ان کے پہنچنے سے پہلے مسلمان سمندر میں دور جا چکے تھے، لہٰذا یہ لوگ ساحل تک جا کر نامراد واپس آ گئے۔[1]

مسلمانوں کے ساتھ مشرکین کا سجدہ اس ہجرت کے کوئی دو مہینے بعد رمضان سنہ 5 نبوت میں ایک روز رسول اللہ ﷺ مسجد حرام تشریف لائے۔ اس وقت کعبہ کے آس پاس قریش کے بہت سارے لوگ جمع تھے۔ ان میں ان کے سردار اور بڑے بڑے لوگ بھی تھے۔ ''سورۂ نجم'' ابھی تازہ بتازہ اتری تھی۔ آپ نے ان کے درمیان اچانک کھڑے ہو کر اس کی تلاوت شروع کر دی۔ ایسا نفیس کلام انھوں نے کبھی سنا نہ تھا۔ اب جو اچانک اُنھوں نے کلامِ الٰہی سُنا تو وہ دم بخود ہو کر سنتے کے سنتے رہ گئے۔ خاموش، مبہوت، نہ روکنے کا یارا، نہ ٹوکنے کا ہوش بلکہ سورت کے آخر میں جب ڈانٹ ڈپٹ والی آیتیں آئیں تو اُن کے دلوں پر کپکپی طاری ہو گئی، پھر جونہی آپ نے یہ آیت پڑھ کر سجدہ کیا:

﴿فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ۝﴾ ''اللہ کے لیے سجدہ کرو اور عبادت کرو۔''[2]

تو بے اختیار سب کے سب سجدہ ریز ہو گئے، کسی کو اس حکم ربانی سے سرتابی کا یارا نہ رہا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ''نبی ﷺ نے سورۂ نجم پڑھی، پھر سجدہ کیا تو قوم کا کوئی فرد نہ بچا جس نے سجدہ نہ کیا ہو۔ ایک آدمی نے ایک مٹھی کنکری یا مٹی لی اور اسے اپنے چہرے کے اوپر تک لے گیا اور کہا میرے لیے یہی کافی ہے۔ بعد کو میں نے دیکھا کہ وہ جنگِ بدر میں حالت کفر میں مارا گیا۔ یہ آدمی امیہ بن خلف تھا۔''[3]

مہاجرین کی واپسی اس واقعے کی خبر حبشہ پہنچی لیکن خاصے فرق کے ساتھ، یعنی اُنھیں

[1] زاد المعاد :24/1. [2] النجم 62:53. [3] صحيح البخاري، سجود القرآن، باب ما جاء في سجود القرآن......، حديث :1067.

معلوم ہوا کہ قریش مسلمان ہو گئے ہیں، چنانچہ وہ خوشی خوشی مکہ پلٹے لیکن جب مکہ سے اتنے قریب آگئے کہ صرف ایک گھڑی کا فاصلہ باقی رہا تو حقیقت حال کا علم ہوا۔ اس کے بعد کچھ لوگ تو وہیں سے حبشہ پلٹ گئے اور کچھ لوگ چھپ چھپا کر یا کسی کی پناہ لے کر مکہ آئے۔[1]

دوسری ہجرت حبشہ اس کے بعد مسلمانوں پر قریش کی سختیاں اور بڑھ گئیں کیونکہ ایک طرف اُنھوں نے بے خودی میں مسلمانوں کے ساتھ جو سجدہ کر دیا تھا اس کا انھیں پچھتاوا تھا۔ دوسری طرف مسلمانوں کے ساتھ نجاشی جو حسن سلوک کر رہا تھا، اس کی بھی انھیں جلن تھی، لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ ”وہ دوبارہ حبشہ ہجرت کر جائیں“ چنانچہ اب کی بار بیاسی یا تراسی مرد اور اٹھارہ عورتوں نے ہجرت کی اور ظاہر ہے کہ یہ ہجرت پہلی ہجرت سے زیادہ پرمشقت تھی کیونکہ قریش چوکنے تھے اور مسلمانوں کی نقل وحرکت پر نظر رکھے ہوئے تھے لیکن مسلمان ان سے کہیں زیادہ چوکنے، باحکمت اور صاحبِ استقامت ثابت ہوئے اور ان کی ساری دھر پکڑ کے باوجود حبشہ کو نکل گئے۔

مسلمانوں کی واپسی کے لیے قریش کا حربہ قریش پر یہ بات بہت گراں گزری کہ مسلمان ان سے چھوٹ کر ایک ایسی محفوظ جگہ جا پہنچے ہیں جہاں ان کی جان اور ایمان کو کوئی خطرہ نہیں، چنانچہ ان کی واپسی کے لیے قریش نے اپنے دو ہوشیار آدمیوں، یعنی عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ کو حبشہ بھیجا۔ یہ دونوں اس وقت مشرک تھے۔

اُنھوں نے حبشہ پہنچ کر ایک سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق سب سے پہلے پادریوں سے ملاقاتیں کیں اور انھیں تحفے تحائف پیش کر کے مدلل انداز میں اپنی آمد کا مقصد بتایا۔ ان سب نے حامی بھر لی۔ اس کے بعد نجاشی کے پاس آئے اور اسے بھی تحفے تحائف پیش کیے، پھر اصل مقصد کے لیے زبان کھولی اور کہا:

”بادشاہ سلامت! آپ کے ملک میں ہمارے کچھ ناسمجھ نوجوان بھاگ آئے ہیں۔

① سیرت ابن ہشام: 1/364، وزادالمعاد: 1/24 و 2/44.

انھوں نے اپنی قوم کا دین چھوڑ دیا ہے اور آپ کے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے بلکہ ایک نیا دین ایجاد کیا ہے جسے ہم جانتے ہیں نہ آپ، اس لیے ہمیں آپ کی خدمت میں ان کی قوم کے اشراف، یعنی ان کے والدین، چچاؤں اور کنبے قبیلے کے لوگوں نے بھیجا ہے تاکہ آپ انھیں واپس بھیج دیں کیونکہ وہ لوگ ان پر نگاہ رکھتے ہیں اور ان کی خامی اور خرابی کو سب سے اچھی طرح سمجھتے ہیں۔''

جب ان کی یہ بات پوری ہو چکی تو پادریوں نے بھی منصوبے کے مطابق ان کی تائید کی۔ لیکن نجاشی نے احتیاط برتی اور سوچا کہ دونوں فریقوں کی بات سننی چاہیے تبھی حق واضح ہو سکے گا، چنانچہ اس نے مسلمانوں کو بلایا اور پوچھا: ''یہ کیا دین ہے جس کی وجہ سے تم اپنی قوم سے الگ ہو گئے؟ پھر میرے دین میں داخل ہوئے، نہ دیگر ملتوں میں سے کسی کے دین میں داخل ہوئے۔

اس کے جواب میں مسلمانوں کی طرف سے حضرت جعفر بن ابو طالب نے بات کی۔ اُنھوں نے کہا:

''اے بادشاہ! ہم جاہلیت والی قوم تھے۔ بت پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، برائیاں کرتے تھے، قرابت داروں سے تعلق توڑتے تھے، پڑوسیوں سے بدسلوکی کرتے تھے، ہمارا طاقتور کمزور کو کھا رہا تھا، ہم اسی حالت میں تھے کہ اللہ نے ہم ہی میں سے ایک رسول بھیجا۔ ہم اس کی عالی نسبی، سچائی، امانت اور پاک دامنی کو جانتے تھے۔ اس نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا کہ ہم اسے ایک مانیں اور اسی کی عبادت کریں اور اس کے سوا جن پتھروں اور بتوں کو ہم اور ہمارے باپ دادا پوجتے تھے انھیں چھوڑ دیں۔ اس نے ہمیں سچ بولنے، امانت ادا کرنے، قرابت جوڑنے، پڑوسی سے اچھا سلوک کرنے، حرام کاری اور خون ریزی سے باز رہنے کا حکم دیا اور بے حیائی کے کاموں، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال کھانے اور پاک دامن عورتوں پر جھوٹی تہمت لگانے سے منع کیا۔ اس نے ہمیں یہ بھی حکم دیا کہ ہم صرف ایک اللہ کی

عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ اس نے ہمیں نماز، زکاۃ اور روزے کا حکم دیا۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے اسلام کے اور بہت سے احکام بھی گنوائے، پھر کہا کہ ہم نے اس پیغمبر کو سچا مانا، اس پر ایمان لائے، اس کی پیروی کی اور اس کے لائے ہوئے دین الٰہی میں اس کا اتباع کیا، چنانچہ ہم نے صرف ایک اللہ کی عبادت کی، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا اور جو چیزیں اس نے حرام بتائیں، انھیں حرام مانا اور جو چیزیں حلال بتائیں، انھیں حلال جانا۔ اس پر ہماری قوم ہم سے بگڑ گئی۔ اس نے ہم پر ظلم وستم کیا اور ہمیں دین سے پھیرنے کے لیے فتنوں اور سزاؤں سے دوچار کیا تاکہ ہم اللہ کی عبادت چھوڑ کر بت پرستی کی طرف پلٹ جائیں اور جن گندی چیزوں کو حرام سمجھتے تھے، انھیں پھر حلال سمجھنے لگیں۔ جب انھوں نے ہم پر بہت قہر وظلم کیا، زمین تنگ کر دی، ہمارے اور ہمارے دین کے درمیان رکاوٹ بن کر کھڑے ہو گئے تو ہم نے آپ کے ملک کی راہ لی اور آپ کو دوسروں پر ترجیح دی اور آپ کی پناہ میں رہنا پسند کیا اور یہ امید کی کہ اے بادشاہ! آپ کے ہاں ہم پر ظلم نہ کیا جائے گا۔"

نجاشی نے یہ بات سنی تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے کچھ قرآن پڑھنے کی فرمائش کی۔ انھوں نے "کھیعص" یعنی سورت مریم کی ابتدائی آیات تلاوت کیں۔ اس پر نجاشی اس قدر رویا کہ اس کی ڈاڑھی تر ہوگئی اور تمام پادری بھی اس قدر روئے کہ ان کے صحیفے تر ہو گئے، پھر نجاشی نے کہا: "یہ کلام اور وہ کلام جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے، دونوں ایک ہی شمع کے اُجالے ہیں۔"

اس کے بعد قریش کے دونوں نمائندوں کو مخاطب کر کے کہا: "تم لوگ چلے جاؤ۔ واللہ! میں ان کو تمھارے حوالے نہیں کر سکتا اور نہ ان کے خلاف کوئی چال چلی جا سکتی ہے۔"

دوسرے دن عمرو بن عاص نے ایک خطرناک تدبیر اختیار کی۔ نجاشی سے کہا کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ایک بڑی خطرناک بات کہتے ہیں۔

اس پر نجاشی نے مسلمانوں کو پھر بلوایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں سوال کیا۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''ہم ان کے بارے میں وہی بات کہتے ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں، یعنی وہ اللہ کے بندے ہیں، اس کے رسول، اس کی روح اور اس کا وہ کلمہ ہیں جسے اللہ نے کنواری، پاک دامن مریم علیہا السلام کی طرف القا کیا تھا۔''

اس پر نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا:

''اللہ کی قسم! جو کچھ تم نے کہا ہے، اس سے عیسیٰ علیہ السلام اس تنکے کے برابر بھی بڑھ کر نہ تھے۔ جاؤ! تم لوگ میری قلمرو میں امن وامان سے رہو۔ جو تمھیں گالی دے گا، اس پر تاوان لگایا جائے گا۔ جو تمھیں گالی دے گا، اس پر تاوان لگایا جائے گا۔ جو تمھیں گالی دے گا، اس پر تاوان لگایا جائے گا۔ مجھے سونے کا پہاڑ بھی ملے تب بھی گوارا نہیں کہ تم میں سے کسی کو ستاؤں۔''

اس کے بعد حکم دیا کہ قریش کے نمائندوں کو ان کے تحفے تحائف واپس کر دیے جائیں، چنانچہ یہ دونوں صاحبان منہ لٹکائے مکہ لوٹے اور بتایا کہ مسلمانوں نے اچھے دیار میں اچھے ہمسائے کے ساتھ قیام کیا ہے۔[1]

مشرکین کی حیرت اس ناکامی پر مشرکین نے بہت پیچ وتاب کھایا اور چاہا کہ باقی مسلمانوں پر ٹوٹ پڑیں۔ بالخصوص وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ دین کا کام مسلسل کیے جا رہے ہیں لیکن وہ یہ دیکھ کر الجھن میں پڑ جاتے تھے کہ سخت سے سخت دھمکی کے باوجود ابو طالب آپ کی مدد پر کمربستہ ہیں اور ان سے ٹکرانا آسان نہیں، اس لیے ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کریں۔ کبھی خونخواری کا جذبہ غالب آتا تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور بچے کھچے مسلمانوں کو سزائیں دینے لگتے، کبھی بحث ومناظرے کا دروازہ کھول دیتے۔ کبھی دنیا کی پرکشش چیزوں کی پیشکش کرتے، کبھی کچھ لو اور کچھ دو کے اصول پر سودے بازی کرتے اور

[1] سیرت ابن ہشام :1/334 و 338.

کبھی سوچتے کہ نبی ﷺ کا صفایا کر کے اسلام کا چراغ گل کر دیں مگر ان میں سے کوئی بات بن نہ سکی اور کسی طرح مراد پوری نہ ہو سکی بلکہ ان ساری کوششوں کا نتیجہ ناکامی ونامرادی کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اگلی سطور میں ہر ایک کا مختصر سا خاکہ پیش کیا جا رہا ہے۔

تعذیب اور قتل کی کوشش یہ فطری بات تھی کہ ناکامی کی صورت میں مشرکین کا جذبۂ خونخواری مزید بھڑک اٹھتا، چنانچہ اب صرف یہی نہیں کہ انھوں نے بچے کھچے مسلمانوں پر ظلم وجور کے پہاڑ توڑنے شروع کر دیے بلکہ رسول اللہ ﷺ پر بھی مزید سنگین دست درازیاں کیں۔

* چنانچہ ایک بار عتبہ بن ابولہب نبی ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگا کہ وہ ﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى﴾ ''پھر وہ (جبریل علیہ السلام) نزدیک ہوا اور اتر آیا۔ پس دو کمانوں کے بقدر فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی کم۔'' والے کے ساتھ کفر کرتا ہے۔ اس کے بعد آپ کی ایذا رسانی کے درپے ہو گیا۔ آپ کا کرتا پھاڑ دیا اور آپ کے چہرۂ مبارک پر تھوک دیا لیکن تھوک خود اسی پر پلٹ آیا۔ آپ نے فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ أَرْسِلْ عَلَيْهِ كَلْبًا مِّنْ كِلَابِكَ»

''یا اللہ! تو اس پر اپنے کتوں میں سے کوئی کتا چھوڑ دے۔''

اس کے بعد وہ ایک قافلے کے ساتھ ملک شام گیا۔ جب قافلے نے راستے میں ملک شام کے مقام زرقاء پر پڑاؤ ڈالا تو ایک شیر نے ان کے گرد چکر لگایا۔ عتبہ کہنے لگا ''واللہ! یہ مجھے کھا جائے گا، جیسا کہ محمد نے میرے لیے بددعا کی ہے۔ میں شام میں ہوں، وہ مکہ میں ہے لیکن اس نے مجھے مار ڈالا۔'' چنانچہ جب وہ لوگ سونے لگے تو عتبہ کو اپنے بیچوں بیچ سلایا، پھر بھی شیر نے اونٹوں اور انسانوں کو پھلانگتے ہوئے ٹھیک اسی کا سر آ دبوچا اور اسے مار ڈالا۔[1]

[1] الإصابة: 138/8، رقم: 11/87، ودلائل النبوة: 339/2، ومختصر السيرة شيخ عبدالله، ص: 135.

* اسی طرح ایک بار نبی ﷺ حالتِ سجدہ میں تھے کہ عقبہ بن ابی معیط نے آ کر آپ کی گردن مبارک اپنے پاؤں سے اس قدر زور سے روندی معلوم ہوتا تھا کہ آپ کی آنکھیں نکل پڑیں گی۔ [1]

واقعات کی رفتار سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین نے اسلامی دعوت روکنے کی مختلف کوششوں میں ناکامیوں کے بعد سنجیدگی کے ساتھ یہ بھی سوچنا شروع کر دیا تھا کہ نبی ﷺ کو قتل کر دیں، خواہ اس کے نتیجے میں زبردست خونریزی کی نوبت ہی کیوں نہ آ جائے اور یہ امر اس بات سے مترشح ہے کہ ایک روز ابوجہل نے قریش سے کہا:

"آپ لوگ دیکھ رہے ہیں کہ محمد ہمارے دین کو عیب لگانے، ہمارے آباء واجداد کی بدگوئی کرنے، ہماری عقلوں کو ماؤف ٹھہرانے اور ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہنے کے سوا کوئی بات ماننے کو تیار نہیں، اس لیے میں اللہ سے عہد کرتا ہوں کہ ایک بھاری بھرکم اور بمشکل اٹھنے والا پتھر لے کر اس کی تاک میں بیٹھوں گا اور جب وہ نماز پڑھتے ہوئے سجدے میں جائے گا تو اس کا سر کچل دوں گا۔ اس کے بعد تم لوگوں کا جی چاہے تو مجھے بچانا ورنہ بے یارومددگار چھوڑ دینا، بنوعبد مناف سے جو بن پڑے گا کرلیں گے۔" لوگوں نے کہا: "واللہ! ہم تمھیں ہرگز نہیں چھوڑ سکتے۔ تم جو کرنا چاہتے ہو کر گزرو۔"

اس کے بعد صبح ہوئی تو ابوجہل ویسا ہی ایک پتھر لے کر بیٹھ گیا۔ ادھر نبی ﷺ معمول کے مطابق تشریف لائے اور کھڑے ہو کر نماز شروع کر دی۔ قریش بھی انتظار کر رہے تھے کہ دیکھیں ابوجہل کیا کرتا ہے۔ اب ابوجہل نے قدم اٹھائے اور آگے بڑھا لیکن جوں ہی قریب پہنچا تو اس طرح خوفزدہ ہو کر بھاگا کہ رنگ اڑا ہوا، حواس باختہ اور دونوں ہاتھ پتھر پر چپکے ہوئے تھے۔ اس نے پتھر پھینک دیا۔ قریش نے کہا:

"ابوالحکم! تمھیں یہ کیا ہوا؟"

[1] مختصر السیرۃ، ص: 113.

کہنے لگا ”میں نے رات جو بات کہی تھی، وہی کرنے جارہا تھا لیکن ایک اونٹ آڑے آ گیا۔ واللہ! میں نے اس جیسی کھوپڑی، گردن اور دانت کبھی دیکھے ہی نہیں۔ وہ چاہتا تھا کہ مجھے کھا جائے۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«ذَاكَ جِبْرِيلُ، لَوْ دَنَا لَأَخَذَهُ»

”وہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے، اگر وہ قریب آتا تو دھر پکڑتے۔“[1]

اس کے بعد اس سے بھی زیادہ سنگین حادثہ پیش آیا جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک روز قریش حطیم میں اکٹھے ہو کر رسول اللہ ﷺ کے بارے میں باتیں کر رہے تھے کہ اچانک آپ ﷺ نمودار ہوئے اور خانہ کعبہ کا طواف شروع کر دیا۔ دورانِ طواف جب ان کے قریب سے گزرے تو انھوں نے طعنہ زنی کی۔ اس کا اثر آپ کے چہرے پر دیکھا گیا۔ جب دوبارہ گزرے تو انھوں نے پھر طعنہ زنی کی اور اس کا اثر بھی آپ کے چہرے پر دیکھا گیا۔ اس کے بعد نبیٔ کریم ﷺ تیسری بار گزرے تو اس بار بھی انھوں نے طعنہ زنی کی۔ اب کی بار آپ نے ٹھہر کر فرمایا:

«أَتَسْمَعُونَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ؟ أَمَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَقَدْ جِئْتُكُمْ بِالذَّبْحِ»

”قریش کے لوگو! سن رہے ہو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں تمھارے پاس تمھارے قتل و ذبح کا حکم لے کر آیا ہوں۔“

آپ کی اس بات کا اتنا گہرا اثر ہوا کہ اُن پر سکتہ طاری ہو گیا گویا ان کے سر پر پرندہ آ بیٹھا ہو۔ یہاں تک کہ آپ کے بارے میں جو سب سے سخت آدمی تھا۔ وہ بھی اچھی سے اچھی باتیں کر کے آپ کو منانے لگا۔

اگلے دن یہ لوگ پھر اکٹھے ہو کر آپ ہی کی باتیں کر رہے تھے کہ اچانک آپ نمودار ہوئے اور آپ کو دیکھتے ہی سب کے سب آپ پر لپک پڑے۔ آپ کی چادر پکڑ لی اور کہنے

[1] سيرة ابن هشام: 299,298.

لگے: ”تم ہی ہو جو ہم کو ہمارے باپ دادا کے معبودوں سے روکتے ہو۔“

آپ نے فرمایا: «أَنَا ذَاكَ» ”ہاں! میں ہی ہوں۔“

یہ سنتے ہی سب کے سب آپ پر پل پڑے۔ کوئی للکار رہا تھا، کوئی زد و کوب کر رہا تھا اور کوئی کچھ اور۔ عقبہ بن ابی معیط نے لپک کر آپ کا کپڑا پکڑ لیا اور گلے میں لپیٹ کر بل دیتے ہوئے نہایت سختی سے گلا گھونٹا۔

ادھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس دلدوز صورت حال کی اطلاع ملی تو وہ دوڑ کر آئے۔ عقبہ کو دونوں کندھوں سے پکڑا اور دھکے دے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ کیا، پھر وہ کسی کو مار رہے تھے، کسی سے لڑ رہے تھے اور کہتے جا رہے تھے: ”تم پر افسوس! تم ایک آدمی کو اس لیے قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے۔“ اب کفار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر ابوبکر رضی اللہ عنہ پر پلٹ پڑے اور اُنھیں اس قدر مارا کہ ان کے چہرے اور ناک میں تمیز مشکل ہو گئی۔ ان کی چار چوٹیاں تھیں۔ ان کو چھوا جاتا تو ہاتھ میں آ جاتی تھیں، چنانچہ بنو تیم ان کو کپڑے میں لپیٹ کر لے گئے اور گھر میں داخل کر دیا۔ انھیں ان کی موت میں کوئی شبہ نہ تھا لیکن سرِشام وہ بول پڑے اور بولے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال پوچھا۔ اس پر بنو تیم نے اُنھیں ملامت کی اور وہاں سے چلے گئے۔

اس کے بعد اُنھیں کھانا پیش کیا گیا لیکن انھوں نے اس وقت تک کھانے پینے سے انکار کر دیا جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ نہ لیں، چنانچہ جب رات کا سناٹا چھا گیا اور لوگ آرام کرنے لگے تو انھیں دارِ ارقم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچایا گیا۔ انھوں نے جب آپ کو بخیر پایا تو کھانا پینا گوارا کیا۔[1]

یوں جب ابوبکر رضی اللہ عنہ پر سختی بہت بڑھ گئی اور زندگی کی راہیں دشوار ہو گئیں تو وہ ہجرتِ حبشہ

[1] سیرت ابن ہشام: 290,289/1، وصحیح البخاري، مناقب الأنصار، باب ذکر ما لقي النبي ﷺ وأصحابه من المشرکین بمکة، حدیث: 3856، ومختصر السیرۃ شیخ عبداللہ، ص: 113، والدر المنثور: 655/5 وغیرہ کتب تفسیر، تفسیر سورۃ المومن، آیت: 28.

کے ارادے سے نکل پڑے۔ بَرک غِماد پہنچے تو قارہ[1] اور احابیش کے سردار مالک بن دغنہ سے ملاقات ہوگئی۔ اس نے ارادہ دریافت کیا، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بتایا تو کہنے لگا:

"آپ جیسا آدمی نکالا نہیں جا سکتا، آپ خالی ہاتھ والوں کا بندوبست کرتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں، بے سہاروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کے سلسلے میں پیش آنے والے مصائب کے ازالے میں مدد کرتے ہیں، لہٰذا میں آپ کا ضامن ہوں۔ آپ واپس چلیں اور اپنے شہر میں اپنے رب کی عبادت کریں۔"

اس کے بعد دونوں واپس آئے اور ابن دغنہ نے قریش میں اعلان کیا کہ اس نے ابوبکر کو پناہ دی ہے۔ قریش نے اس کی پناہ دہی کا انکار نہ کیا، البتہ یہ کہا کہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) سے کہو کہ وہ کھلم کھلا نہیں بلکہ اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کریں کیونکہ ہمیں اندیشہ ہے مبادا ہماری عورتیں، بچے اور کمزور لوگ فتنے میں پڑ جائیں، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کچھ عرصہ اس بات پر برقرار رہے، پھر انھوں نے اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنالی اور کھلے عام نماز پڑھنے اور قراءت کرنے لگے۔ اس پر ابن دغنہ نے اپنی پناہ دہی یاد دلائی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کی پناہ واپس کر دی اور فرمایا:

"میں اللہ کی پناہ میں راضی ہوں۔"

ابوبکر رضی اللہ عنہ بہت رونے والے آدمی تھے۔ قرآن پڑھتے تو آنکھوں پر قابو نہ رہتا، اُن کی قراءت سن کر مشرکین کی عورتیں اور بچے ٹوٹ پڑتے، وہ تعجب کرتے اور حیرت سے دیکھتے۔ مشرکین اس وجہ سے بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ایذائیں پہنچاتے تھے۔[2]

انھی سنگین حالات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان گزر رہے تھے کہ ایسے واقعات پیش آئے جن کے نتیجے میں قریش کے دو جانباز سرفروش مسلمان ہو گئے اور ان کی قوت کے

① قارہ ایک مشہور قبیلے کا نام ہے اور احابیش چند عرب قبائل کا مجموعہ ہے جنھیں حبشی نامی پہاڑ کے پاس باہمی تعاون کا معاہدہ کرنے کی وجہ سے احابیش کہا جاتا ہے۔ ② صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب هجرة النبي وأصحابه إلى المدينة، حديث: 3905.

سائے میں مسلمانوں نے بڑی راحت پائی۔ وہ ہیں رسول اللہ ﷺ کے چچا حمزہ بن عبدالمطلب اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام: ان کے اسلام لانے کا واقعہ یوں ہے کہ ایک دن ابوجہل کوہ صفا کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا تو اُس نے آپ کو ایذا پہنچائی۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے آپ ﷺ کے سر پر ایک پتھر بھی دے مارا جس سے خون بہہ نکلا، پھر وہ خانہ کعبہ کے پاس قریش کی ایک مجلس میں جا بیٹھا۔ عبداللہ بن جدعان کی ایک لونڈی کوہ صفا پر واقع اپنے مکان سے یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد حضرت حمزہ کمان حمائل کیے شکار سے واپس تشریف لائے تو اس نے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ حضرت حمزہ دوڑتے ہوئے ابوجہل کے سر پر جا سوار ہوئے اور بولے:

”ارے او! بادِ شکم چھوڑنے والے! تو میرے بھتیجے کو گالی دیتا ہے، حالانکہ میں بھی اسی کے دین پر ہوں۔“

اس کے بعد اسے اس زور سے کمان ماری کہ اس کے سر پر بدترین قسم کا زخم آ گیا۔ اس پر دونوں قبیلے بنومخزوم اور بنو ہاشم ایک دوسرے کے خلاف بھڑک اٹھے مگر ابوجہل نے یہ کہہ کر معاملہ ٹھنڈا کر دیا کہ ابوعمارہ، یعنی حضرت حمزہ کو جانے دو۔ میں نے واقعی اس کے بھتیجے کو بہت بری گالی دی تھی۔[1]

ظاہر ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا اسلام محض حمیت کے طور پر تھا۔ گویا کسی قصد و ارادے کے بغیر زبان سبقت کر گئی تھی لیکن پھر اللہ نے ان کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیا۔ وہ قریش کے بڑے معزز اور مضبوط جوان تھے، یہاں تک کہ ان کا لقب اسد اللہ (اللہ کا شیر) پڑ گیا۔ وہ ذی الحجہ سنہ 6 نبوت میں مسلمان ہوئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے تین ہی دن بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی مسلمان ہو گئے۔ وہ اسلام لانے سے پہلے مسلمانوں کے خلاف بہت ہی

[1] سیرت ابن هشام :292,291/1.

سخت گیر تھے۔ ایک رات رسول اللہ ﷺ خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چھپ کر چند آیتیں سن لیں۔ ان کے دل میں آیا کہ یہ حق ہے لیکن اپنے عناد پر قائم رہے، حتیٰ کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ کا کام تمام کرنے کی نیت سے تلوار لے کر نکل پڑے۔ راستے میں ایک آدمی سے ملاقات ہوگئی۔ اس نے پوچھا عمر! کہاں کا ارادہ ہے؟ بولے:[1]

”محمد کو قتل کرنے جا رہا ہوں۔“

اس نے کہا: ”محمد (ﷺ) کو قتل کر کے بنو ہاشم اور بنو زہرہ سے کیسے بچ سکو گے؟“

حضرت عمر نے کہا: ”معلوم ہوتا ہے کہ تم بھی بے دین ہو چکے ہو۔“

اس نے کہا: ”عمر! حیرت کی بات نہ بتاؤں۔ تمھارے بہن بہنوئی بھی تمھارا دین چھوڑ چکے ہیں۔“

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شدید غصے کی حالت میں بہن، بہنوئی کے گھر کا رخ کیا۔ وہاں حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سورۂ طٰہٰ پر مشتمل ایک صحیفہ پڑھا رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آہٹ سنی تو وہ گھر کے اندر چھپ گئے اور ان کی بہن نے صحیفہ چھپا دیا۔ اندر پہنچے تو پوچھا: ”یہ کیسی بھنبھناہٹ تھی جو میں نے تم لوگوں کی زبانی سنی؟“

انھوں نے کہا: ”کچھ بھی نہیں، بس ہم آپس میں باتیں کر رہے تھے۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ”غالباً تم دونوں بے دین ہو چکے ہو۔“

بہنوئی نے کہا: ”اچھا عمر! یہ بتاؤ کہ اگر حق تمھارے دین کے ماسوا میں ہو تو؟“

اتنا سننا تھا کہ حضرت عمر اپنے بہنوئی پر چڑھ بیٹھے اور انھیں بری طرح کچل دیا۔ بہن نے لپک کر انھیں اپنے شوہر سے الگ کیا تو بہن کو ایسا چانٹا مارا کہ چہرہ خون آلودہ ہوگیا۔

بہن نے جوش غضب میں کہا: ”عمر! اگر حق تیرے دین کے ماسوا میں ہو تو؟“

[1] تاریخ عمر بن الخطاب از ابن جوزی: 6/10،9 اور اسی کے قریب قریب سیرت ابن ہشام: 1/346،348 میں ہے۔

«أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ»

''میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور میں گواہی دیتی ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں ﷺ۔''

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مایوسی وندامت ہوئی اور انھوں نے کہا:

''تمھارے پاس جو کتاب ہے ذرا مجھے بھی دو، میں بھی پڑھوں۔''

بہن نے کہا: ''تم ناپاک ہو۔ اور اسے صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔ اٹھو! غسل کرو۔''

انھوں نے غسل کیا، پھر کتاب لی اور ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھی۔ کہنے لگے: ''یہ تو بڑے پاکیزہ نام ہیں۔''

اس کے بعد سورۂ طٰہٰ میں سے اس آیت تک قراءت کی:

﴿إِنَّنِيٓ أَنَا اللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّآ أَنَا۠ فَاعْبُدْنِي ۙ وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۝﴾[1]

کہنے لگے: ''یہ تو بڑا عمدہ اور بڑا محترم کلام ہے۔ مجھے محمد کا پتہ بتاؤ۔''

یہ سن کر حضرت خباب رضی اللہ عنہ باہر آ گئے کہنے لگے:

''عمر! خوش ہو جاؤ۔ مجھے امید ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعرات کی رات تمھارے متعلق جو دعا کی تھی (کہ اے اللہ! عمر بن خطاب اور ابوجہل بن ہشام میں سے جو تیرا محبوب ہو اس کے ذریعے سے اسلام کو قوت پہنچا) یہ وہی ہے۔''

پھر بتلایا کہ ''اس وقت رسول اللہ ﷺ کوہ صفا کے پاس دار ارقم میں ہیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں سے نکل کر دار ارقم کے پاس آئے اور دروازے کو دستک دی۔ ایک آدمی نے دروازے سے جھانکا تو دیکھا کہ عمر تلوار حمائل کیے موجود ہیں۔ لپک کر رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی اور سب لوگ سمٹ کر یکجا ہو گئے۔ حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا کیا بات ہے؟

[1] طٰہٰ 14:20.

لوگوں نے کہا: ''عمر ہے۔'' حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''بس عمر ہے۔ دروازہ کھول دو۔ اگر وہ خیر کی نیت سے آیا ہے تو ہم اسے خیر عطا کریں گے اور اگر کوئی برا ارادہ لے کر آیا ہے تو اسی کی تلوار سے اس کا کام تمام کر دیں گے۔''

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف فرما تھے آپ پر وحی نازل ہو رہی تھی۔ وحی نازل ہو چکی تو اندر سے بیٹھک میں تشریف لائے اور تلوار سمیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کپڑا پکڑ کر سختی سے جھٹکتے ہوئے فرمایا:

«أَمَا تَنْتَهِي يَا عُمَرُ! حَتّٰى يُنْزِلَ اللّٰهُ بِكَ مِنَ الْخِزْيِ وَالنَّكَالِ مَا نَزَلَ بِالْوَلِيدِ بْنِ الْمُغِيرَةِ؟ اَللّٰهُمَّ هٰذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، اَللّٰهُمَّ أَعِزَّ الْإِسْلَامَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ»

''عمر! کیا تم اس وقت تک باز نہیں آؤ گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ تم پر بھی ویسی ہی ذلت و رسوائی اور عبرت ناک سزا نازل نہ فرما دے جیسی ولید بن مغیرہ پر نازل ہو چکی ہے۔ یا اللہ! یہ عمر بن خطاب ہے۔ یا اللہ! اس عمر بن خطاب کے ذریعے سے اسلام کو عزت و قوت عطا فرما۔''

حضرت عمر نے کہا: «أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ»

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔''

اس پر گھر کے اندر موجود صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس زور سے تکبیر کہی کہ اس کی گونج مسجد حرام والوں تک پہنچ گئی۔[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام پر مشرکین کا ردعمل حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس قدر شہ زور تھے کہ کوئی ان کا رخ نہ کرتا تھا، چنانچہ جب وہ مسلمان ہوئے تو قریش کا جو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] سیرت ابن ہشام: 1/343-346، وتاریخ عمر بن الخطاب، ص: 11,10,7.

کی عداوت اور مسلمانوں کی ایذا رسانی میں سب سے سخت تھا، یعنی ابوجہل، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے پاس گئے اور دروازے کو دستک دی۔ وہ باہر آیا اور دیکھ کر بولا:

«أَهْلًا وَ سَهْلًا» ”خوش آمدید۔ کیسے آنا ہوا؟“

بولے: ”اس لیے آیا ہوں کہ تمھیں بتاؤں کہ میں اللہ اور اس کے رسول محمد پر ایمان لا چکا ہوں۔“

یہ سنتے ہی اس نے دروازہ بند کرتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: ”اللہ تیرا برا کرے اور جو کچھ تو لے کر آیا ہے اس کا بھی برا کرے۔“ [1]

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے ماموں عاصی بن ہاشم کے پاس گئے اور اسے بتلایا تو وہ گھر کے اندر گھس گیا۔ [2]

اس کے بعد جمیل بن معمر جمحی کے پاس گئے۔ یہ شخص کسی بات کا ڈھول پیٹنے میں پورے قریش میں سب سے ممتاز تھا۔ اسے بتایا کہ ”میں مسلمان ہو گیا ہوں“ تو اس نے بلند آواز سے چیخ کر کہا: ”خطاب کا بیٹا بے دین ہو گیا ہے۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ جھوٹ کہتا ہے۔ ”میں مسلمان ہو گیا ہوں۔“ یہ سن کر لوگ ان پر ٹوٹ پڑے۔ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو مار رہے تھے اور لوگ حضرت عمر کو مار رہے تھے۔ یہاں تک کہ سورج سروں پر آ گیا اور حضرت عمر تھک کر بیٹھ گئے۔ [3]

اس کے بعد جب گھر واپس ہوئے تو مشرکین نے اس ارادے سے جمع ہو کر ان کے گھر کا رخ کیا کہ انھیں جان سے مار ڈالیں۔ ان کا ریلا اتنا زبردست تھا کہ وادی گونج اٹھی تھی۔ اسی اثنا میں عاص بن وائل سہمی آ گیا۔ بنو سہم حضرت عمر کے قبیلے بنو عدی کے حلیف تھے۔ وہ دھاری دار یمنی چادر کا جوڑا اور ریشمی گوٹے سے آراستہ کرتہ زیب تن کیے ہوئے تھا۔ اس

[1] سیرت ابن هشام :1/350,349. [2] تاریخ عمر بن خطاب، ص: 8. [3] ابن حبان (مرتب): 16/9، وسیرت ابن هشام:1/349,348، والمعجم الأوسط للطبراني: 172/2 حديث: 1315و تاریخ عمر بن الخطاب، ص: 8.

نے پوچھا کیا بات ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں مسلمان ہو گیا ہوں، اس لیے آپ کی قوم مجھے قتل کرنا چاہتی ہے۔'' عاص نے کہا: ''یہ ممکن نہیں۔''

اس کے بعد وہ باہر نکلا، دیکھا کہ لوگوں کے ریلے سے وادی گونج رہی ہے۔ پوچھا: ''کہاں کا ارادہ ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ خطاب کا بیٹا بے دین ہو گیا ہے۔'' عاص نے کہا: ''اس کی طرف کوئی راہ نہیں۔'' (تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے) یہ سنتے ہی لوگ واپس پلٹ گئے۔[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام سے اسلام اور مسلمانوں کی عزت جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے انھوں نے بڑی عزت وقوت محسوس کی۔ اس سے پہلے مسلمان چھپ کر نماز پڑھتے تھے۔ وہ مسلمان ہوئے تو انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم حق پر نہیں ہیں، خواہ زندہ ہیں، خواہ مردہ؟

آپ نے فرمایا: «بَلٰی» ''کیوں نہیں۔''

انھوں نے کہا: ''پھر چھپنا کیسا۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، ہم ضرور نکلیں گے۔''

چنانچہ مسلمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمراہ لے کر دو صفوں میں نکلے، ایک میں حضرت حمزہ اور ایک میں حضرت عمر رضی اللہ عنہما تھے۔ ان کے چلنے سے چکی کے آٹے کی طرح ہلکا ہلکا غبار اڑ رہا تھا، یہاں تک کہ یہ حضرات مسجد حرام میں جا داخل ہوئے۔ قریش نے دیکھا تو ان کے دلوں پر ایسی چوٹ لگی کہ اب تک نہ لگی تھی۔ اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا لقب فاروق پڑ گیا۔[2]

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب سے حضرت عمر نے اسلام قبول کیا، ہم برابر طاقتور اور باعزت رہے۔[3] انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ ہم خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھنے پر قادر نہ تھے، یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کا ارشاد

① صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب إسلام عمر.....، حديث:3864. ② تاريخ عمر بن الخطاب، ص:7,6. ③ صحيح البخاري، الفضائل، باب مناقب عمر بن الخطاب، حديث:3684.

ہے: ”جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو اسلام ظاہر ہوا۔ اس کی علانیہ دعوت دی گئی۔ ہم حلقے لگا کر بیت اللہ کے گرد بیٹھے اور اس کا طواف کیا اور جس نے ہم پر سختی کی اس سے انتقام لیا اور اس کے بعض مظالم کا جواب دیا۔“[1]

پرکشش مرغوبات کی پیشکش حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے مسلمان ہو جانے کے بعد جب مشرکین نے مسلمانوں کی قوت وشوکت دیکھی تو باہم مشورے کے لیے اکٹھے ہوئے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے بارے میں مناسب قدم اٹھا سکیں۔ ان سے عتبہ بن ربیعہ نے، جو بنی عبد شمس سے تعلق رکھتا تھا اور اپنی قوم کا سردار وصاحب فرمان تھا، کہا: ”قریش کے لوگو! کیوں نہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جا کر ان سے گفتگو کروں اور اُن کے سامنے چند باتیں رکھوں۔ ممکن ہے وہ کوئی چیز قبول کر لیں تو وہ چیز ہم انھیں دے دیں گے اور وہ ہم سے باز رہیں گے۔“

لوگوں نے کہا: ”ٹھیک ہے ابوالولید! آپ جائیے اور ان سے بات کیجیے۔“

اس کے بعد عتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ آپ مسجد میں تنہا بیٹھے تھے۔ اس نے کہا: ”بھتیجے! ہماری قوم میں تمھارا جو مرتبہ ومقام ہے وہ تمھیں معلوم ہے۔ تم حسب ونسب کے لحاظ سے ہمارے بہترین آدمی ہو اور اب تم اپنی قوم کے پاس ایک بڑا معاملہ لے کر آئے ہو، جس کی وجہ سے تم نے ان کا شیرازہ بکھیر دیا ہے۔ ان کی عقلوں کو حماقت زدہ قرار دیا ہے، ان کے معبودوں اور ان کے دین کی عیب چینی کی ہے اور ان کے گزرے ہوئے آباء واجداد کو کافر ٹھہرایا ہے، لہٰذا میری بات سنو! میں چند باتوں کی پیش کش کرتا ہوں۔ ان پر غور کرو، ہوسکتا ہے تم ان میں سے کوئی چیز قبول کر لو۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«قُلْ يَا أَبَا الْوَلِيدِ! أَسْمَعْ» ”ابوالولید! کہو، میں سنوں گا۔“

اس نے کہا: ”بھتیجے! یہ معاملہ جسے تم لے کر آئے ہو اگر اس سے تم چاہتے ہو کہ مال حاصل کرو تو ہم تمھارے لیے اتنا مال جمع کیے دیتے ہیں کہ تم ہم میں سب سے زیادہ مالدار

[1] تاریخ عمر بن الخطاب، ص: 13.

ہو جاؤ۔ اور اگر تم اعزاز و مرتبہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو ہم تمھیں اپنا سردار بنا لیتے ہیں، یہاں تک کہ تمھارے بغیر کسی معاملے کا فیصلہ نہ کریں گے۔ اور اگر تم چاہتے ہو کہ بادشاہ بن جاؤ تو ہم تمھیں اپنا بادشاہ بنائے لیتے ہیں۔ اور اگر تمھارے اندر خواہش نفس ہے تو قریش کی جو عورت چاہو منتخب کر لو، ہم دس عورتوں سے تمھاری شادی کیے دیتے ہیں۔[1] اور یہ جو تمھارے پاس آتا ہے اگر وہ کوئی جن بھوت ہے جسے تم دفع نہیں کر سکتے تو ہم تمھارے لیے اس کا علاج فراہم کیے دیتے ہیں۔ اور اس پر اتنا مال خرچ کرنے کو تیار ہیں کہ تم شفایاب ہو جاؤ کیونکہ کبھی کبھی کوئی جن بھوت انسان پر اس قدر غالب آ جاتا ہے کہ اس کا علاج کرانا پڑتا ہے۔‘‘

نبی ﷺ نے فرمایا:

«أَوَ قَدْ فَرَغْتَ يَا أَبَا الْوَلِيدِ!» ’’کیا ابو الولید! تم اپنی بات کہہ چکے؟‘‘

اس نے کہا: ’’ہاں۔‘‘ آپ نے فرمایا: «فَاسْمَعْ مِنِّي» ’’اب میری بات سنو!‘‘

اس نے کہا: ’’ٹھیک ہے سنوں گا۔‘‘

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿حٰمٓ ○ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ○ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ○﴾

’’شروع اللہ کے نام سے جو مہربان اور رحم کرنے والا ہے حٰمٓ یہ رحمٰن و رحیم کی

[1] سیرت ابن هشام:1/294,293، والمعجم الصغير للطبراني:1/265، وابن كثير: 4/116، تفسير سورة فصلت:41:1-13۔ ایسی ہی پیش کشوں پر آپ نے فرمایا کہ ’’اگر وہ میرے دائیں ہاتھ پر سورج لا کر رکھ دیں اور بائیں پر چاند (مجھے مال و دولت سے لاد دیں) پھر بھی میں اپنا مشن نہیں چھوڑوں گا مگر یہاں پیش کشوں کا ذکر ہے، جواب کا نہیں۔ (مبارکپوری)

طرف سے نازل کی ہوئی ایسی کتاب ہے، جس کی آیتیں کھول کھول کر بیان کر دی گئی ہیں۔ (بزبانِ) عربی قرآن، ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہے۔ لیکن اکثر لوگوں نے اعراض کیا اور وہ سنتے نہیں۔ کہتے ہیں کہ جس چیز کی طرف تم بلاتے ہو اس کے لیے ہمارے دلوں پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے۔ اور ہمارے اور تمھارے درمیان روک ہے۔ پس تم کام کیے جاؤ، ہم بھی (اپنا) کام کیے جا رہے ہیں۔''[1]

رسول اللہ ﷺ آگے پڑھتے گئے اور عتبہ اپنے دونوں ہاتھ پیچھے زمین پر ٹیکے سنتا رہا۔ جب آپ اس آیت پر پہنچے:

﴿فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِّثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ ۝﴾

''پس اگر وہ روگردانی کریں تو تم کہہ دو کہ میں تمھیں عاد وثمود کی کڑک جیسی ایک کڑک کے خطرے سے آگاہ کر رہا ہوں۔''[2]

تو عتبہ نے اپنا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے منہ پر رکھ دیا اور اللہ اور قرابت کا واسطہ دے کر کہا کہ ''ایسا نہ کریں۔'' اسے ڈر تھا کہ مبادا یہ عذاب آ پڑے۔ اس نے کہا: ''اتنا کافی ہے۔''

پھر جب رسول اللہ ﷺ آیتِ سجدہ پر پہنچے تو سجدہ کیا، پھر فرمایا:

«سَمِعْتَ يَا أَبَا الْوَلِيدِ؟» ''ابوالولید! تم نے سن لیا۔''

اس نے کہا: ''ہاں! میں نے سن لیا۔''

آپ نے فرمایا: «فَأَنْتَ وَذَاكَ» ''اب تم ہو اور وہ ہے۔''

عتبہ اٹھا اور سیدھا اپنے ساتھیوں کا رخ کیا۔ انھوں نے آپس میں کہا: ''واللہ! عتبہ وہ چہرہ لے کر نہیں آ رہا جو لے کر گیا تھا۔'' پھر جب عتبہ ان کے درمیان آ بیٹھا تو انھوں نے کہا: ''ابوالولید! پیچھے کی کیا خبر ہے؟ اس نے کہا:

''پیچھے کی خبر یہ ہے کہ میں نے ایک ایسا کلام سنا ہے کہ واللہ! میں نے ویسا کلام کبھی

[1] فصلت 41:1-5. [2] فصلت 41:13.

نہیں سنا۔ واللہ! نہ وہ شعر ہے، نہ جادو، نہ کہانت۔ قریش کے لوگو! میری بات مانو! اور اس معاملے کو مجھ پر چھوڑ دو۔ (میری رائے یہ ہے کہ) اس شخص کو اس کے حال پر چھوڑ کر الگ تھلگ بیٹھ رہو۔ اللہ کی قسم! میں نے اس کا جو قول سنا ہے اس سے زبردست واقعہ رونما ہو کر رہے گا۔ اب اگر اس شخص کو عرب نے مار ڈالا تو تمھارا کام دوسروں کے ذریعے سے انجام پا جائے گا۔ اور اگر یہ شخص عرب پر غالب آ گیا تو اس کی بادشاہت تمھاری بادشاہت اور اس کی عزت تمھاری عزت ہوگی اور اس کا وجود سب سے بڑھ کر تمھارے لیے سعادت کا باعث ہوگا۔"

لوگوں نے کہا: "ابو الولید! واللہ! اس نے تم پر بھی جادو کر دیا ہے۔"

اس نے کہا: "اس شخص کے بارے میں میری رائے یہی ہے۔ اب تم جو چاہو کرو۔"[1]

سودے بازیاں اور دست برداریاں تحریص وترغیب میں اس ناکامی کے بعد مشرکین نے سوچا کہ دین کے بارے میں سودے بازی کی جائے، چنانچہ انھوں نے آپ ﷺ سے کہا:

"ہم آپ کو ایک پیش کش کرتے ہیں جس میں آپ ہی کی بہتری ہے۔"

آپ نے پوچھا: «وَمَا هِيَ؟» "وہ کیا ہے؟"

انھوں نے کہا: "ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی پوجا کریں اور ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں۔ اب اگر ہم حق پر ہیں تو آپ نے اس سے ایک حصہ لے لیا اور اگر آپ حق پر ہیں تو ہم نے اس سے ایک حصہ لے لیا۔"

اس پر اللہ تعالیٰ نے سورت ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ نازل فرمائی:

﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ○ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ○ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ○ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ○ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ○ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ○﴾

"آپ کہہ دیں اے کافرو! میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی عبادت تم کرتے ہو،

[1] سیرت ابن هشام :294/1.

نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں۔ اور نہ میں ان کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی عبادت تم نے کی ہے اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں تمھارے لیے تمھارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین۔"[1]

اور یہ بھی نازل فرمایا: ﴿قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ○﴾

"اے جاہلو! کیا تم مجھے حکم دیتے ہو کہ میں اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کروں۔"[2]

اور یہ بھی نازل فرمایا:

﴿قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ﴾

"آپ کہہ دیں مجھے منع کیا گیا ہے کہ اللہ کے سوا جن کو تم پکارتے ہو میں ان کی عبادت کروں۔"[3]

مشرکین اختلاف ختم کرنے کے خواہاں تھے اور عتبہ بن ربیعہ نے جو امید ظاہر کی تھی، اس کی توقع بھی رکھتے تھے، لہٰذا انھوں نے مزید دست برداری کا اظہار کیا اور رسول اللہ ﷺ جو کچھ پیش فرما رہے تھے اسے قبول کرنے کا میلان بھی ظاہر کیا، البتہ آپ ﷺ کے پاس جو وحی آئی تھی اس میں قدرے تغیر وتبدل کی شرط لگائی۔ کہا:

﴿ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ﴾

"اس کے بجائے کوئی اور قرآن لائیے۔ یا اس میں تبدیلی کر دیجیے۔"[4]

اللہ نے آپ کو حکم دیا:

﴿قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ○﴾

"آپ کہہ دیں مجھے کوئی اختیار نہیں کہ میں اپنی طرف سے اس میں کوئی تبدیلی کروں۔ میں تو اسی بات کی پیروی کرتا ہوں جس کی وحی میری طرف کی جاتی ہے،

[1] الکافرون 109:1-6. [2] الزمر 39:64. [3] الأنعام 6:56. [4] یونس 10:15.

اگر میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو مجھے ایک بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے۔''[1]

نیز اللہ نے اس کی سنگینی پر آپ کو متنبہ کیا اور نبی ﷺ کے دل میں جو بعض خیالات گزر رہے تھے ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَإِن كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهُ ۖ وَإِذًا لَّاتَّخَذُوكَ خَلِيلًا ۝ وَلَوْلَا أَن ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدتَّ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا ۝ إِذًا لَّأَذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا ۝﴾

''اور بے شک قریب تھا کہ یہ لوگ آپ کو اس چیز کے متعلق فتنے میں ڈال دیتے جس کی وحی ہم نے آپ کی طرف کی ہے اور تب یقیناً یہ لوگ آپ کو گہرا دوست بنا لیتے۔ اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو آپ ان کی طرف تھوڑا سا جھک گئے ہوتے لیکن ایسی صورت میں ہم آپ کو زندگی کا دوگنا اور موت کا دوگنا (عذاب) چکھاتے، پھر آپ اپنے لیے ہمارے برخلاف کسی کو مددگار نہ پاتے۔''[2]

اس ٹھوس موقف سے مشرکین پر یہ بات واضح ہو گئی کہ نبی ﷺ واقعی دین کی دعوت دے رہے ہیں۔ آپ کوئی تاجر نہیں، جو قیمت کے بارے میں سودے بازی یا دست برداری قبول کر لیتا ہے، لہٰذا انھوں نے چاہا کہ ایک اور طریقے سے اس بات کو مزید پختہ کر لیں، چنانچہ انھوں نے یہود کے پاس نمائندے بھیجے کہ وہ نبی ﷺ کے بارے میں ان سے دریافت کریں۔ علمائے یہود نے کہا: ''اس سے تین باتیں پوچھو اگر وہ بتا دے تو واقعی نبی مُرسل ہے، ورنہ بناوٹی ہے۔''

''اس سے چند جوانوں کے بارے میں پوچھو جو زمانۂ اول میں گزر چکے ہیں کہ ان کا کیا واقعہ ہے کیونکہ ان کا بڑا عجیب واقعہ ہے اور اس سے ایک گردش کرنے والے آدمی کے

① یونس 10: 15، وسیرت ابن ھشام: 362/1، وتفسیر ابن جریر: 12-24/30، سورۃ الزمر، آیت: 64، تفسیر سورۃ الکافرون، والدر المنثور: 626/5، آیات مذکورہ۔ ② بنی إسراء یل 17: 73-75.

متعلق پوچھو جو زمین کے مشرق ومغرب تک پہنچا تھا کہ اس کی کیا خبر ہے۔ اور اس سے روح کے بارے میں پوچھو کہ وہ کیا ہے۔''

چنانچہ سردارانِ قریش نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ سوالات رکھے۔ جواب میں ''سورۂ کہف'' نازل ہوئی، جس میں ان جوانوں کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اور وہ اصحاب کہف ہیں۔ اور اس گردش کرنے والے آدمی کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اور وہ ذوالقرنین ہے۔ اس کے علاوہ ''سورۂ اسراء'' میں روح کے متعلق سوال کا جواب نازل ہوا، فرمایا گیا:

﴿ وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ۖ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَآ أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ﴾

''یہ لوگ آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیں روح میرے رب کے امر سے ہے اور تمھیں علم سے بہت تھوڑا (حصہ) دیا گیا ہے۔''[1]

یہ امتحان اس بات پر قریش کے مطمئن ہونے کے لیے کافی تھا کہ محمد ﷺ واقعی رسول برحق ہیں بشرطیکہ وہ حق چاہتے لیکن ان ظالموں نے کفر ہی کی راہ اپنائی۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جب ان پر حقائق واضح ہو گئے اور حق کھل گیا تو انھوں نے کچھ لچک ظاہر کی، چنانچہ انھوں نے نبی ﷺ کی بات سننے پر آمادگی کا اظہار کیا اور یہ بھی ظاہر کیا کہ ممکن ہے وہ اسے مان لیں اور قبول کر لیں لیکن یہ شرط لگائی کہ ان کے لیے مخصوص مجلس ہو جس میں کمزور مسلمان حاضر نہ ہوں، یعنی وہ غلام اور مساکین وہاں نہ آئیں جو پہلے مسلمان ہو چکے تھے، یہ مطالبہ کرنے والے مکہ کے سادات واشراف تھے۔ اُنھیں گوارا نہ تھا کہ ان مسکینوں کے ساتھ بیٹھیں جو اصحاب ایمان وتقویٰ ہونے کے باوجود کمزور اور غلام تھے۔

شاید نبی ﷺ ان کے اس مطالبے کو قبول کرنے پر کسی قدر آمادہ بھی ہوئے کہ ممکن ہے، اس طرح وہ ایمان لے آئیں لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو منع کر دیا اور فرمایا:

[1] بنی إسرآءیل 17:85.

ام ہانی کے گھر سے

ام ہانی کے گھر موجود تھے جو سفر ہوا کیا اسے اسرا کہتے ہیں۔
جب آپ کو معراج پر لے جایا گیا

﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○﴾

''جو لوگ اپنے رب کی مرضی چاہتے ہوئے اسے صبح وشام پکارتے ہیں، آپ انھیں (اپنی مجلس سے) نہ ہٹائیں۔ آپ پر ان کا کوئی حساب نہیں اور ان پر آپ کا کوئی حساب نہیں، آپ انھیں ہٹائیں گے تو ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔''[1]

عذاب کی جلدی نبی ﷺ نے بعض اوقات مشرکین کو یہ دھمکی بھی دی تھی کہ اگر وہ آپ ﷺ کی مخالفت پر مصر رہے تو اُن پر اللہ کا عذاب بھی آ سکتا ہے، چنانچہ جب اس عذاب میں تاخیر ہوئی تو انھوں نے مذاق اور ضد کے طور پر عذاب آنے کی جلدی مچائی شروع کی اور اس بات کا مظاہرہ کیا کہ ان پر اس دھمکی کا کوئی اثر ہے اور نہ یہ کبھی پوری ہو سکتی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں بھی چند آیات نازل کیں۔ فرمایا:

﴿وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ؕ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ○﴾

''یہ لوگ آپ سے عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں اور اللہ اپنے وعدے کی ہرگز خلاف ورزی نہ کرے گا اور بے شک تمھارے پروردگار کے نزدیک ایک دن تمھارے حساب کے مطابق ہزار برس کے برابر ہے۔''[2]

نیز فرمایا: ﴿يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ ۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ○﴾

''یہ لوگ آپ سے عذاب کی جلدی (کا مطالبہ) کر رہے ہیں، حالانکہ جہنم کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔''[3] مزید فرمایا:

﴿اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ

[1] الأنعام 52:6، وسیرت ابن ہشام: 301,299/1، تفسیر آیت مذکورہ از ابن جریر: 262/7/5، وابن کثیر: 183/2، والدر المنثور: 24/3. [2] الحج 47:22. [3] العنکبوت 54:29.

الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ○ أَوْ يَأْخُذَهُمْ فِي تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِينَ ○ أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَىٰ تَخَوُّفٍ فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ○﴾

''کیا جن لوگوں نے برے مکر کیے ہیں، وہ اس بات سے نڈر ہیں کہ اللہ انھیں زمین میں دھنسا دے، یا ان کے پاس ایسی جگہ سے عذاب آ جائے جسے وہ نہیں جانتے، یا ان کو ان کی آمد ورفت کے دوران دھر پکڑے کہ وہ عاجز کرنے والے نہیں ہیں، یا ان کو ڈراوے کے ساتھ پکڑ لے۔ تو بے شک تمھارا رب نرم خو ورحیم ہے۔''[1]

مشرکین کا ایک مخاصمتی حربہ یہ بھی تھا کہ وہ عناد کے طور پر اور عاجز کرنے کی غرض سے معجزات اور خرق عادت نشانیاں طلب کرتے تھے۔ اللہ نے اس بارے میں وحی نازل کر کے اپنی سنت بیان کر دی اور ان کی حجت کا خاتمہ کر دیا۔ آئندہ صفحات میں ان شاء اللہ اس کا بھی کسی قدر بیان آئے گا۔

یہ وہ طرح طرح کی کوششیں تھیں جن کے ذریعے سے مشرکین نے نبی ﷺ کی رسالت اور دعوت کا مقابلہ کیا اور ان سب کو پہلو بہ پہلو آزمایا۔ وہ ایک حالت سے دوسری حالت اور ایک دور سے دوسرے دور کی طرف پلٹتے رہتے تھے۔ سختی سے نرمی کی طرف تو نرمی سے سختی کی طرف، جھگڑے سے سودے بازی کی طرف تو سودے بازی سے جھگڑے کی طرف، ترہیب سے ترغیب کی طرف تو ترغیب سے تخویف کی طرف، وہ بھڑکتے، پھر ڈھیلے پڑ جاتے، حجت بازی کرتے، پھر روا داری برتتے، خم ٹھونک کر للکارتے پھر پچھ لو پچھ دو پر اتر آتے، دھمکیاں دیتے، پھر مرغوبات پیش کرتے، گویا وہ ایک قدم آگے بڑھتے، ایک قدم پیچھے ہٹتے، انھیں قرار تھا نہ وہ فرار پسند کرتے تھے۔ ان سب کا مقصود یہ تھا کہ اسلام کی دعوت روک دی جائے اور کفر کا بکھرا ہوا شیرازہ پھر سے جڑ جائے لیکن وہ ساری کوشش کر کے بھی ناکام ونامراد ہی رہے۔ اب ان کے سامنے صرف ایک ہی راستہ رہ گیا تھا اور وہ تھی تلوار لیکن تلوار سے شیرازہ اور زیادہ منتشر ہوتا بلکہ ایسی خونریزی شروع ہو سکتی تھی جو ان

[1] النحل 16:45-47.

کی جڑ ہی کاٹ کر رکھ دیتی، اس لیے انھیں حیرت تھی کہ وہ کریں تو کیا کریں۔

جہاں تک ابو طالب کا تعلق ہے تو ان کے سامنے جب مشرکین کا یہ مطالبہ آیا کہ وہ نبی ﷺ کو قتل کرنے کے لیے ان کے حوالے کر دیں، پھر انھیں مشرکین کی نقل وحرکت سے یہ محسوس ہوا کہ وہ آپ ﷺ کو قتل کرنے کے عزائم رکھتے ہیں، مثلاً: ابو جہل، عقبہ بن ابومعیط اور عمر بن خطاب کے اقدامات۔ تو انھوں نے بنو ہاشم اور بنو المطلب کو اکٹھا کر کے انھیں نبی ﷺ کی حفاظت کی دعوت دی۔ جس پر ان کے مسلم وکافر سب نے لبیک کہا اور خانہ کعبہ کے پاس اس کا عہد و پیمان کیا۔ صرف ابولہب نے اپنی علیحدہ راہ اختیار کی اور ان سے الگ ہو کر قریش کے ساتھ ہو گیا۔[1]

مکمل بائیکاٹ مشرکین کی حیرت اور بڑھ گئی کیونکہ ان کی ساری تدبیریں بے کار ثابت ہوئیں اور وہ سمجھ گئے کہ بنو ہاشم اور بنو المطلب، خواہ کچھ بھی ہو، نبی ﷺ کی حفاظت کا مصمم عزم کیے ہوئے ہیں، لہٰذا وہ اس صورتِ حال پر غور اور اس کے متعلق فیصلہ کرنے کے لیے خیف بنی کنانہ میں جمع ہوئے اور سر جوڑ کر مشورہ کیا، بالآخر ایک ظالمانہ حل سمجھ میں آ گیا اور اسی پر آپس میں عہد و پیمان کر لیا۔ وہ حل یہ تھا:

”وہ لوگ بنو ہاشم اور بنو المطلب کا بائیکاٹ کریں اور یہ عہد کریں کہ ان کے ساتھ نہ شادی بیاہ کریں گے، نہ ان سے خرید وفروخت کریں گے، نہ ان سے بات چیت کریں گے، نہ کبھی کسی طرح کی کوئی صلح قبول کریں گے، نہ ان کے ساتھ کسی طرح کی مروت برتیں گے۔ یہاں تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کے لیے ان کے حوالے کر دیں۔“

قریش نے اس قرارداد پر باہم عہد و پیمان کیا اور اس کے متعلق ایک صحیفہ لکھ کر خانہ کعبہ کے اندر لٹکا دیا۔ لکھنے والا بغیض بن عامر بن ہاشم تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے بددعا کی اور اس کا ہاتھ یا ہاتھ کی بعض انگلیاں شل ہو گئیں۔[2]

[1] سیرت ابن ہشام: 269/1. [2] زاد المعاد: 46/2، نیز دیکھیے صحیح البخاري، الحج، باب نزول النبي ﷺ مكة، حديث: 1690.

اس کے بعد ابو لہب کو چھوڑ کر سارے بنو ہاشم اور بنو المطلب، خواہ مسلم ہوں یا کافر، شعب ابو طالب میں سمٹ آئے۔ ان کا دانہ پانی بند کر دیا گیا اور تاجروں کو ان کے ساتھ لین دین سے منع کر دیا گیا، چنانچہ یہ لوگ سخت مشقت میں پڑ گئے، یہاں تک کہ درختوں کے پتے اور چمڑے کھائے، فاقوں پر فاقے کیے، حتیٰ کہ عورتوں اور بچوں کے بھوک سے بلکنے کی آوازیں باہر سے سنی جاتی تھیں۔ ان کے پاس کوئی چیز پہنچ نہیں سکتی تھی۔ اگر پہنچتی بھی تھی تو چھپ چھپا کر، چنانچہ حکیم بن حزام اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے کبھی کبھی گیہوں بھجوا دیتا تھا۔ یہ لوگ گھاٹی سے صرف حرام مہینوں (حرمت کے مہینے) ہی میں باہر نکلتے اور باہر سے آئے ہوئے قافلوں سے کچھ خرید وفروخت کرتے تھے لیکن اہلِ مکہ ان کے سامان کی قیمت اس قدر بڑھا کر لگا دیتے تھے کہ یہ لوگ خرید نہ سکیں۔

ادھر رسول اللہ ﷺ ان ساری سختیوں کے باوجود اللہ کی طرف مسلسل دعوت دے رہے تھے، بالخصوص ایامِ حج میں جبکہ عرب قبائل ہر چہار جانب سے مکہ آتے تھے۔

صحیفہ چاک اور بائیکاٹ ختم کوئی تین برس بعد اس ظلم کے خاتمے کا وقت آیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایک طرف پانچ ''اشراف قریش'' کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ وہ صحیفہ چاک کر کے بائیکاٹ ختم کر دیں اور دوسری طرف دیمک بھیج کر اس صحیفے سے قطع رحمی اور ظلم وستم کی ساری باتیں چٹ کرا دیں اور صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا نام اور ذکر باقی رہ گیا۔

پانچ ''اشراف قریش'' میں سے پہلا ہشام بن عمرو بن حارث تھا جو بنو لؤی سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ شخص زہیر بن ابو امیہ مخزومی کے پاس گیا، جو نبی ﷺ کی پھوپھی عاتکہ کا بیٹا تھا، پھر مطعم بن عدی کے پاس گیا، پھر ابو البختری بن ہشام کے پاس گیا، پھر زمعہ بن اسود کے پاس گیا اور ان میں سے ہر ایک کو رشتہ وقرابت یاد دلائی۔ ظلم ہوتا دیکھنے پر ملامت کی اور صحیفہ چاک کرنے پر ابھارا، لہٰذا یہ سب حجون کے ناکے پر جمع ہوئے اور صحیفہ چاک کرنے کے لیے ایک متفقہ پروگرام طے کیا۔

چنانچہ صبح کو جب قریش کی محفلیں مسجد حرام میں جم گئیں تو زہیر ایک خوبصورت جوڑا

زیب تن کیے ہوئے آیا۔ اس نے پہلے بیت اللہ کا طواف کیا، پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر بولا:

”مکے والو! کیا ہم کھانا کھائیں، کپڑے پہنیں اور بنو ہاشم تباہ و برباد ہوں، نہ وہ بیچ سکیں، نہ خرید سکیں۔ واللہ! میں بیٹھ نہیں سکتا یہاں تک کہ اس ظالمانہ اور قرابت شکن صحیفے کو چاک کر دیا جائے۔“

ابوجہل نے کہا: ”تم غلط کہتے ہو، واللہ! اسے چاک نہیں کیا جا سکتا۔“

زمعہ نے کہا: ”واللہ! تم زیادہ غلط کہتے ہو۔ یہ جب لکھا گیا تھا تب بھی ہم اس کے لکھنے پر راضی نہ تھے۔“

اس پر ابوالبختری نے کہا: ”زمعہ ٹھیک کہتا ہے۔ اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے ہم راضی ہیں، نہ اسے ماننے کو تیار ہیں۔“

اب مُطعِم بن عدی کی باری تھی اس نے کہا: ”تم دونوں ٹھیک کہتے ہو اور جو اس کے خلاف کہتا ہے غلط کہتا ہے۔ ہم اس صحیفے اور اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے، اس سے اللہ کے حضور براءت کا اظہار کرتے ہیں۔“

پھر ہشام بن عمرو نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

یہ ماجرا دیکھ کر ابوجہل نے کہا: ”یہ بات رات کو طے کی گئی ہے اور اس کا مشورہ کہیں اور کیا گیا ہے۔“

اس دوران ابو طالب بھی مسجد کے ایک گوشے میں موجود تھے۔ وہ یہ بتلانے آئے تھے کہ نبی ﷺ نے اُنھیں خبر دی ہے کہ اللہ نے ان کے صحیفے پر دیمک مسلط کر دی ہے، جس نے ظلم و جور اور قطع رحمی کی ساری باتیں چٹ کر لی ہیں، صرف اللہ کا ذکر باقی چھوڑا ہے۔ اب اگر وہ جھوٹے ہیں تو ہم تمھارے اور ان کے درمیان سے ہٹ جاتے ہیں اور اگر سچے ہیں تو تم ہمارے بائیکاٹ اور ظلم سے باز آؤ۔ قریش نے کہا: ”آپ انصاف کی بات کہہ رہے ہیں۔“

تین سال گزر گئے اب بھی مطالبہ

ادھر مطعم بن عدی ابوجہل کا جواب دینے کے بعد اٹھا کہ صحیفہ چاک کرے تو کیا دیکھتا ہے کہ واقعی اسے کیڑوں نے کھالیا ہے۔ صرف «بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ» اور جہاں جہاں ''اللہ'' کا نام تھا، وہی باقی بچا ہے، لہٰذا نبی ﷺ نے جو خبر دی تھی، وہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی، جسے مشرکین نے اپنی آنکھوں سے دیکھا لیکن وہ اپنی گمراہی کے رویے پر برقرار رہے۔ بہرحال بائیکاٹ ختم ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھی گھاٹی سے باہر نکل آئے۔[1]

قریش کا وفد ابو طالب کے حضور بائیکاٹ کے خاتمے کے بعد صورت حال معمول پر آ گئی لیکن ابھی چند ہی مہینے گزرے تھے کہ ابوطالب بیمار پڑ گئے اور بیماری دن بہ دن بڑھتی اور سخت ہوتی گئی۔ عمر بھی اسی برس سے تجاوز کر چکی تھی۔ قریش نے محسوس کیا کہ وہ اس مرض سے جانبر نہ ہو سکیں گے، لہٰذا آپس میں مشورے کیے اور طے کیا کہ ابوطالب کے پاس چلیں، کہ وہ اپنے بھتیجے کو کسی بات کا پابند کر جائیں اور ہم سے بھی اس کے متعلق عہد لے لیں۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ اگر بوڑھا مر گیا اور ہم نے محمد ﷺ کے ساتھ کچھ کیا تو عرب ہمیں طعنہ دیں گے۔ کہیں گے کہ اسے چھوڑے رکھا، جب اس کا چچا مر گیا تو اس پر چڑھ دوڑے، چنانچہ یہ لوگ اٹھے اور ابوطالب کے پاس پہنچے اور ان سے مطالبہ کیا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کو ان کے معبودوں (کی مذمت) سے روکیں اِدھر ہم لوگ بھی آپ سے اور آپ کے معبود سے دست کش رہیں گے۔ اس پر ابوطالب نے آپ کو بلایا اور لوگوں نے جو بات کہی تھی، وہ پیش کی۔ آپ نے فرمایا:

«يَا عَمِّ! إِنِّي أُرِيدُهُمْ عَلٰى كَلِمَةٍ وَّاحِدَةٍ يَقُولُونَهَا، تَدِينُ لَهُمْ بِهَا الْعَرَبُ، وَ تُؤَدِّي إِلَيْهِمِ الْعَجَمُ الْجِزْيَةَ»

''چچا! میں ان سے صرف ایک بات چاہتا ہوں جس کے یہ قائل ہو جائیں تو عرب ان کے تابع فرمان بن جائیں اور عجم انھیں جزیہ ادا کریں۔''

[1] سیرت ابن ہشام 1/350,351,374,377، وزاد المعاد 2/46 وغیرہ۔

نبی ﷺ نے فرمایا میری امت کا فرعون (ابوجہل) نہیں پلٹا اور موسیٰ کی امت کا فرعون اللہ کی طرف جھک گیا تھا

یہ سن کر وہ سٹپٹا گئے، کہنے لگے: صرف ایک بات، تیرے باپ کی قسم! ہم ایسی دس باتیں ماننے کو تیار ہیں۔ وہ بات کیا ہے۔ آپ نے فرمایا:

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ اس پر وہ اپنے کپڑے جھاڑ کر یہ کہتے ہوئے اٹھ گئے:

﴿أَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ إِلٰهًا وَّاحِدًا ۖ إِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝﴾

''کیا اس نے سارے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنا ڈالا۔ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔''[1]

غم کا سال

ابو طالب کی وفات ابو طالب کا مرض بڑھتا گیا، یہاں تک کہ وقتِ رحلت آ گیا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے تو وہاں ابو جہل اور عبد اللہ بن ابو امیہ موجود تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَيْ عَمِّ! قُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، كَلِمَةً أُحَاجُّ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللّٰهِ»

''چچا جان! ''لا الٰہ الا اللہ'' کہہ دیجیے۔ بس ایک کلمہ۔ اس کے ذریعے سے میں اللہ کے حضور آپ کے لیے حجت پیش کروں گا۔''

ان دونوں نے کہا: ''ابو طالب! کیا عبد المطلب کی ملت سے اعراض کرو گے۔ اور ان سے برابر باتیں کرتے رہے، یہاں تک کہ آخری بات جو انھوں نے کہی یہ کہی کہ ''عبد المطلب کی ملت پر۔'' پھر اسی پر ان کا انتقال ہو گیا۔

نبی ﷺ نے فرمایا: «لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ أُنْهَ عَنْهُ»

''جب تک (اللہ کی طرف سے) روکا نہ گیا میں آپ کے لیے دعائے مغفرت کرتا

[1] صٓ 5:38، وسیرت ابن هشام: 419,417/1، وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة صٓ، حديث: 3232 (341/5) ومسند أبي يعلٰى، حديث: 2583، (456/4) وتفسير ابن جرير: 149/22/12، سورة ص، آيت: 1-7.

رہوں گا۔" اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ﴾

"نبی اور اہل ایمان کے لیے درست نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے دعائے مغفرت کریں، اگرچہ وہ قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں۔ جبکہ ان پر واضح ہو چکا ہے کہ وہ جہنمی ہیں۔"[1]

اور یہ آیت بھی نازل ہوئی: ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ﴾

"ایسا نہیں کہ آپ جسے پسند کریں اُسے ہدایت دیدیں۔"[2]

ان کی وفات رجب یا رمضان سنہ 10 نبوت میں شعب ابی طالب سے نکلنے کے چھ یا آٹھ ماہ بعد ہوئی۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے محافظ، بازو اور ایسا قلعہ تھے جہاں مکہ کے بڑوں اور بیوقوفوں کے حملوں سے بچاؤ کے لیے اسلامی دعوت نے پناہ لے رکھی تھی مگر وہ خود باپ دادا کی ملت پر قائم رہے، اس لیے پورے طور پر کامیاب نہ ہو سکے؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ اپنے چچا کے کیا کام آ سکے۔ جبکہ وہ آپ کی حفاظت کرتے تھے اور آپ کے لیے (دوسروں پر) بگڑتے تھے۔ آپ نے فرمایا:

«هُوَ فِي ضَحْضَاحٍ مِّنَ النَّارِ، وَلَوْ لَا أَنَا لَكَانَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ»

"وہ جہنم کی ایک اتھلی (سطحی) جگہ میں ہیں اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے سب سے گہرے کھڈ میں ہوتے۔"[3]

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا رحمتِ الٰہی کے جوار میں: ابو طالب کی وفات پر نبی ﷺ کا غم ابھی

[1] التوبہ 113:9. [2] القصص 56:28، وصحیح البخاري، مناقب الأنصار، باب قصة أبي طالب، حدیث:3884، نیز 1360و4675و4772و6681. [3] صحیح البخاري، مناقب الأنصار، باب قصة أبي طالب، حدیث:3883.

زائل نہ ہوا تھا کہ ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی وفات پا گئیں۔ ان کی وفات ابو طالب کی وفات کے دو مہینے یا صرف تین دن بعد رمضان سنہ 10 نبوت میں ہوئی۔[1] وہ اسلامی کاز کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وزیرۂ صادقہ تھیں۔ انھوں نے تبلیغِ رسالت میں آپ کو قوت پہنچائی، جان و مال سے آپ کی غمگساری کی اور اذیت و غم میں برابر کی شریک رہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«آمَنَتْ بِي حِينَ كَفَرَ بِي النَّاسُ، وَ صَدَّقَتْنِي حِينَ كَذَّبَنِي النَّاسُ، وَ أَشْرَكَتْنِي فِي مَالِهَا حِينَ حَرَمَنِي النَّاسُ، وَ رَزَقَنِي اللّٰهُ وَلَدَهَا وَ حَرَمَ وَلَدَ غَيْرِهَا»

"جس وقت لوگوں نے میرے ساتھ کفر کیا، وہ مجھ پر ایمان لائیں۔ جس وقت لوگوں نے مجھے جھٹلایا، انھوں نے میری تصدیق کی۔ جس وقت لوگوں نے مجھے محروم کیا، انھوں نے مجھے مال میں شریک کیا اور اللہ نے مجھے ان سے اولاد دی اور دوسری بیویوں سے کوئی اولاد نہ دی۔"[2]

ان کے فضائل میں آتا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

"یا رسول اللہ! یہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آ رہی ہیں، ان کے پاس ایک برتن ہے جس میں سالن، یا کھانا پانی ہے، جب وہ آپ کے پاس آ جائیں تو آپ انھیں ان کے رب کی طرف سے سلام کہیں اور جنت میں موتی کے ایک محل کی خوشخبری دیں جس میں نہ شور و شغب ہوگا، نہ درماندگی و تکان۔"[3]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ذکر فرماتے، ان کے لیے دعائے رحمت کرتے اور جب ان کا ذکر فرماتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر رقت طاری ہو جاتی۔ بکری ذبح کرتے تو ان کی سہیلیوں میں گوشت بھجواتے۔ ان کے بڑے فضائل و مناقب ہیں۔

① تلقیح، ص: 7 وغیرہ. ② مسند أحمد: 118/6. ③ صحیح البخاري، مناقب الأنصار، باب تزویج النبي ﷺ خدیجة......، حدیث: 3820.

غم ہی غم ابو طالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد نبی ﷺ پر مصائب کا تانتا بندھ گیا۔ ایک طرف مشرکین کی جسارت بڑھ گئی اور وہ کھل کر اذیت پہنچانے لگے۔ دوسری طرف نبی ﷺ ہر واقعے سے شدت کے ساتھ متاثر ہونے لگے، چاہے وہ پچھلے واقعات سے چھوٹا اور معمولی ہی کیوں نہ ہو۔ یہاں تک کہ قریش کے ایک ظالم نے آپ کے سر پر مٹی ڈال دی جسے آپ کی ایک صاحبزادی دھوتے ہوئے روتی جارہی تھیں تو آپ نے ان سے کہا: «لَا تَبْكِي يَا بُنَيَّةُ! فَإِنَّ اللّٰهَ مَانِعٌ أَبَاكَ»

"بیٹی! نہ رو۔ اللہ تمھارے باپ کی حفاظت کرے گا۔"

اور اسی دوران آپ یہ بھی فرماتے جارہے تھے:

«مَا نَالَتْ قُرَيْشٌ مِنِّي شَيْئًا أَكْرَهُهُ حَتّٰى مَاتَ أَبُو طَالِبٍ»

"قریش نے میرے ساتھ کوئی ایسی بدسلوکی نہ کی جو مجھے ناگوار گزری ہو، یہاں تک کہ ابو طالب کا انتقال ہو گیا۔"[1]

حضرت سودہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کی شادی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے تقریباً ایک ماہ بعد شوال سنہ 10 نبوت میں نبی ﷺ نے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ وہ پہلے اپنے چچیرے بھائی حضرت سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں۔ یہ دونوں سابقین اولین میں سے تھے۔ حبشہ کو ہجرت کی تھی، پھر مکہ پلٹ آئے تھے۔ مکہ ہی میں سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ جب حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی عدت پوری ہو گئی تو نبی ﷺ نے شادی کر لی۔ چند سال بعد حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دی۔[2]

اس کے ایک سال بعد شوال سنہ 11 نبوت میں آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ یہ شادی بھی مکہ ہی میں ہوئی۔ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ سال تھی۔

① سیرت ابن ہشام: 416/1. ② تلقیح، ص:7، وصحیح البخاري، الهبة، باب هبة المرأة لغير زوجها……، حدیث:2593.

تین سال بعد مدینہ پہنچ کر شوال سنہ 1 ہجری میں انھیں رخصت کیا گیا۔ اس وقت ان کی عمر نو برس تھی۔① یہ نبی ﷺ کی سب سے محبوب بیوی اور امت کی سب سے فقیہ خاتون تھیں۔ ان کے بڑے فضائل ومناقب ہیں۔

رسول اللہ ﷺ طائف میں

ان حالات میں نبی ﷺ نے طائف کا قصد فرمایا کہ ممکن ہے وہاں کے لوگ آپ کی دعوت قبول کر لیں یا آپ کو پناہ دیں اور آپ کی مدد کریں، چنانچہ آپ ﷺ طائف کے لیے پیدل چل کھڑے ہوئے۔ آپ کے ساتھ آپ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے۔ راستے میں جس کسی قبیلے سے گزر ہوتا، اسے اسلام کی دعوت دیتے۔ یوں طائف پہنچے اور قبیلہ ثقیف کے تین سرداروں کا جو آپس میں بھائی تھے، قصد فرمایا۔ انھیں اسلام کی دعوت دی اور تبلیغ اسلام پر اپنی مدد چاہی مگر انھوں نے اسے منظور نہ کیا بلکہ بہت بُرا جواب دیا۔ آپ نے انھیں چھوڑ کر دوسروں کا قصد کیا اور انھیں بھی اسلام لانے اور اپنی مدد کرنے کی دعوت دی۔ اس مقصد کے لیے ایک ایک سردار کے پاس تشریف لے گئے اور ہر ایک سے گفتگو کی اور اس کام میں دس دن گزار دیے لیکن کسی نے آپ کی بات نہ مانی بلکہ یہ کہا کہ ہمارے شہر سے نکل جاؤ اور اپنے بچوں، اوباشوں اور غلاموں کو شہ دے دی، چنانچہ جب آپ ﷺ نے واپسی کا قصد فرمایا تو انھوں نے آپ کے دونوں جانب لائن لگا کر گالیاں دینی اور بد زبانیاں کرنی شروع کیں، پھر پتھر برسانے لگے، جس سے آپ کی ایڑیاں اور پاؤں زخمی ہو گئے۔ جوتے خون سے تر ہو گئے۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جو آپ کو بچا رہے تھے ان کے سر پر کئی زخم آئے اور سفا کی کا یہ سلسلہ یہاں تک جاری رہا کہ آپ کو عتبہ اور شیبہ فرزندان ربیعہ کے ایک باغ میں پناہ لینی پڑی۔ یہ باغ طائف سے تین میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ جب آپ اس باغ میں داخل ہوئے تو بھیڑ واپس چلی گئی۔

① صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب تزويج النبي ﷺ عائشة، حديث:3894.

نبی ﷺ باغ کے اندر ایک دیوار سے ٹیک لگا کر انگور کی ایک بیل کے سائے میں بیٹھ گئے۔ جو کچھ پیش آیا تھا، اس سے دل فگار تھے، چنانچہ آپ نے ایک رقت انگیز دعا فرمائی جو "دعائے مستضعفین" کے نام سے مشہور ہے اور وہ یہ ہے:

«اَللّٰهُمَّ إِلَيْكَ أَشْكُو ضُعْفَ قُوَّتِي، وَ قِلَّةَ حِيلَتِي، وَ هَوَانِي عَلَى النَّاسِ، يَا أَرْحَمَ الرَّحِمِينَ! أَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِينَ، وَ أَنْتَ رَبِّي، إِلٰى مَنْ تَكِلُنِي؟ إِلٰى بَعِيدٍ يَتَجَهَّمُنِي، أَمْ إِلٰى عَدُوٍّ مَلَّكْتَهُ أَمْرِي؟ إِنْ لَّمْ يَكُنْ بِكَ عَلَيَّ غَضَبٌ فَلَا أُبَالِي، وَلٰكِنْ عَافِيَتُكَ هِيَ أَوْسَعُ لِي، أَعُوذُ بِنُورِ وَجْهِكَ الَّذِي أَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ، وَ صَلُحَ عَلَيْهِ أَمْرُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، مِنْ أَنْ يَنْزِلَ بِي غَضَبُكَ، أَوْ يَحِلَّ عَلَيَّ سَخَطُكَ، لَكَ الْعُتْبٰى حَتّٰى تَرْضٰى وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِكَ»

"بار الٰہی! میں تجھ ہی سے اپنی کمزوری و بے بسی اور لوگوں کے نزدیک اپنی بے قدری کا شکوہ کرتا ہوں۔ یا ارحم الراحمین! تو کمزوروں کا رب ہے اور تو ہی میرا بھی رب ہے۔ تو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے۔ کیا کسی بیگانے کے جو میرے ساتھ تندی سے پیش آئے، یا کسی دشمن کے جس کو تو نے میرے معاملے کا مالک بنا دیا ہے۔ اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں ہے تو کوئی پروا نہیں لیکن تیری عافیت میرے لیے زیادہ کشادہ ہے۔ میں تیرے چہرے کے اس نور کی پناہ چاہتا ہوں جس سے تاریکیاں روشن ہوگئیں اور جس پر دنیا اور آخرت کے معاملات درست ہوئے کہ تو مجھ پر اپنا غضب نازل کرے یا تیرا عتاب مجھ پر وارد ہو۔ تیری رضا مطلوب ہے یہاں تک کہ تو خوش ہو جائے اور تیرے بغیر کوئی زور اور طاقت نہیں۔"

ادھر ربیعہ کے بیٹوں نے آپ کو اس حالت میں دیکھا تو ان دونوں کو ترس آ گیا اور اپنے ایک عیسائی غلام عداس کے ہاتھ آپ کو انگور کا خوشہ بھیج دیا۔ نبی ﷺ نے "بسم اللہ"

کہہ کر لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا اور کھایا۔ اس پر عداس نے کہا: اس علاقے کے لوگ تو یہ کلمہ نہیں بولتے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مِنْ أَيِّ الْبِلَادِ أَنْتَ؟ وَمَا دِينُكَ؟»

''تم کس علاقے سے ہو اور تمھارا دین کیا ہے؟''

عداس نے کہا: ''نصرانی ہوں۔ اور نینویٰ کا باشندہ۔'' آپ نے فرمایا:

«مِنْ قَرْيَةِ الرَّجُلِ الصَّالِحِ يُونُسَ بْنِ مَتّٰى»

''مردِ صالح یونس بن متّٰی کی بستی کے۔''

اس نے کہا: ''آپ کو کیا معلوم یونس بن متّٰی کون ہیں؟'' آپ نے فرمایا:

«ذَاكَ أَخِي، كَانَ نَبِيًّا وَّ أَنَا نَبِيٌّ»

''وہ میرے بھائی ہیں، وہ بھی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔''

اور قرآن مجید سے یونس بن متّٰی کا واقعہ تلاوت فرمایا۔[1] کہا جاتا ہے کہ اسے سن کر عداس مسلمان ہو گئے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ باغ سے نکلے اور مکے کی راہ پر آگے بڑھے۔ آپ غم والم سے دل فگار تھے۔ ''قرنِ منازِل'' پہنچے تو ایک بادل نے سایہ کیا، جس میں حضرت جبریل علیہ السلام تھے اور ان کے ساتھ پہاڑوں کا فرشتہ تھا۔ آپ ﷺ نے سر اٹھایا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو پکارا اور عرض کیا کہ ''اللہ نے آپ کے پاس پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے، آپ اسے جو چاہیں حکم دیں۔ اس کے بعد پہاڑوں کے فرشتے نے سلام کیا اور کہا: ''اے محمد! بات یہی ہے، اب آپ جو چاہیں۔ اگر چاہیں تو میں انھیں دو پہاڑوں کے درمیان پیس دوں۔ یہاں دو پہاڑوں کے لیے ''أَخْشَبَيْن'' کا لفظ استعمال ہوا ہے، جو مکہ کے دو پہاڑ ابوقبیس اور اس کے سامنے والے پہاڑ کے لیے بولا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[1] سیرت ابن ھشام: 421,419/1.

«بَلْ أَرْجُو أَنْ يُخْرِجَ اللّٰهُ مِنْ أَصْلَابِهِمْ مَنْ يَعْبُدُ اللّٰهَ وَحْدَهُ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا»

''امید ہے کہ اللہ عزوجل ان کی پشت سے ایسی نسل پیدا کرے گا جو صرف ایک اللہ کی عبادت کرے گی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے گی۔''[1]

یہ مدد آئی تو رسول اللہ ﷺ کے دِل سے غم والم کے بادل چھٹ گئے۔ آپ نے مکے کے راستے پر مزید پیش رفت فرمائی تا آنکہ نخلہ میں جا فروکش ہوئے اور وہیں چند دن قیام فرمایا۔ اس دوران اللہ نے آپ کے پاس جنوں کی ایک جماعت بھیجی۔ اس وقت آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ اس جماعت نے قرآن سنا اور جب قرآن کی تلاوت ختم ہوگئی تو یہ اپنی قوم کے پاس عذابِ الٰہی سے ڈرانے والی بن کر واپس گئی کیونکہ یہ ایمان لا چکی تھی لیکن رسول اللہ ﷺ کو اس کے متعلق کچھ علم نہ ہوا، یہاں تک کہ اسبارے میں قرآن نازل ہوا۔ چند آیتیں سورۂ احقاف کی اور چند آیتیں سورۂ جن کی۔[2]

چند روز بعد رسول اللہ ﷺ نخلہ سے نکل کر مکہ روانہ ہوئے۔ آپ کو اللہ کی طرف سے کشادگی وفراخی کی امید تھی اور قریش کی طرف سے شر اور گرفت کا اندیشہ بھی، اس لیے آپ نے احتیاط پسند کی، چنانچہ مکے کے قریب پہنچ کر حرا میں ٹھہر گئے اور اخنس بن شریق کے پاس ایک آدمی بھیجا کہ وہ آپ کو پناہ دے دے مگر اس نے یہ معذرت کی کہ وہ حلیف ہے اور حلیف پناہ نہیں دے سکتا، پھر آپ نے سہیل بن عمرو کے پاس یہی پیغام بھیجا مگر اس نے بھی یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ اس کا تعلق بنو عامر بن لؤی سے ہے اور ان کی پناہ بنو کعب بن لؤی پر لاگو نہیں ہوتی۔ اب آپ نے مطعم بن عدی کے پاس پیغام بھیجا۔ مطعم کا دادا نوفل بن عبدمناف، نبی ﷺ کے جدّ اعلیٰ ہاشم بن عبد مناف کا بھائی تھا اور عبد مناف قبیلہ

[1] صحيح البخاري، بدء الخلق، باب إذا قال أحدكم، آمين والملائكة في السماء......، حديث:3231، وصحيح مسلم، الجهاد، باب مالقي النبيﷺ من أذى المشركين و المنافقين، حديث:1790.

[2] صحيح البخاري، الأذان، باب الجهر بقراءة صلاة الصبح، حديث:773.

قریش کی سب سے معزز شاخ تھی، چنانچہ مطعم نے جواب میں ہاں کہی اور خود اس نے اور اس کے بیٹوں نے ہتھیار بند ہو کر رسول اللہ ﷺ کو بلوا بھیجا۔ آپ تشریف لائے اور مسجد حرام میں داخل ہو کر پہلے خانہ کعبہ کا طواف کیا اور دو رکعت نماز پڑھی، پھر اپنے گھر تشریف لے گئے۔ اس دوران مُطعِم بن عدی اور اس کی اولاد نے مسلح ہو کر رسول اللہ ﷺ کو اپنے گھیرے میں لیے رکھا اور مطعم نے قریش میں اعلان کیا کہ اس نے محمد (ﷺ) کو پناہ دے رکھی ہے اور قریش نے اس کی اس پناہ کو منظور کیا۔[1]

مشرکین کی طرف سے نشانیوں کی طلب

مشرکین کے تقاضوں میں ایک بات یہ بھی تھی کہ وہ عاجز کرنے کے لیے عناد کے طور پر رسول اللہ ﷺ سے نشانیاں طلب کرتے تھے اور مختلف اوقات میں کئی بار انھوں نے یہ مطالبہ کیا، چنانچہ ایک بار وہ مسجد حرام میں جمع ہوئے، باہم مشورہ کیا، پھر نبی ﷺ کو بلا بھیجا کہ آپ کی قوم کے اشراف آپ سے بات کرنے کے لیے اکٹھے ہوئے ہیں۔ چونکہ نبی ﷺ ان کی رشد و ہدایت کے بہت زیادہ خواہشمند تھے، جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے:

﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰٓ اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝﴾

”اگر وہ لوگ اس بات پر ایمان نہ لائے تو شاید آپ ان کی خاطر اپنے آپ کو افسوس کے سبب ہلاک کر ڈالیں گے۔“[2]

چنانچہ آپ ﷺ ان کے اسلام لانے کی امید باندھے جلدی سے تشریف لائے۔ انھوں نے کہا: ”آپ ہمیں بتلاتے ہیں کہ پیغمبروں کے پاس نشانیاں تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے لاٹھی اور صالح علیہ السلام کے لیے اونٹنی تھی۔ عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ تو جس طرح پہلے لوگوں کو نشانیوں کے ساتھ بھیجا گیا تھا آپ بھی ہمارے پاس کوئی نشانی لائیں۔

وہ سمجھتے تھے کہ پیغمبروں کی خاصیت یہ ہے کہ وہ جب چاہیں اس طرح کے خرقِ عادت

[1] سیرت ابن ہشام: 381/1، وزاد المعاد: 47,46/2. [2] الکہف 6:18.

معجزات لانے پر اسی طرح قدرت رکھتے ہیں، جس طرح عام لوگ اپنے طبعی اعمال پر قدرت رکھتے ہیں،[1] چنانچہ انھوں نے اس مذکورہ مطالبے کے ساتھ ہی یہ تجویز بھی پیش کی کہ آپ صفا پہاڑ کو سونا بنا دیں یا پہاڑوں کو کہیں اور لے جائیں اور اس علاقے کو ہموار زمین میں تبدیل کر دیں اور اس میں نہر جاری کر دیں یا ہمارے جو آباء و اجداد گزر چکے ہیں اُنھیں زندہ کر دیں تا کہ وہ شہادت دیں کہ آپ رسول ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالُوا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۝ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ﴾

”اور انھوں نے کہا: ہم آپ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے، یہاں تک کہ آپ ہمارے لیے زمین سے چشمہ جاری کر دیں، یا آپ کے لیے کھجور اور انگور کا باغ ہو جس کے درمیان آپ نہریں بہا دیں، یا جیسا کہ آپ کہتے ہیں ہمارے اوپر آسمان ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دیں، یا اللہ اور فرشتوں کو (ہمارے) روبرو حاضر کر دیں، یا آپ کے لیے سونے کا گھر ہو، یا آسمان پر چڑھ جائیں اور ہم محض آپ کے چڑھنے کو بھی تسلیم نہیں کریں گے، یہاں تک کہ آپ ہم پر ایک کتاب اتاریں جسے ہم پڑھیں۔“[2]

انھوں نے اس مطالبے کے ساتھ یہ بھی واضح کیا کہ اگر نبی ﷺ ان کی یہ خواہش پوری کر دیں تو وہ اسلام لانے کے لیے تیار ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ﴾

”انھوں نے اپنی بھرپور قسموں کے ساتھ اللہ کی یہ قسم کھائی کہ اگر ان کے پاس کوئی

[1] جیسا کہ اولیاء کے بارے میں آج بھی لوگوں کا یہی عقیدہ ہے۔ [2] بنیٓ إسرآء یل 17:90-93.

نشانی آ گئی تو وہ اس پر ضرور ایمان لائیں گے۔"[1]

چنانچہ نبی ﷺ نے اللہ سے دعا کی کہ یہ جو طلب کر رہے ہیں، وہ دکھلا دے۔ آپ کو اُمید تھی کہ یہ لوگ مسلمان ہو جائیں گے۔ اس پر حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور آپ کو یہ اختیار دیا کہ آپ ایک بات چن لیں۔ جو کچھ یہ لوگ طلب کرتے ہیں انھیں دکھلا دیا جائے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس کے بعد اگر کسی نے کفر کیا تو اسے ایسا عذاب دیا جائے گا کہ پوری دنیا والوں میں سے کسی کو اس جیسا عذاب نہیں دیا جائے گا یا پھر ان کے لیے توبہ ورحمت کا دروازہ کھول دیا جائے (اور ان کی مطلوبہ چیز نہ دکھائی جائے) آپ نے فرمایا:

«بَلْ بَابَ التَّوْبَةِ وَالرَّحْمَةِ» "توبہ اور رحمت کا دروازہ ہی کھولا جائے۔"[2]

جب نبی ﷺ نے یہ پہلو اختیار کر لیا تو ان کی تجاویز کا جواب نازل ہوا۔

﴿قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا﴾

"آپ کہہ دیں میرا رب پاک ہے، میں تو اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک بشر رسول ہوں۔"[3]

مطلب یہ ہے کہ میں خوارق اور معجزات دِکھانے پر قادر نہیں ہوں کیونکہ اس کی قدرت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور وہ اس بات سے پاک ہے کہ اس کی قدرت میں کوئی اس کا شریک ہو اور میں تو محض تم جیسا بشر ہوں، لہٰذا مجھے معجزات دکھانے کی قدرت نہیں۔ ہاں تمھارے درمیان مجھے جو امتیاز حاصل ہے وہ یہ ہے کہ میں رسول ہوں۔ میرے پاس وحی آتی ہے اور تم لوگ نہ رسول ہو، نہ تمھارے پاس وحی آتی ہے۔ پس جو نشانیاں تم لوگوں نے مجھ سے طلب کی ہیں نہ وہ میرے ہاتھ میں ہیں، نہ میرے اختیار میں بلکہ ان کا معاملہ اللہ عزوجل کی طرف ہے۔ اگر وہ چاہے تو انھیں تمھارے لیے ظاہر فرما دے اور ان کے ذریعے سے تمھارے درمیان میری تائید کر دے اور اگر چاہے تو انھیں مؤخر کر دے اور تم لوگوں کی بہتری و مصلحت بہرحال اسی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی مطلب کی سورۂ انعام

[1] الأنعام 109:6. [2] مسند أحمد: 345,242/1. [3] بنی إسرآءیل 93:17.

میں بھی تاکید کی۔ فرمایا:

﴿قُلْ إِنَّمَا الْآيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ أَنَّهَآ إِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝﴾

”آپ کہہ دیں کہ نشانیاں تو بس اللہ کے پاس ہیں اور تمھیں کیا خبر کہ جب وہ آجائیں گی تو یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔“[1]

یعنی انبیاء ورسل، خوارق ومعجزات برپا نہیں کرتے بلکہ انھیں اللہ تعالیٰ برپا کرتا ہے، البتہ وہ انبیاء ورسل کی تکریم وتائید اور ان کی نبوت ورسالت کے اثبات کے لیے ان کے ہاتھ پر معجزات کا اظہار فرماتا ہے۔

پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ بات بیان فرمائی کہ یہ لوگ اگرچہ اپنی پوری قوت کے ساتھ قسم کھاتے ہیں کہ اگر انھوں نے نشانی دیکھ لی تو ضرور ایمان لائیں گے، حالانکہ اگر اللہ ان کو ان کی طلب کردہ نشانیاں دکھلا بھی دے تب بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ارشادِ باری ہے:

﴿وَلَوْ أَنَّنَا نَزَّلْنَآ إِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا إِلَّآ أَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ۝﴾

”اگر ہم ان کے پاس فرشتے اتار دیں اور ان سے مُردے باتیں کریں اور ہم ان کے روبرو ہر چیز اکٹھی کر لائیں تب بھی یہ ایمان لانے والے نہیں مگر یہ کہ اللہ ہی چاہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔“[2] اور فرمایا:

﴿وَلَوْ أَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ أَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْأَرْضُ أَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ۭ بَلْ لِّلّٰهِ الْأَمْرُ جَمِيْعًا ۭ أَفَلَمْ يَايْـَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا أَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ﴾

”اور اگر کوئی ایسا قرآن ہوتا کہ جس سے پہاڑ چلائے جاتے یا جس سے زمین کاٹ دی جاتی یا جس کے ذریعے سے مُردوں سے کلام کیا جاتا (تو بھی یہ ایمان لانے والے نہ تھے) حقیقت یہ ہے کہ سارے معاملات اللہ ہی کے اختیار میں

[1] الأنعام 109:6. [2] الأنعام 111:6

ہیں۔ کیا جو لوگ ایمان لائے ہیں انھوں نے (ابھی تک) یہ نہیں جانا کہ اگر اللہ چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت دیتا۔“[1]

ان آیات اور ان جیسی دیگر آیات میں اللہ نے اپنی ایک سنت کی طرف اشارہ فرمایا ہے: ”کوئی قوم جب کوئی معین نشانی طلب کرے اور وہ نشانی دکھلا دی جائے، پھر بھی ایمان نہ لائے تو پھر اسے ہلاک کر دیا جاتا ہے اور مہلت نہیں دی جاتی اور اللہ کی سنت میں تغیر وتبدل نہیں ہے اور اللہ کو معلوم ہے کہ بیشتر قریش نشانی دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہ لائیں گے، اس لیے اللہ نے ان کی تجویز کردہ نشانیوں میں سے کوئی نشانی نہیں دکھلائی۔“

شق القمر (چاند کا دو ٹکڑے ہونا) جب قریش نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی طلب کردہ مخصوص نشانیوں میں سے کوئی بھی نشانی پیش نہیں کی تو انھوں نے سمجھا کہ آپ کو عاجز اور خاموش کرنے کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ آپ سے نشانی طلب کی جائے۔ اس سے عوام کو بھی باور کرایا جا سکتا ہے کہ آپ رسول نہیں بلکہ سخن ساز ہیں، چنانچہ انھوں نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور طے کیا کہ آپ سے بلاتعین کوئی بھی نشانی طلب کی جائے تاکہ لوگوں پر آپ کی بے بسی واضح ہو جائے اور وہ آپ پر ایمان نہ لائیں، چنانچہ وہ لوگ آپ کے پاس آئے اور کہا:

”آخر کوئی نشانی بھی ہے جس سے ہم جان سکیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔“

اس پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب سے سوال کیا کہ انھیں کوئی بھی نشانی دکھلا دیں، چنانچہ اللہ نے یہ نشانی دکھلائی کہ ”چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔“ ایک ٹکڑا جبل ابوقُبیس کے اوپر اور ایک اس سے نیچے، یہاں تک کہ لوگوں نے حرا پہاڑ کو دونوں ٹکڑوں کے درمیان دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اِشْهَدُوا» ”گواہ رہو۔“![2]

قریش نے یہ نشانی کھلم کھلا واضح طور پر طویل دورانیے تک دیکھی، چنانچہ ان کے ہاتھوں کے توتے اڑ گئے اور وہ بھونچکا رہ گئے لیکن ایمان نہیں لائے۔ کہنے لگے:

[1] الرعد 13:31. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾، حديث: 4864.

''یہ ابو کبشہ کے بیٹے کا جادو ہے۔ ہم پر محمد نے جادو کر دیا ہے۔''

ایک آدمی نے کہا: ''اگر اس نے تم پر جادو کر دیا ہے تو سارے لوگوں پر نہیں کر سکتا، مسافروں کا انتظار کرو۔'' مسافر آئے، ان سے پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ ''ہاں! ہم نے بھی دیکھا ہے۔''[1] لیکن قریش اپنے کفر پر مصر رہے اور اپنی خواہشات ہی کی پیروی کی۔ اور غالباً ''شق قمر'' کا یہ واقعہ اس سے بھی بڑے اور اہم واقعے ''اسراء ومعراج'' کی تمہید تھا کیونکہ یوں کھلی آنکھوں چاند کو پھٹا دیکھ لینے سے ''اسراء ومعراج'' کا امکان بھی عام ذہن کے لیے قابل قبول ہو سکتا ہے۔ واللہ أعلم.

اسراء اور معراج

''اسراء'' سے مراد ہے: ''راتوں رات نبی ﷺ کا مکہ سے بیت المقدس تشریف لے جانا'' اور ''معراج'' سے مراد ہے ''عالم بالا میں تشریف لے جانا۔'' یہ واقعہ جسم اور روح سمیت پیش آیا تھا۔ ''اسراء'' کا ذکر قرآن مجید میں اللہ کے اس ارشاد میں آتا ہے:

﴿سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ۝﴾

''پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر کرائی جس کے گرد ہم نے برکت دے رکھی ہے تاکہ ہم اسے اپنی نشانیاں دکھلائیں۔ بے شک وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔''[2]

''معراج'' کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ''سورۂ نجم'' کی ساتویں آیت سے لے کر اٹھارہویں آیت تک میں مذکور ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان آیات میں جو کچھ مذکور ہے، وہ ''معراج'' کے ماسوا ہے۔

[1] تفسیر ابن جریر: 13-112/27، وابن کثیر: 334/4، والدر المنثور: 176/6، آیت نمبر: 1، سورۃ القمر. [2] بنی إسراءیل 1:17.

نبی م کو اللہ نے کلی زندگی میں معراج کرادیا

اسراء اور معراج کے وقت میں بھی اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ جس سال آپ کی بعثت ہوئی، اسی سال یہ واقعہ پیش آیا۔ ایک قول یہ ہے کہ سنہ 5 نبوت میں۔ ایک قول یہ ہے کہ 27 رجب سنہ 10 نبوت میں۔ ایک قول یہ ہے کہ 17 رمضان سنہ 12 نبوت میں۔ ایک قول یہ ہے کہ محرم میں اور ایک قول یہ ہے کہ 17 ربیع الاول سنہ 13 نبوت میں[1] واقعے کی تفصیل کے متعلق صحیح روایات کا خلاصہ یہ ہے:

- ”حضرت جبریل علیہ السلام براق لے کر تشریف لائے۔ یہ گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا ایک جانور ہے جو اپنا کھر اپنی نگاہ کے آخری مقام پر رکھتا ہے۔ اس وقت نبی ﷺ مسجد حرام میں تھے۔ آپ اس جانور پر سوار ہو کر حضرت جبریل علیہ السلام کی معیت میں بیت المقدس تشریف لائے اور وہاں جس حلقے میں انبیاء اپنی سواریاں باندھتے تھے، اسی میں براق کو باندھ دیا، پھر مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے۔ دو رکعت نماز پڑھی اور اس میں انبیاء کی امامت فرمائی، پھر حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے پاس تین برتن لائے۔ ایک شراب کا دوسرا دودھ کا اور تیسرا شہد کا،[2] آپ نے دودھ پسند فرمایا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: ”آپ نے فطرت پائی، آپ کو بھی ہدایت نصیب ہوئی اور آپ کی امت کو بھی۔ اگر آپ نے شراب پسند فرمائی ہوتی تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔“
- اس کے بعد آپ ﷺ کو بیت المقدس سے آسمانِ دنیا تک لے جایا گیا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھلوایا۔ آپ کے لیے دروازہ کھولا گیا۔ آپ نے وہاں انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو دیکھا اور انھیں سلام کیا انھوں نے آپ کے سلام کا جواب دیا، مرحبا کہا اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔ ان کے دائیں ایک گروہ تھا جب انھیں دیکھتے تو مسکراتے۔ یہ سعادت مندوں کی روحیں تھیں اور ان کے بائیں ایک گروہ تھا، جب انھیں دیکھتے تو روتے۔ یہ بدبختوں کی روحیں تھیں۔

[1] اختلاف اس سے بھی زیادہ ہیں۔ دیکھیے فتح الباري: 242/7، طبع دوم سلفیہ، شرح باب المعراج، نیز زادالمعاد: 49/2. [2] مسند أحمد: 208/4.

آپ نے انبیا کی جماعت معراج میں جانے سے پہلے کروئی

❋ پھر آپ کو دوسرے آسمان پر لے جایا گیا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھلوایا۔ آپ کے لیے دروازہ کھولا گیا۔ آپ نے اس میں دو خالہ زاد بھائیوں حضرت یحییٰ بن زکریا اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو دیکھا اور انھیں سلام کیا۔ دونوں نے جواب دیا، مرحبا کہا اور نبوت کا اقرار کیا۔

❋ پھر تیسرے آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں آپ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا، انھیں آدھا حسن دیا گیا تھا۔ آپ نے انھیں بھی سلام کیا، انھوں نے جواب دیا، مرحبا کہا اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔

❋ پھر آپ کو چوتھے آسمان پر لے جایا گیا، وہاں حضرت ادریس علیہ السلام کو دیکھا اور انھیں سلام کیا، انھوں نے جواب دیا، مرحبا کہا اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔

❋ پھر پانچویں آسمان پر لے جایا گیا، وہاں ہارون علیہ السلام کو دیکھا اور انھیں سلام کیا۔ انھوں نے سلام کا جواب دیا، مرحبا کہا اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔

❋ پھر آپ کو چھٹے آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے انھیں سلام کیا۔ انھوں نے جواب دیا، مرحبا کہا اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا، پھر جب آپ وہاں سے آگے بڑھے تو وہ رونے لگے۔ ان سے کہا گیا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ انھوں نے کہا: ''میں اس لیے رو رہا ہوں کہ ایک جوان میرے بعد مبعوث کیا گیا۔ اس کی امت میری امت سے زیادہ تعداد میں جنت کے اندر داخل ہوگی۔''

اس کے بعد ساتویں آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں آپ کی ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی۔ آپ نے انھیں سلام کیا۔ انھوں نے جواب دیا، مرحبا کہا اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔ وہ اپنی پشت بیت المعمور سے لگائے ہوئے تھے، جس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور دوبارہ ان کے پلٹنے کی باری نہیں آتی۔

❋ پھر آپ کو ''سدرۃ المنتہیٰ'' تک لے جایا گیا۔ اس کے پتے ہاتھی کے کان جیسے تھے اور

پھل بڑے کونڈوں یا ٹھلیوں جیسے، پھر اس پر سونے کے پتنگے چھا گئے اور اللہ کے حکم میں سے جو کچھ چھانا تھا، چھا گیا۔ اس سے وہ سدرہ (بیری کا درخت) تبدیل ہو کر اتنا خوبصورت ہو گیا کہ اللہ کی کوئی مخلوق اس کا حسن بیان کرنے کی تاب نہیں رکھتی۔

❋ پھر آپ کو "جبار جل جلالہ" کے حضور لے جایا گیا اور آپ اس کے اتنے قریب ہوئے کہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ اس وقت اللہ نے اپنے بندے پر وحی فرمائی اور آپ پر اور آپ کی امت پر دن رات میں پچاس وقت کی نمازیں فرض کیں، پھر آپ موسیٰ علیہ السلام کے قریب سے گزرے تو انھوں نے پوچھا: "آپ کے رب نے آپ کو کس بات کا حکم دیا ہے۔" آپ نے فرمایا:

«بِخَمْسِينَ صَلَاةً» "پچاس نمازوں کا۔"

انھوں نے کہا: "آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔ اپنے رب کے پاس واپس جائیے اور اس سے تخفیف کا سوال کیجیے۔" آپ نے جبریل علیہ السلام کی طرف دیکھا۔ انھوں نے اشارہ کیا کہ ہاں، اگر آپ چاہیں، چنانچہ آپ واپس ہوئے، اللہ نے پھر دس نمازیں کم کر دیں، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے تو انھوں نے پھر پوچھا۔ آپ نے بتلایا تو انھوں نے پھر تخفیف کے سوال کا مشورہ دیا۔ یوں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اللہ جل جلالہ کے درمیان آپ کی آمد ورفت جاری رہی، یہاں تک کہ اللہ نے پانچ نمازیں کر دیں۔ اس کے بعد آپ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے تو انھوں نے پھر واپس جا کر تخفیف کے سوال کا مشورہ دیا اور کہا کہ میں نے اس سے کم پر بنو اسرائیل کو بلایا لیکن وہ ادا کرنے سے قاصر رہے اور اسے چھوڑ دیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«قَدِ اسْتَحْيَيْتُ مِنْ رَبِّي، وَلٰكِنِّي أَرْضٰى وَأُسَلِّمُ»

"اب مجھے اپنے رب سے شرم آ رہی ہے۔ میں اسی پر راضی ہوں اور سر تسلیم خم کرتا ہوں۔"

پھر جب آپ مزید کچھ دور تشریف لے گئے تو ندا آئی کہ "میں نے اپنا فریضہ نافذ کر دیا

اور اپنے بندوں سے تخفیف کر دی۔ وہ پانچ نمازیں ہیں اور ثواب میں پچاس ہیں۔ میرے نزدیک بات نہیں بدلی جاتی۔"[1]

❋ پھر اسی رات نبی ﷺ مکہ مکرمہ واپس تشریف لائے۔ جب صبح ہوئی اور آپ نے اپنی قوم کو ان بڑی بڑی نشانیوں کی خبر دی جو اللہ عزوجل نے آپ کو دکھلائی تھیں تو قوم کی تکذیب اور اذیت وضرر رسانی میں شدت آ گئی۔ کسی نے تالیاں بجائیں اور کسی نے تعجب وانکار سے ہاتھ اپنے سر پر رکھ لیا۔ کچھ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس دوڑے آئے اور انھیں خبر دی، انھوں نے کہا: "اگر یہ بات آپ نے کہی ہے تو سچ کہی ہے۔" لوگوں نے کہا: "اچھا! آپ بھی ان کی تصدیق کرتے ہیں۔"

انھوں نے کہا: "میں تو اس سے بھی دور کی بات پر آپ کی تصدیق کرتا ہوں۔ آسمان سے صبح یا شام جو خبر آتی ہے میں اس میں بھی آپ کو سچا مانتا ہوں۔" اس پر آپ کا لقب صدیق پڑ گیا رضی اللہ عنہ۔[2]

❋ پھر کفار نے آپ کا امتحان لیا۔ پوچھا کہ آپ بیت المقدس کے اوصاف بیان کریں۔ آپ نے اس سے پہلے بیت المقدس دیکھا تھا، نہ اس رات اس کی نشانیاں ضبط کی تھیں، لیکن اللہ نے اسے آپ کے لیے روشن کر دیا اور آپ اس کی نشانیاں بتاتے گئے۔ آپ نے ایک ایک دروازہ اور ایک ایک جگہ بتلائی اور وہ آپ کی کوئی تردید نہ کر سکے بلکہ یہ کہا کہ جہاں تک اوصاف کا تعلق ہے، آپ نے بالکل ٹھیک ٹھیک بیان کیے ہیں۔[3]

❋ انھوں نے اپنے ایک قافلے کے متعلق بھی سوال کیا جو ملک شام سے آ رہا تھا۔ آپ نے اس قافلے کے اونٹوں کی تعداد، قافلے کے احوال، اس کے پہنچنے کا وقت اور جو اونٹ آگے آگے آ رہا تھا، ان سب کی خبر دی اور جیسے آپ نے بتلایا تھا ویسے ہی ہوا۔[4] لیکن ان ظالموں نے کفر ہی پر اصرار کیا۔

[1] صحيح البخاري، الصلاة، باب كيف فرضت الصلاة في الإسراء، حديث: 349. [2] سيرت ابن هشام: 399/1. [3] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، حديث الإسراء، حديث: 3886.
[4] سيرت ابن هشام: 402/1.

❋ ''اسراء'' کی صبح حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور رسول اللہ ﷺ کو پانچوں نمازوں کی کیفیت اور ان کے اوقات سکھلائے۔ اس سے پہلے نماز صرف دو رکعت صبح اور دو رکعت شام تھی۔

قبائل اور افراد کو اسلام کی دعوت

جب سے اللہ نے رسول اللہ ﷺ کو کھلم کھلا دعوت و تبلیغ کا حکم دیا تھا، آپ کا طریقہ یہ تھا کہ حج کے موسم اور عرب کے بازاروں کے ایام میں آپ قبائل کے خیموں اور ٹھکانوں پر تشریف لے جاتے اور انھیں اسلام کی دعوت دیتے تھے۔

جاہلیت میں عرب کے مشہور اور مکہ سے قریب ترین بازار تین تھے۔ عُکاظ، مِجَنّہ اور ذُوالمجاز۔ عُکاظ، نخلہ اور طائف کے درمیان ایک بستی تھی جہاں پہلی ذی القعدہ سے بیس ذی القعدہ تک بازار لگتا تھا۔ اس کے بعد لوگ مِجَنّہ منتقل ہو جاتے تھے اور وہاں ذی القعدہ کے خاتمے تک بازار لگاتے تھے۔ مِجَنّہ، مکہ سے نیچے وادی مَرُّ الظَّہران میں (ایک مقام کا نام) ہے۔ ذُوالمجاز، جبل عرفہ، یعنی جبل رحمت کے پیچھے ہے۔ وہاں پہلی ذی الحجہ سے آٹھ ذی الحجہ تک بازار لگتا تھا۔ اس کے بعد لوگ مناسکِ حج کی ادائیگی کے لیے فارغ ہو جاتے تھے۔

جن قبائل کو رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی دعوت دی اور اس مقصد کے لیے آپ نے اُن سے پناہ اور مدد چاہی، ان کے نام یہ ہیں:

بنو عامر بن صَعصَعَہ، بنو محارب بن خصفہ، بنو فزارہ، غسان اور مرہ، بنو حنیفہ، بنو سلیم، بنو عبس، بنو نصر، بنو البکاء، کندہ اور کلب، بنو الحارث بن کعب، عذرہ اور حضارمہ۔ ان میں سے کسی نے بھی آپ کی دعوت قبول نہ کی[1] لیکن ان کے جوابات اور انداز مختلف تھے۔ کسی نے بہترین جواب دیا۔ کسی نے آپ ﷺ کے بعد اپنے لیے سرداری کی شرط لگائی۔ کسی نے کہا:

[1] طبقات ابن سعد: 216/1.

''آپ کا خاندان اور قبیلہ آپ کو بہتر جانتا ہے کہ اس نے آپ کی پیروی نہیں کی۔''

کسی نے برا جواب دیا اور ان میں سے سب سے برا جواب مُسیلمہ کذاب کے گروہ بنوحنیفہ کا تھا۔ (1)

ایمان کی شعاعیں مکہ سے باہر جس زمانے میں اسلامی دعوت مکہ کے اندر مشکل ترین مرحلے سے گزر رہی تھی، اللہ نے مقدر کر رکھا تھا کہ اسی زمانے میں مکہ سے باہر کچھ لوگ ایمان لائیں۔ یوں ان کی حیثیت امید کی چنگاری کی تھی، جو مایوسی کی تاریکیوں میں چمکی۔ ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

سُوَید بن صامت رضی اللہ عنہ یہ شاعر تھے، گہری سوجھ بوجھ کے حامل اور یثرب کے باشندے۔ ان کے شرف و شعر گوئی کی وجہ سے انھیں کامل کہا جاتا تھا۔ یہ حج یا عمرہ کے لیے مکہ تشریف لائے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں اسلام کی دعوت دی۔ اُنھوں نے آپ پر حکمتِ لقمان پیش کی۔ آپ نے ان پر قرآن پیش کیا اور وہ مسلمان ہو گئے۔ کہنے لگے یہ بہترین قول ہے، پھر وہ بُعاث کی جنگ سے پہلے اَوس و خَزرَج کے درمیان ایک لڑائی میں شہید ہو گئے۔ (2)

اِیاس بن معاذ رضی اللہ عنہ یہ یثرب کے باشندے تھے، نو خیز نوجوان۔ سنہ 11 نبوت کے اوائل میں اَوس کے ایک وفد کے ہمراہ مکہ تشریف لائے، جو قریش سے خزرج کے خلاف حِلف و تعاون چاہتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو علم ہوا تو آپ ان کے پاس تشریف لے گئے، انھیں اسلام کی دعوت دی اور قرآن کی تلاوت فرمائی۔ ایاس نے کہا:

''واللہ! یہ اس سے بہتر ہے، جس کے لیے آپ لوگ تشریف لائے ہیں۔''

اس پر وفد کے ایک رکن ابوالحُیسر نے بطحا کی کنکریاں اٹھا کر ایاس کے منہ پر دے ماریں اور کہا: ''یہ بات چھوڑو! یہاں ہم دوسرے مقصد سے آئے ہیں۔''

(1) سیرت ابن ھشام:425,424/1. (2) سیرت ابن ھشام:427-424/1، والاستیعاب:677/2، وأسد الغابة:337/2.

چنانچہ وہ خاموش ہو رہے اور یثرب واپس آ کر جلد ہی وفات پا گئے۔ وفات کے وقت وہ تہلیل و تکبیر اور حمد و تسبیح کر رہے تھے، اس لیے ان کی قوم کو کوئی شبہ نہیں کہ ان کی وفات اسلام پر ہوئی۔[1]

ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ انھیں نبی ﷺ کی بعثت کی اطلاع سوید بن صامت اور ایاس بن معاذ رضی اللہ عنہما سے ملی۔ انھوں نے پتہ لگانے کے لیے اپنے بھائی کو مکہ بھیجا۔ وہ گئے اور واپس آئے لیکن تسلی نہ کر سکے، چنانچہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ خود نکلے اور مکہ پہنچ کر مسجد حرام میں جا اترے۔ تقریباً ایک مہینہ مسجد حرام ہی میں رہے اور زمزم کا پانی پیتے رہے، جو کھانا اور پانی دونوں کا کام دیتا تھا لیکن جان کے ڈر سے نبی ﷺ کے متعلق کسی سے پوچھتے نہ تھے۔ بالآخر حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کو اپنے پیچھے پیچھے لے کر گئے اور رسول اللہ ﷺ سے جا ملوایا۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ اسلام پیش فرمایئے۔ آپ نے اسلام پیش کیا اور وہ وہیں مسلمان ہو گئے، پھر انھوں نے مسجد حرام میں آ کر اعلان کیا:

«أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ»

”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔“

یہ سننا تھا کہ قریش ان پر ٹوٹ پڑے۔ اتنا مارا کہ ادھ مُوا کر دیا لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کو بچا لیا۔ دوسرے دن آ کر پھر یہی اعلان کیا اور قریش نے پھر اتنا مارا کہ قریب المرگ ہو گئے۔ کل کی طرح آج بھی عباس رضی اللہ عنہ نے آ کر ان کو بچایا۔[2]

اس کے بعد حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ اپنی قوم بنو غفار میں واپس آ گئے اور جب نبی ﷺ نے ہجرت فرمائی تو وہ بھی مدینہ ہجرت کر آئے۔

طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ یہ شاعر تھے، گہری سوجھ بوجھ کے مالک اور یمن کے قریب

[1] سیرت ابن هشام: 428,427/1، ومسند أحمد: 427/5. [2] صحيح البخاري، المناقب، باب قصة إسلام أبي ذر الغفاري، حديث: 3522.

واقع قبیلہ دوس کے سردار۔ سنہ 11 نبوت میں مکہ تشریف لائے تو اہلِ مکہ نے بڑھ کر ان کا استقبال کیا اور نبی ﷺ سے اس قدر ڈرایا کہ جب وہ مسجد حرام میں آئے تو کان میں روئی ٹھونس لی کہ کہیں آپ کی کوئی بات سنائی نہ پڑ جائے مگر ہوا یہ کہ اس وقت نبی ﷺ خانہ کعبہ کے پاس کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ کی آواز ان کے کان میں پڑ ہی گئی۔ انھوں نے جو کچھ سنا بہت اچھا محسوس کیا۔ دل ہی دل میں کہنے لگے: ''میں سوجھ بوجھ رکھنے والا شاعر ہوں۔ مجھ سے بھلا، برا چھپا نہیں رہ سکتا، پھر کیوں نہ میں اس شخص کی بات سنوں اگر اچھی ہوئی تو قبول کرلوں گا، بری ہوئی تو نہیں مانوں گا۔''

چنانچہ جب نبی ﷺ گھر تشریف لائے تو وہ بھی آپ کے پیچھے ہو لیے اور گھر کے اندر آکر آپ سے اپنا واقعہ بیان کیا اور عرض کی کہ آپ اپنا دین پیش کریں۔ آپ نے اسلام پیش کیا اور قرآن کی تلاوت کی۔ طفیل بن عمرو دوسی نے اسلام قبول کر لیا، حق کی شہادت دی اور عرض کی کہ میری قوم میں میری بات مانی جاتی ہے اور میں ان کے پاس پلٹ کر جا رہا ہوں اور انھیں اسلام کی دعوت دوں گا، لہٰذا آپ اللہ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے کوئی نشانی دے دے، آپ نے دعا فرمائی، چنانچہ جب وہ اپنی قوم کے قریب پہنچے تو ان کا چہرہ چراغ کی طرح روشن ہوگیا۔ انھوں نے اللہ سے دعا کی، اسے چہرے کے بجائے کہیں اور منتقل کر دے، چنانچہ یہ روشنی ان کے کوڑے میں پلٹ آئی۔ جب وہ اپنی قوم میں پہنچے تو اُسے اسلام کی دعوت دی۔ والد اور بیوی نے اسلام قبول کر لیا مگر قوم نے تاخیر کی لیکن جب انھوں نے صلح حدیبیہ کے بعد مدینہ ہجرت کی تو ان کے ساتھ ان کی قوم کے ستر یا اسی گھرانے تھے۔[1]

ضماد ازدی رضی اللہ عنہ یہ یمن کے باشندے اور ازد شنوءہ قبیلے کے ایک فرد تھے۔ جھاڑ پھونک کے ذریعے سے پاگل پن دور کرنا اور جن وشیاطین بھگانا ان کا کام تھا۔ مکہ آئے تو وہاں کے احمقوں سے سنا کہ محمد ﷺ پاگل ہیں، چنانچہ وہ آپ کا علاج کرنے کے لیے آپ کے پاس آئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[1] دلائل النبوة للبیہقی: 2/362، وسیرت ابن ہشام: 1/382،385.

(1) اس سے پتہ چلتا ہے ستر کھلے بغیر دل ہوتا ہے (2) وہ اس کا دم چلتا تھا

«إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ، نَحْمَدُهُ، وَ نَسْتَعِينُهُ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَ مَنْ يُضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ۔ أَمَّا بَعْدُ»

''ساری تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔ ہم اس کی تعریف کرتے ہیں اور اسی سے مدد چاہتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے اللہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اور میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ تنہا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اما بعد......''

ضِماد نے یہ کلمات سنے تو اس قدر متاثر ہوئے کہ اُنھیں تین بار دہرانے کی آپ ﷺ سے فرمائش کی، پھر کہا: ''میں کاہنوں، جادوگروں اور شاعروں کی بات سن چکا ہوں لیکن میں نے آپ جیسے کلمات کہیں نہیں سنے۔ یہ تو سمندر کی اتھاہ گہرائی کو پہنچے ہوئے ہیں۔ لائیے ہاتھ بڑھائیے! آپ سے اسلام پر بیعت کروں اور انھوں نے بیعت کر لی۔''[1]

[1] صحیح مسلم، الجمعة، باب تخفیف الصلاة والخطبة، حدیث: 868.

باب:3

ہجرت مدینہ

مدینے میں اسلام بیرون مکہ جن ابتدائی سعادت مندوں نے اسلام قبول کیا ان میں سے اوپر بیان کیے گئے پانچ افراد کے بعد ان چھ کا تعلق مدینہ کے قبیلے خزرج سے ہے۔ ان کے نام یہ ہیں:

- اسعد بن زُرارہ
- قطبہ بن عامر بن حدیدہ
- عوف بن حارث بن رفاعہ (عوف بن عفراء)
- عقبہ بن عامر بن نابی
- رافع بن مالک بن عجلان
- جابر بن عبد اللہ بن رئاب

یہ لوگ سنہ 11 نبوت میں حج کے لیے آنے والوں کے ہمراہ آئے تھے۔ ادھر اہل یثرب جب کبھی یہود کو جنگ وغیرہ میں زک پہنچاتے تو ان سے سنا کرتے تھے کہ ایک نبی اس وقت بھیجا جانے والا ہے۔ اس کی بعثت کا زمانہ آن لگا ہے۔ ہم اس کی معیت میں تمھیں عاد اور ارم کی طرح قتل کر ڈالیں گے۔[1] چنانچہ یہ لوگ منیٰ کی گھاٹی میں رات کے وقت باتیں کر رہے تھے کہ وہاں سے رسول اللہ ﷺ کا گزر ہوا۔ آپ نے آواز سنی تو ان کے پاس پہنچ کر دریافت فرمایا: «مَنْ أَنْتُمْ؟» آپ کون لوگ ہیں؟

انھوں نے کہا: ”خزرج کا ایک گروہ ہیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَوَالِي الْيَهُودِ؟» ”یعنی یہود کے حلیف۔“ بولے ”ہاں۔“ فرمایا:

«أَفَلَا تَجْلِسُونَ أُكَلِّمُكُمْ؟»

”پھر کیوں نہ آپ حضرات بیٹھیں کچھ بات چیت کی جائے۔“

[1] سیرت ابن ہشام: 1/429 و 541 و زاد المعاد: 2/50.

انھوں نے کہا: ''کیوں نہیں۔'' چنانچہ وہ آپ کے ہمراہ بیٹھ گئے۔ آپ نے ان پر اسلام کی حقیقت واضح کی۔ قرآن کی تلاوت کی اور اللہ عزوجل کی طرف دعوت دی۔ اس پر انھوں نے ایک دوسرے سے کہا:

''دیکھو! یہ تو وہی نبی معلوم ہوتے ہیں جن کے حوالے سے یہود تمھیں دھمکیاں دیا کرتے ہیں، لہٰذا وہ تم پر سبقت نہ کرنے پائیں، چنانچہ انھوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا اور کہا کہ ہم اپنی قوم کو اس حالت میں چھوڑ کر آئے ہیں کہ کسی اور قوم میں ان جیسی دشمنی نہیں۔ پس اگر اللہ تعالیٰ آپ پر ان کو اکٹھا کر دے تو آپ سے بڑھ کر کوئی اور معزز نہ ہوگا۔ انھوں نے وعدہ کیا کہ وہ اس دین کی دعوت دیں گے اور آئندہ حج میں آپ سے پھر ملاقات کریں گے۔[1]

پہلی بیعتِ عقبہ وعدے کے مطابق اگلے سال سنہ 12 نبوت کے موسم حج میں بارہ آدمی حاضر ہوئے۔ دس خزرج سے اور دو اوس سے۔ خزرج کے دس آدمیوں میں سے جابر بن عبداللہ بن رأب کو چھوڑ کر باقی پانچ تو وہی تھے جو پچھلے سال آ چکے تھے اور نئے پانچ یہ تھے:

* معاذ بن حارث (معاذ بن عفراء) * ذکوان بن عبدالقیس * عبادہ بن صامت * یزید بن ثعلبہ * عباس بن عبادہ بن نضلہ، اور قبیلہ اوس کے دو آدمی یہ تھے * ابوالہیثم بن التیہان * عویم بن ساعدہ۔[2]

یہ لوگ منیٰ کی گھاٹی میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جمع ہوئے۔ آپ نے انھیں اسلام سکھایا اور فرمایا:

«تَعَالَوْا، بَايِعُونِي عَلٰى أَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللّٰهِ شَيْئًا، وَلَا تَسْرِقُوا وَلَا تَزْنُوا، وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ، وَلَا تَأْتُوا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُونَهُ بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ، وَلَا تَعْصُونِي فِي مَعْرُوفٍ، فَمَنْ وَفٰى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى

[1] سیرت ابن ہشام: 430,428/1۔ [2] سیرت ابن ہشام: 433,431/1۔

اللّٰهِ، وَ مَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا، فَعُوقِبَ بِهِ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ، وَ مَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا، فَسَتَرَهُ اللّٰهُ، فَأَمْرُهُ إِلَى اللّٰهِ، إِنْ شَاءَ عَاقَبَهُ وَ إِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ»

''آؤ! مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو گے، چوری نہ کرو گے، زنا نہ کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گے، من گھڑت بہتان نہ لگاؤ گے اور کسی بھلی بات میں میری نافرمانی نہ کرو گے۔ اب جس شخص نے یہ ساری باتیں پوری کیں تو اس کا اجر اللہ کے پاس ہے اور جو شخص ان میں سے کسی چیز کا ارتکاب کر بیٹھا اور اس دنیا ہی میں اسے اس کی سزا دے دی گئی تو یہ اس کے لیے کفارہ ہے اور جو شخص ان میں سے کسی چیز کا ارتکاب کر بیٹھا اور اللہ نے اس پر پردہ ڈال دیا تو اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے، چاہے تو سزا دے اور چاہے تو معاف کردے۔''[1]

اس پر ان لوگوں نے آپ سے بیعت کی۔

یثرب میں اسلام کی دعوت اس کے بعد جب یہ لوگ واپس ہوئے تو نبی ﷺ نے ان کے ساتھ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو روانہ فرما دیا تاکہ وہ لوگوں کو قرآن پڑھائیں اور دین سکھائیں۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو امامہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے گھر قیام فرمایا، پھر وہ دونوں اسلام کی تبلیغ کے لیے سرگرم ہو گئے۔ ایک روز دونوں ایک باغ میں تھے کہ اوس کے سردار سعد بن معاذ نے اپنے چچیرے بھائی اُسید بن حضیر سے کہا: ''ذرا جاؤ اور ان دونوں کو جو ہمارے کمزوروں کو بیوقوف بنانے آئے ہیں ڈانٹ دو۔ اسید نے اپنا نیزہ لیا اور ان دونوں کے پاس آئے۔ انھیں اسعد نے دیکھا تو حضرت مصعب رضی اللہ عنہ سے کہا:

''یہ اپنی قوم کا سردار تمھارے پاس آ رہا ہے۔ اس کے سامنے اللہ کی سچائی بیان کرو۔''

[1] صحيح البخاري، مناقب، باب وفود الأنصار إلى النبي بمكة، حديث :3893.

حضرت اسید آئے اور ان کے پاس کھڑے ہو کر بولے:

”تم دونوں یہاں کیوں آئے ہو؟ ہمارے کمزوروں کو بیوقوف بناتے ہو، اگر تمھیں اپنی جان پیاری ہے تو تم ہم سے الگ ہی رہو۔“

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے کہا: ”کیوں نہ آپ بیٹھیں اور سنیں۔ اگر ہماری بات پسند آئے تو مان لیں، ناگوار گزرے تو جو بات بھی آپ کو ناپسند ہو ہم اس سے رک جائیں گے۔“

انھوں نے کہا: ”تم نے انصاف کی بات کہی۔“ اور اپنا حربہ (نیزہ) گاڑ کر بیٹھ گئے۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے اسلام کی بات کی اور قرآن کی تلاوت فرمائی۔ حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے دین اسلام کو پسند کیا اور اسے قبول کر لیا اور حق کی شہادت دی۔

حضرت اسید رضی اللہ عنہ واپس ہوئے اور حضرت سعد بن معاذ کو ان کے پاس بھیجنے کے لیے ایک حیلہ اختیار کیا۔ انھوں نے کہا: ”میں نے دونوں سے گفتگو کی، واللہ! مجھے تو کوئی حرج نظر نہیں آیا۔ ویسے میں نے انھیں منع کر دیا ہے اور انھوں نے کہا ہے کہ ہم وہی کریں گے جو آپ چاہیں گے، البتہ مجھے بتایا گیا ہے کہ بنو حارثہ کے لوگ اسعد بن زرارہ کو قتل کرنے نکلے ہیں کیونکہ وہ آپ کی خالہ کا لڑکا ہے اور یہ لوگ چاہتے ہیں کہ آپ کا عہد توڑ دیں۔“

اس پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ بھڑک اٹھے اور بگڑے ہوئے ان دونوں کے پاس پہنچے۔ ان کے ساتھ بھی حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے وہی سلوک کیا جو حضرت اسید رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا تھا۔ اللہ نے اُنھیں بھی اسلام کی ہدایت دے دی، چنانچہ وہ مسلمان ہو گئے، حق کی شہادت دی، پھر قوم میں واپس گئے اور کہا:

”اے بنو عبد الاشہل! تم لوگوں کی میرے بارے میں کیا رائے ہے؟ انھوں نے کہا آپ ہمارے سردار ہیں اور سب سے اچھی سوجھ بوجھ رکھتے ہیں۔“

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: ”اچھا تو تمھارے مردوں اور عورتوں سے میری بات چیت

حرام ہے، جب تک کہ تم لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان نہ لاؤ۔''

نتیجہ یہ ہوا کہ شام تک کوئی بھی مرد عورت ایسا نہ تھا جو مسلمان نہ ہو گیا ہو۔ صرف ایک آدمی اُصَیرِم تھا جس کا اسلام جنگ احد تک مؤخر ہوا۔ احد کے دن یہ اسلام لایا اور اس سے پہلے کہ اللہ کے لیے ایک سجدہ بھی کرے، اللہ کی راہ میں کام آ گیا۔

پھر اگلے موسم حج سے پہلے حضرت مصعب رضی اللہ عنہ اسی طرح کی کامیابی کی بشارتیں لیے ہوئے مکہ واپس تشریف لائے۔[1]

دوسری بیعت عقبہ

موسم حج سنہ 13 نبوت میں یثرب کے بہت سے مسلمان اور مشرکین حج کے لیے آئے۔ مسلمانوں نے طے کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو مکہ کے پہاڑوں میں چکر کاٹتے، ٹھوکریں کھاتے اور خوف وہراس کے عالم میں نہ چھوڑیں گے، چنانچہ انھوں نے آپ ﷺ سے در پردہ رابطہ کیا اور ایام تشریق کے درمیانے روز، رات کے وقت جمرۂ عقبہ کے پاس گھاٹی میں اجتماع منعقد کرنے پر اتفاق کیا۔

مقررہ دن یہ لوگ اپنی قوم کے ساتھ اپنے ڈیروں میں سو گئے اور جب رات کا پہلا تہائی حصہ گزر چکا تو چپکے چپکے ایک ایک دو دو آدمی نکل نکل کر عقبہ کے پاس جمع ہوئے۔ یہ کل تہتر آدمی تھے، باسٹھ خزرج کے اور گیارہ اوس کے۔ ان کے ساتھ یہ دو عورتیں بھی تھیں:

نسیبہ بنت کعب بنو نجار سے اور اسماء بنت عمرو بنو سلمہ سے۔

پھر نبی ﷺ تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ آپ کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب بھی تھے۔ وہ ابھی تک اپنی قوم کے دین پر تھے لیکن چاہتے تھے کہ اپنے بھتیجے کے معاملے میں موجود رہیں اور ان کے لیے ٹھوس اطمینان حاصل کر لیں۔

سب سے پہلے حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہی نے بات کی۔ انھوں نے کہا:

[1] سیرت ابن ہشام :438,435/1 و 90/2، وزادالمعاد: 51/2.

''رسول اللہ ﷺ اپنی قوم اور اپنے شہر میں عزت و حفاظت کے ساتھ ہیں، لہٰذا اگر تمھارا یہ خیال ہے کہ تم انھیں جس چیز کی طرف بلا رہے ہو، اسے نبھاؤ گے اور انھیں ان کے مخالفین سے بچالو گے تو تم نے جو ذمہ داری اٹھائی ہے اسے تم جانو، ورنہ انھیں ابھی چھوڑ دو۔''

اس کے جواب میں اہلِ یثرب کے ترجمان حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے کہا:

''ہم صدق و وفا کا اور رسول اللہ ﷺ کے لیے اپنی روحیں نچھاور کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، لہٰذا اے اللہ کے رسول! آپ بات کیجیے اور اپنے لیے اور اپنے رب کے لیے جو عہد و پیمان پسند ہو لیجیے۔''[1]

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے گفتگو فرمائی۔ آپ نے قرآن کی تلاوت کی، اللہ کی طرف دعوت دی، اسلام کی رغبت دلائی اور اپنے رب کے لیے یہ عہد لیا:

«أَنْ تَعْبُدُوهُ وَحْدَهُ وَ لَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا»

''تنہا اسی کی عبادت کرو گے اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو گے۔''

اہلِ یثرب نے کہا: ہم کس چیز پر آپ سے بیعت کریں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي النَّشَاطِ وَالْكَسَلِ»

چستی اور سستی ہر حال میں بات سنو گے اور مانو گے۔

«وَ عَلَى النَّفَقَةِ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ»

تنگی اور خوش حالی ہر حال میں مال خرچ کرو گے۔

«وَ عَلَى الْأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ عَلَى أَنْ تَقُومُوا فِي اللّٰهِ، لَا تَأْخُذْكُمْ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ»

بھلائی کا حکم دو گے اور برائی سے روکو گے۔ اللہ کے راستے میں اٹھ کھڑے ہو گے

[1] سیرت ابن ھشام: 1/442,440.

اور اس کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت تمھیں نہ روکے گی۔

«وَعَلَى أَنْ تَنْصُرُونِي إِذَا قَدِمْتُ إِلَيْكُمْ، وَ تَمْنَعُونِي مِمَّا تَمْنَعُونَ مِنْهُ أَنْفُسَكُمْ وَ أَزْوَاجَكُمْ وَ أَبْنَاءَ كُمْ، وَلَكُمُ الْجَنَّةُ»

(4) اور جب میں تمھارے پاس آجاؤں تو میری مدد کرو گے اور جس چیز سے اپنی جان اور اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہو اس سے میری حفاظت کرو گے ...... اور تمھارے لیے جنت ہے۔[1]

(5) حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں ہے کہ (ہم نے اس بات پر بھی بیعت کی کہ) حکومت کے بارے میں اہلِ حکومت سے نزاع نہ کریں گے۔[2]

اس پر حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑا اور کہا:

''ہاں! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، ہم یقیناً اس چیز سے آپ کی حفاظت کریں گے، جس سے اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہیں، لہٰذا آپ ہم سے بیعت لیجیے۔ اللہ کی قسم! ہم فرزندان ضرب وحرب ہیں اور ہتھیار ہمارا کھلونا ہے۔ ہماری یہی ریت باپ دادا سے چلی آرہی ہے۔

اتنے میں ابوالہیثم بن تیہان نے بات کاٹتے ہوئے کہا:

''اے اللہ کے رسول! ہمارے اور کچھ لوگوں کے درمیان عہد وپیمان کی رسیاں ہیں اور اب ہم انھیں کاٹنے والے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم ایسا کر ڈالیں، پھر اللہ آپ کو غلبہ عطا کر دے تو آپ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم کے پاس پلٹ آئیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور کہا:

«بَلِ الدَّمُ الدَّمُ وَالْهَدْمُ الْهَدْمُ، أَنَا مِنْكُمْ وَ أَنْتُمْ مِنِّي، أُحَارِبُ مَنْ

[1] مسند أحمد:3/322، والسنن الكبرى للبيهقي:9/9 اور اسے حاکم نے المستدرك:2/624 رقم: 4201 میں اور ابن حبان نے صحیح ابن حبان:10/475 میں صحیح کہا ہے۔ [2] سیرت ابن هشام :1/454.

حَارَبْتُمْ وَ أُسَالِمُ مَنْ سَالَمْتُمْ»

''نہیں بلکہ خون خون ہے اور بربادی بربادی ہے۔ میں آپ لوگوں سے ہوں اور آپ لوگ مجھ سے ہیں۔ جس سے آپ جنگ کریں گے میں جنگ کروں گا اور جس سے آپ صلح کریں گے میں صلح کروں گا۔''

ٹھیک اس فیصلہ کن لمحے میں حضرت عباس بن عبادہ بن نضلہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ انھوں نے کہا:

''آپ لوگ جانتے ہیں کہ ان سے کس بات پر بیعت کر رہے ہیں۔ ان سے سرخ وسیاہ (سارے انسانوں) سے جنگ پر بیعت کر رہے ہیں، اس لیے اگر آپ کو اندازہ ہے کہ جب آپ کے اموال کا صفایا کر دیا جائے گا اور آپ کے اشراف قتل کر دیے جائیں گے تو آپ ان کا ساتھ چھوڑ دیں گے تو پھر ابھی سے چھوڑ دیجیے کیونکہ یہ دنیا اور آخرت کی رسوائی ہے۔ اور اگر آپ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ مال کی تباہی اور اشراف کے قتل کے باوجود عہد نبھائیں گے تو پھر انھیں لے لیجیے کیونکہ یہ واللہ! دنیا اور آخرت کی بھلائی ہیں۔''

لوگوں نے کہا: ''ہم انھیں مال کی تباہی اور اشراف کے قتل کے خطرے کے باوجود ساتھ لیتے ہیں۔ اللہ کے رسول! بتلائیے اس کے بدلے ہمارے لیے کیا ہے؟''

آپ نے فرمایا: «اَلْجَنَّةُ» ''جنت۔'' لوگوں نے کہا: اپنا ہاتھ پھیلائیں۔

آپ نے ہاتھ پھیلایا اور لوگ بیعت کے لیے لپکے[1] مگر عین اسی وقت آپ کا ہاتھ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے پکڑ لیا اور کہا:

''اہلِ یثرب! ذرا ٹھہرو، ہم آپ کی خدمت میں اونٹوں کے کلیجے مار کر (لمبا سفر کر کے) اس یقین کے ساتھ حاضر ہوئے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آج آپ کو یہاں سے لے جانے کے معنی ہیں: ''سارے عرب سے دشمنی، اپنے چیدہ سرداروں

[1] سیرت ابن ہشام: 1/442-446.

کا قتل اور تلواروں کی مار۔" اب اگر آپ لوگ یہ سب برداشت کر سکتے ہیں تو انھیں لے لیں اور آپ کا اجر اللہ پر ہے اور اگر آپ لوگ اپنے متعلق کوئی اندیشہ رکھتے ہیں تو انھیں ابھی سے چھوڑ دیں۔ یہ اللہ کے نزدیک زیادہ قابلِ عذر ہوگا۔"

لوگوں نے کہا:

"اسعد! اپنا ہاتھ ہٹائیے! واللہ! ہم اس بیعت کو چھوڑ سکتے ہیں، نہ توڑ سکتے ہیں۔ اس کے بعد ایک ایک آدمی نے اٹھ کر بیعت کی[1] اور راجح ترین قول کے مطابق سب سے پہلے بیعت کرنے والے خود حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ ابو الہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ تھے اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ تھے۔[2] دونوں عورتوں کی بیعت صرف زبان سے ہوئی، ان سے مصافحہ نہیں فرمایا۔[3]

بارہ نقیب بیعت مکمل ہو چکی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے فرمایا کہ وہ اپنے آپ میں سے بارہ نقیب پیش کریں، جو اپنی قوم کے نگران اور ان کے معاملات کے ذمہ دار ہوں گے۔ اس پر نو آدمی خزرج سے اور تین آدمی اوس سے منتخب کیے گئے۔ خزرج کے نقباء کے نام یہ ہیں:

(1) سعد بن عبادہ بن دلیم	(6) براء بن معرور بن صخر
(2) اسعد بن زرارہ بن عدس	(7) عبداللہ بن عمرو بن حرام
(3) سعد بن ربیع بن عمرو	(8) عبادہ بن صامت بن قیس
(4) عبداللہ بن رواحہ بن ثعلبہ	(9) منذر بن عمرو بن خنیس
(5) رافع بن مالک بن عجلان	...... رضی اللہ عنہم

اوس کے نقباء کے نام یہ ہیں:

[1] مسند أحمد:3/322، والسنن الكبرى للبيهقي:9/9. [2] سيرة ابن هشام:1/447. [3] صحيح مسلم، الإمارة، باب كيفية بيعة النساء، حديث:4834.

(1) اسید بن حضیر بن سماک (2) رفاعہ بن عبد المنذر بن زبیر

(3) سعد بن خیثمہ بن حارث اور کہا جاتا ہے کہ ابوالہیثم بن تیہان ...... رضی اللہ عنہم

جب ان کا انتخاب ہو چکا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَنْتُمْ عَلٰى قَوْمِكُمْ بِمَا فِيهِمْ كُفَلَاءُ، كَكَفَالَةِ الْحَوَارِيِّينَ لِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ، وَ أَنَا كَفِيلٌ عَلٰى قَوْمِي»

''آپ لوگ اپنی قوم کے جملہ معاملات کے کفیل ہیں، جس طرح حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے کفیل ہوئے تھے اور میں اپنی قوم (مسلمانوں) کا کفیل ہوں۔''

ان سب نے کہا: ''جی ہاں۔''[1]

یہ ہے دوسری بیعت عقبہ، یہ نبی ﷺ کی اب تک کی زندگی میں سب سے عظیم اور اہم بیعت تھی۔ اس کی وجہ سے واقعات کا رخ بدل گیا اور تاریخ کی لائن تبدیل ہو گئی۔

جب بیعت پوری ہو چکی اور لوگ بکھرنے ہی والے تھے تو ایک شیطان کو اس کا پتہ چل گیا۔ اس نے نہایت بلند آواز سے جو شاید ہی کبھی سنی گئی ہو، پکار لگائی کہ خیمے والو! کیا محمد سے نمٹو گے؟ اس وقت بے دین اس کے ساتھ ہیں اور وہ تم سے لڑنے کے لیے جمع ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَمَا وَاللّٰهِ! يَا عَدُوَّ اللّٰهِ! لَأَتَفَرَّغَنَّ لَكَ»

''او اللہ کے دشمن! میں تیرے لیے جلد ہی فارغ ہو رہا ہوں۔''

اور لوگوں سے فرمایا: ''تم اپنے اپنے ڈیروں پر چلے جاؤ!''

چنانچہ یہ لوگ اپنے اپنے ٹھکانوں پر واپس جا کر سو گئے اور وہیں صبح کی۔ ادھر صبح ہوئی تو قریش نے اس پر احتجاج کے لیے اہل یثرب کے خیموں کا رخ کیا مگر مشرکین یثرب نے کہا کہ یہ خبر باطل ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی، جبکہ مسلمانوں نے چپ سادھے رکھی، چنانچہ قریش نے مشرکین کی بات سچ سمجھی اور نامراد واپس چلے گئے۔

[1] سیرت ابن ہشام: 2/443-446.

لیکن بعد میں قریش کو یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ خبر صحیح ہے، چنانچہ ان کے سواروں نے تیز رفتاری سے اہل یثرب کا پیچھا کیا اور سعد بن عبادہ اور منذر بن عمرو کو ''اذاخر'' کے پاس جالیا لیکن منذر بن عمرو نے انھیں بے بس کر دیا اور نکل بھاگے، البتہ سعد پکڑے گئے اور انھیں باندھ کر مارتے اور بال گھسیٹتے ہوئے مکہ لے جایا گیا لیکن وہاں مطعم بن عدی اور حارث بن حرب نے انھیں چھڑا دیا کیونکہ وہ ان دونوں کے قافلوں کو مدینے میں پناہ دیا کرتے تھے۔ ادھر انصار نے ارادہ کیا کہ مکہ پر دھاوا بول دیں مگر اتنے میں حضرت سعد آتے دکھائی دیے، لہٰذا تمام لوگ بخیریت مدینہ روانہ ہو گئے۔[1]

مسلمانوں کی ہجرت

عَقَبَہ کی اس دوسری بیعت کے بعد عام مسلمانوں نے مدینے کے لیے ہجرت شروع کر دی، جبکہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اس سے پہلے ہی ہجرت کر چکے تھے اور رسول اللہ ﷺ کو بھی مسلمانوں کا ''دارالہجرت'' دکھلایا جا چکا تھا اور آپ ﷺ ان کو اس کی خبر بھی دے چکے تھے۔

آپ نے فرمایا:

«رَأَيْتُ أَنِّي أُهَاجِرُ مِنْ مَّكَّةَ إِلٰى أَرْضٍ بِهَا نَخْلٌ، فَذَهَبَ وَهَلِي إِلٰى أَنَّهَا الْيَمَامَةُ أَوْ هَجَرٌ، فَإِذَا هِيَ الْمَدِينَةُ يَثْرِبُ»

''میں نے دیکھا ہے کہ میں مکے سے ایک ایسی زمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں جہاں کھجوریں ہیں، میرا خیال تھا کہ یمامہ یا ہجر ہے لیکن وہ مدینہ (یثرب) تھا۔''[2]

ایک اور روایت میں ہے:

«أُرِيتُ دَارَ هِجْرَتِكُمْ سَبْخَةً بَيْنَ ظَهْرَانَيْ حَرَّتَيْنِ، فَإِمَّا أَنْ يَكُونَ هَجَرًا

[1] سیرت ابن ھشام: 1/447، 450، وزادالمعاد: 2/51، 52. [2] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب علامات النبوة في الإسلام، حديث: 3622، و باب هجرة النبيﷺ و أصحابه إلى المدينة، قبل حديث: 3897.

أَوْ يَثْرِبَ»

”مجھے تمھارا دار الہجرت دکھلایا گیا، دو حروں (لاوے کی چٹانوں) کے درمیان ایک نشیبی زمین۔ اب وہ یا تو ہجر ہے یا یثرب۔“ ①

سب سے پہلے مہاجر، ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر ابو سلمہ مخزومی رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ بیوی بچے کے ساتھ نکلے لیکن بیوی کو اس کی قوم نے روک لیا اور بچے کو ابوسلمہ کے گھر والوں نے ماں سے چھین لیا اور ابوسلمہ تنہا مدینہ پہنچے۔ یہ بیعت عقبہ سے کوئی ایک سال پہلے کا واقعہ ہے، پھر کوئی سال بھر بعد ان لوگوں نے بیوی کو چھوڑ دیا اور وہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے آملیں۔ ②

ابوسلمہ کے بعد عامر بن ربیعہ، ان کی بیوی لیلیٰ بنت ابی حثمہ اور عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہم نے ہجرت کی، پھر بیعت عقبہ مکمل ہوئی تو مسلمانوں نے پے در پے ہجرت کی۔ یہ لوگ قریش کے ڈر سے چپکے چپکے نکلتے تھے، یہاں تک کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی۔ وہ قریش کو چیلنج دیتے ہوئے ببانگ دہل نکلے لیکن کسی کو ان کے سامنے آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ وہ بیس صحابہ کے ساتھ مدینہ تشریف لائے۔ ③

غرض سارے مسلمانوں نے مدینہ ہجرت کی، مہاجرینِ حبشہ بھی مدینہ آ گئے۔ مکہ میں صرف ابوبکر، علی، صہیب اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم باقی رہ گئے یا پھر وہ کمزور مسلمان جو ہجرت کی طاقت نہیں رکھتے تھے، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت کا قصد کیا مگر نبی ﷺ نے فرمایا: «عَلٰی رِسْلِكَ، فَإِنِّي أَرْجُو أَنْ يُّؤْذَنَ لِي»

”ذرا رکے رہو توقع ہے کہ مجھے بھی اجازت دے دی جائے گی۔“

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ”میرے ماں باپ آپ پر فدا، آپ کو اس کی توقع ہے؟“

آپ نے فرمایا: «نَعَمْ» ”ہاں۔“

① صحيح البخاري، الكفالة، باب جوار أبي بكر في عهد رسول الله ﷺ، حديث: 2297.
② سیرت ابن ہشام :470,468/1. ③ صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب مقدم النبي ﷺ وأصحابه المدينة، حديث:3925.

چنانچہ ابو بکر رضی اللہ عنہ رک گئے تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کریں۔ ان کے پاس دو اونٹنیاں تھیں۔ اُنھیں سفرِ ہجرت کے لیے ببول کے پتے کھلا کھلا کر خوب تیار کیا۔[1]

قریش ''دار الندوہ'' میں

قریش یہ دیکھ کر غصے سے دیوانے ہو گئے کہ مسلمانوں نے حفظ و امان کی ایک جگہ پالی ہے۔ انھیں مسلمانوں کی ہجرت اور مدینے میں اجتماع سے اپنے دین، اپنی تجارت اور اپنے وجود کے لیے خطرہ محسوس ہوا، چنانچہ وہ جمعرات 26 صفر سنہ 14 نبوت کی صبح کسی ایسی تجویز پر غور و خوض کے لیے ''دار الندوہ'' میں اکٹھے ہوئے، جو اس خطرے سے نجات کی ضامن ہو۔ بالخصوص ابھی صاحبِ دعوت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکے ہی میں تھے اور صبح شام میں ان کے بھی نکل جانے کا اندیشہ تھا۔ اس اجتماع میں سردارانِ قریش کے تقریباً تمام نمایاں چہرے موجود تھے۔ ابلیس بھی نجد کے ایک ''شیخ جلیل'' کی صورت میں اجازت لے کر شریک ہوا۔

اہلِ اجتماع کے سامنے اصل ''قضیہ'' پیش کیا گیا تو

- ابو الاسود نے کہا: ''ہم اسے اپنی زمین سے نکال دیں اور اپنا معاملہ درست کر لیں، پھر ہمیں اس سے کوئی واسطہ نہیں کہ وہ کہاں گیا۔''
- شیخ نجدی نے کہا: ''تم دیکھتے نہیں اس کی بات کتنی عمدہ اور اس کے بول کتنے میٹھے ہیں، مزید برآں وہ کس طرح لوگوں کا دل جیت لیتا ہے، لہٰذا جب وہ یہاں سے نکلے گا تو کچھ تعجب نہیں کہ وہ عرب کے کسی قبیلے کے ہاں ٹھہرے اور لوگ اس کے گرد اکٹھے ہو جائیں پھر وہ ان کی مدد سے تمھارے علاقے ہی میں تم پر چڑھ دوڑے۔ اور تمھارے ساتھ جیسا سلوک چاہے کرے۔ کوئی اور تجویز سوچو۔''
- اس پر ابوالبختری نے کہا: ''اسے قید کر دو اور باہر سے دروازہ بند کر دو، یہاں تک کہ اس کا بھی وہی انجام ہو جو اس سے پہلے موت کی شکل میں دوسرے شعراء کا ہو چکا ہے۔''

[1] صحيح البخاري، الكفالة، باب جوار أبي بكر في عهد رسول الله وعقده، حديث:2297.

* شیخ نجدی نے کہا: ''واللہ! اگر تم لوگوں نے اسے قید کر دیا تو یہ بات اس کے ساتھیوں تک ضرور پہنچ جائے گی اور وہ اسے اپنے باپ اور بیٹوں سے بھی بڑھ کر مانتے ہیں، لہٰذا کچھ بعید نہیں کہ وہ دھاوا بول کر اس کو تمھارے قبضے سے نکال لے جائیں، پھر اس کی مدد سے اپنی تعداد بڑھا کر تمھیں مغلوب کر لیں، لہٰذا کوئی اور تجویز سوچو۔''

* اب ''طاغوتِ اکبر'' ابوجہل نے کہا: ''اس کے بارے میں میری ایک رائے ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ اب تک تم لوگ اس پر نہیں پہنچے۔ وہ رائے یہ ہے کہ ہم ہر قبیلے سے ایک مضبوط، صاحب نسب اور بانکا جوان منتخب کریں، پھر ہر ایک کو ایک تیز تلوار دیں۔ اس کے بعد سب کے سب اس شخص کا رخ کریں اور اسے اس طرح یک بارگی تلوار مار کر قتل کر دیں، جیسے ایک ہی آدمی نے تلوار ماری ہو۔ اس طرح اس کا خون سارے قبائل میں بکھر جائے گا اور عبد مناف سارے قریش سے جنگ نہ کر سکیں گے، اس لیے دیت (خون بہا) لینے پر راضی ہو جائیں گے اور وہ ہم انھیں دے دیں گے۔

* شیخ نجدی نے کہا: ''یہ ہے بات، جو اس جوان نے کہی۔ رائے ہے تو یہی ہے۔ دیگر ہیچ۔''

* اہلِ اجتماع نے بھی یہی رائے پاس کی اور اٹھ کر اس کی تنفیذ کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔[1]

نبی ﷺ کی ہجرت

قریش کی تدبیر اور اللہ تعالیٰ کی تدبیر اس قسم کے اجتماع کا مزاج یہ ہوتا ہے کہ وہ انتہائی رازدارانہ ہو۔ ظاہری سطح پر کوئی ایسی حرکت پیش نہ آئے جو روزمرہ کے خلاف اور عام عادت سے مختلف ہوتا کہ کوئی شخص سازش اور خطرے کی بو نہ سونگھ لے اور کسی کے دل میں یہ بات نہ گزرے کہ یہ خاموشی کسی شر کا پیش خیمہ ہے۔ یہ قریش کا مکر تھا لیکن انھوں نے

[1] سیرت ابن ھشام: 482,480/1.

یہ مکر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے مقابل کیا تھا، اس لیے انھیں اللہ نے اس طرح نامراد کیا کہ وہ سمجھ بھی نہ سکے، چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے۔ نبی ﷺ کو قریش کی سازش کی خبر دی۔ ہجرت کی اجازت دی۔ نکلنے کا وقت مقرر کیا اور قریش کے مکر کو رد کرنے کا پروگرام بتایا، چنانچہ فرمایا:

''جس بستر پر آپ سویا کرتے ہیں، آج کی رات اس بستر پر نہ سوئیں۔''[1]

ادھر ٹھیک دوپہر کے وقت جب لوگ اپنے اپنے گھروں میں آرام کیا کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور ان کے ساتھ ہجرت کا پروگرام طے کیا، چنانچہ دونوں سواریوں کا سامان نہایت تیزی سے تیار کیا گیا اور عبداللہ بن اُرَیقط لیثی سے ...... جو ابھی تک دین قریش ہی پر تھا...... یہ بات طے کی اور اس کا عہد و پیمان لیا گیا کہ وہ اجرت پر ان کو مدینہ لے جائے گا۔[2] یہ شخص راستوں کا بڑا ماہر تھا۔ اسے کہہ دیا گیا کہ وہ تین رات کے بعد جبلِ ثور کے پاس آئے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ واپس آکر اپنے روزمرہ کے کام میں حسب عادت اس طرح لگے رہے کہ کسی کو محسوس تک نہ ہوا کہ قریش کی قرارداد سے بچنے کے لیے آپ ﷺ ہجرت کی یا کسی اور کام کی تیاری کر رہے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی عادت یہ تھی کہ آپ نماز عشاء کے بعد شروع رات میں سو جاتے اور آدھی رات کے بعد گھر سے نکل کر مسجد حرام تشریف لے جاتے اور وہاں تہجد کی نماز پڑھتے۔ اس رات آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر سلا دیا اور بتلایا کہ تمھیں کوئی زک نہ پہنچے گی، چنانچہ جب عام لوگ سو گئے اور رات پرسکون ہوگئی تو سازشی لوگوں نے چپکے سے آکر رسول اللہ ﷺ کا گھر گھیر لیا۔

حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کے بستر پر، آپ کی سبز حضرمی چادر اوڑھ کر

[1] سیرت ابن ھشام :482/1. [2] صحيح البخاري، البيوع، باب: إذا اشترى متاعاً أو دابةً......، حديث:2138.

سوئے ہوئے دیکھا تو سمجھا کہ محمد ﷺ ہیں، چنانچہ وہ غرور وتکبر سے مٹکنے لگے اور آپ کی گھات میں بیٹھ گئے کہ جب آپ اٹھیں گے اور باہر نکلیں گے تو آپ پر ٹوٹ پڑیں گے۔ ①

اور یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے قریش کے مکر کا جواب تھا۔ فرمایا:

﴿وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ ۚ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ﴾

''اور جب کفار آپ کے خلاف مکر کر رہے تھے تاکہ آپ کو قید کرلیں یا قتل کر دیں یا نکال باہر کریں اور وہ داؤ چل رہے تھے اور اللہ (بھی) داؤ چل رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر داؤ والا ہے۔'' ②

رسول اللہ ﷺ اپنا گھر چھوڑتے ہیں

ادھر رسول اللہ ﷺ عین اس حالت میں جبکہ یہ لوگ آپ کا گھر گھیرے ہوئے تھے، باہر تشریف لائے اور یہ آیت تلاوت فرماتے ہوئے ان کے سروں پر مٹی ڈالی۔

﴿وَجَعَلْنَا مِن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ﴾

''ہم نے ان کے آگے رکاوٹ کھڑی کر دی اور ان کے پیچھے رکاوٹ کھڑی کر دی، پس ہم نے انھیں ڈھانک دیا، لہٰذا وہ دیکھ نہیں رہے ہیں۔'' ③

چنانچہ اللہ نے ان کی نگاہیں سلب کرلیں اور وہ آپ کا مطلق احساس نہ کر سکے۔ اس کے بعد آپ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور ان کے مکان کی ایک کھڑکی سے نکل کر دونوں حضرات نے یمن کا رخ کیا اور فجر کی پو پھٹنے سے پہلے تقریباً پانچ میل فاصلے پر واقع ثور نامی پہاڑ کے ایک غار میں جا پہنچے۔ ④

غار میں تین راتیں

غار کے پاس پہنچ کر پہلے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے تاکہ اس میں کوئی مضر چیز ہو تو رسول اللہ ﷺ کے بجائے انھی کو کاٹے یا ڈسے، چنانچہ انھوں

① سیرت ابن ہشام: 483,482/1. ② الأنفال 30:8. ③ یٰسٓ 9:36. ④ سیرت ابن ہشام: 483/1.

نے غار کو صاف کیا۔ چند سوراخ تھے انھیں تہبند پھاڑ کر بند کیا۔ ایک یا دو سوراخ باقی رہے، ان میں اپنا پاؤں ڈال دیا، پھر رسول اللہ ﷺ اندر تشریف لائے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی گود میں سو گئے۔ اسی دوران میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاؤں کو کسی چیز نے ڈس لیا مگر وہ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی کی وجہ سے ہلے نہیں لیکن ان کے آنسو رسول اللہ ﷺ کے چہرے پر ٹپک گئے، جس سے آپ بیدار ہو گئے اور ماجرا دریافت کیا تو انھوں نے بتایا:

''میرے ماں باپ آپ پر قربان، مجھے کسی چیز نے ڈس لیا ہے۔''

اس پر نبی ﷺ نے لعاب دہن لگایا اور تکلیف جاتی رہی۔ غار میں دونوں حضرات تین رات چھپے رہے۔ اس دوران میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ بھی یہیں رات گزارتے تھے۔ وہ گہری سوجھ بوجھ کے مالک، سُخن فہم نوجوان تھے۔ وہاں سے سویرے نکل کر اس طرح قریش کے درمیان صبح کرتے گویا مکہ ہی میں رات گزاری ہے، پھر وہ قریش کی تدبیریں اور خبریں سنتے اور جب رات کی تاریکی گہری ہو جاتی تو ان خبروں کو لے کر غار میں پہنچ جاتے۔

ادھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بکریاں چراتے رہتے اور جب رات کا ایک حصہ گزر جاتا تو ان بکریوں کو لے کر ان کے پاس پہنچ جاتے، اس طرح دونوں حضرات آسودہ ہو کر دودھ پی لیتے، پھر صبح تڑکے ہی عامر بن فہیرہ بکریاں ہانک کر چل دیتے اور انھیں عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کے قدموں کے نشانات پر لے جاتے تاکہ وہ نشانات مٹ جائیں۔[1]

باقی رہے قریش تو ان کے جوان رسول اللہ ﷺ کے بیدار ہونے کے انتظار میں گھر گھیر کر بیٹھے رہے، یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور جب صبح ہوئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے بستر سے اٹھے تو ان کے ہاتھوں کے توتے اڑ گئے۔ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آپ کے بارے میں پوچھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ''مجھے علم نہیں۔'' اس پر انھوں نے حضرت علی کو مارا اور گھسیٹ کر خانہ کعبہ تک لے گئے۔ کچھ دیر قید بھی رکھا لیکن بے فائدہ۔ اس کے بعد وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر آئے اور ان کی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے ان کے بارے

[1] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب هجرة النبي ﷺ، حديث: 3905.

میں دریافت کیا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا: ''مجھے معلوم نہیں۔'' اس پر خبیث ابوجہل نے ایسا چانٹا مارا کہ ان کے کان کی بالی گر گئی، پھر انھوں نے ہر جانب تلاش شروع کر دی اور اعلان کیا کہ جو کوئی ان دونوں کو زندہ یا مردہ حاضر کرے، اسے ہر ایک کے بدلے سو اونٹ انعام دیے جائیں گے۔ ①

تلاش کرنے والے غار کے دہانے تک جا پہنچے، اس قدر قریب کہ اگر کوئی شخص سر نیچا کرتا اور اپنا پاؤں دیکھتا تو انھیں بھی دیکھ لیتا۔ اس صورت حال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سخت غم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا ظَنُّكَ يَا أَبَا بَكْرٍ بِاثْنَيْنِ اللّٰهُ ثَالِثُهُمَا، لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا»

''ابوبکر! ایسے دو آدمیوں کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ ہے۔ غم نہ کرو، یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔'' ②

مدینے کی راہ میں سوموار کی رات۔ ربیع الاول سنہ 1 ھ کی چاند رات۔ رہنما، عبداللہ بن اُرَیقط لیثی، وعدے کے مطابق سواریاں لے کر جبل ثور کے دامن میں آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کوچ فرمایا۔ ان کے ساتھ عامر بن فہیرہ بھی تھے۔ راہنما پہلے جنوب کی جانب یمن کے رخ پر دور تک چلا، پھر پچھّم (مغرب) کی طرف مڑا اور ساحل سمندر کا رخ کیا۔ ساحل کے قریب پہنچ کر شمال کی طرف مڑ گیا۔ اور ایک ایسے راستے پر چلا، جس پر شاذو نادر ہی کوئی چلتا تھا۔ اس رات، رات بھر اور پھر آدھے دن تک مسلسل سفر جاری رہا۔ جب راستہ خالی ہو گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چٹان کے سائے میں استراحت فرمائی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ اس دوران ایک چرواہا آیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس سے دودھ دوہوایا اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو آپ کو اتنا دودھ پلایا کہ جی خوش ہو گیا، پھر وہاں سے آگے چل پڑے۔ ③

① تاریخ طبری :2/374، وسیرت ابن ہشام:1/487. ② صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب المهاجرين وفضلهم، حديث: 3653. ③ صحيح البخاري، المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، حديث: 3615.

غالبًا دوسرے دن ''ام معبد'' کے خیمے سے گزر ہوا۔ یہ ''قدید'' کے اطراف میں ''مُشَلَّل'' کے پاس ہوا کرتی تھیں۔ ''مُشَلَّل'' مکہ سے 130 کلومیٹر دور ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا:

«هَلْ عِنْدَكِ شَيْءٌ؟» ''کیا تمھارے پاس کچھ ہے؟''

اس نے میزبانی سے معذرت کی اور بتلایا کہ بکریاں دور دراز گئی ہوئی ہیں۔ ادھر خیمے کے ایک گوشے میں ایک بکری تھی، جسے کمزوری نے ریوڑ سے پیچھے چھوڑ رکھا تھا اور اس میں دودھ کا ایک قطرہ بھی نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اجازت لے کر اسے دوہا تو اس نے اس قدر دودھ دیا کہ ایک بڑا سا برتن بھر گیا، جسے پوری ایک جماعت بمشکل اٹھا سکتی تھی۔ آپ ﷺ نے اسے ''ام معبد'' کو پلایا، وہ آسودہ ہوگئی تو اپنے ساتھیوں کو پلایا۔ وہ بھی آسودہ ہو گئے تو خود پیا اور دوبارہ دوہ کر برتن بھر دیا اور اسے ''ام معبد'' کے پاس چھوڑ کر روانہ ہو گئے۔

اس کا شوہر آیا تو دودھ دیکھ کر اسے تعجب ہوا۔ دریافت کیا تو ام معبد نے پوری بات بتلائی اور نبی ﷺ کا سراپا سر سے پاؤں تک اور گفتگو اور طور اطوار نہایت باریکی سے بیان کیے۔ اس پر ابو معبد بول اٹھا: ''یہ تو واللہ! صاحب قریش ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ آپ کا ساتھ اختیار کروں اور کوئی راستہ ملا تو ایسا ضرور کروں گا۔''

تیسرے روز صبح اہل مکہ نے ایک آواز سنی جو زیریں مکہ سے شروع ہوئی اور بالائی مکہ سے گزر کر نکل گئی۔ لوگوں نے اس کا پیچھا کیا۔ مگر ''صاحب آواز'' کو نہ دیکھا، وہ کہہ رہا تھا:

جَزَى اللّٰهُ رَبُّ النَّاسِ خَيْرَ جَزَآئِهِ
رَفِيقَيْنِ حَلَّا خَيْمَتَيْ أُمِّ مَعْبَدِ
هُمَا نَزَلَا بِالْبِرِّ وَارْتَحَلَا بِهِ
وَ أَفْلَحَ مَنْ أَمْسَى رَفِيقَ مُحَمَّدِ
فَيَا لِقُصَيٍّ مَا زَوَى اللّٰهُ عَنْكُمْ

بِهِ مِنْ فَعَالٍ لَا تُجَارٰى وَ سُؤْدَدِ
لِيَهْنِ بَنِي كَعْبٍ مَكَانُ فَتَاتِهِمْ
وَ مَقْعَدُهَا لِلْمُؤْمِنِينَ بِمَرْصَدِ
سَلُوا أُخْتَكُمْ عَنْ شَاتِهَا وَ إِنَائِهَا
فَإِنَّكُمْ إِنْ تَسْأَلُوا الشَّاةَ تَشْهَدِ

''اللہ جو لوگوں کا پروردگار ہے، ان دو رفیقوں کو بہترین جزا دے جو ام معبد کے خیمے میں نازل ہوئے۔ وہ دونوں خیر کے ساتھ اترے اور خیر ہی کے ساتھ روانہ ہوئے اور جو محمد کا رفیق ہوا، وہ کامیاب ہوا۔ ہائے قصی! اللہ نے اس کے ساتھ کتنے بے نظیر کارنامے اور سرداریاں سمیٹ دیں۔ بنو کعب کو ان کی خاتون کی قیام گاہ اور مومنین کی نگہداشت کا پڑاؤ مبارک ہو۔ تم اپنی خاتون سے اس کی بکری اور برتن کے متعلق پوچھو تم اگر خود بکری سے پوچھو گے تو وہ بھی شہادت دے گی۔''[1]

پھر آپ ''قدید'' سے آگے بڑھے تو سراقہ بن مالک بن جعشم مدلجی نے قریش کے اعلان کردہ انعام کے لالچ میں اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر آپ ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا پیچھا کیا۔ قریب پہنچا تو گھوڑا پھسل گیا اور سراقہ نیچے آ رہا۔ اس نے اٹھ کر فال گیری کے تیر دیکھے کہ نقصان پہنچا سکتا ہے یا نہیں۔ تیر وہ نکلا جو ناپسند تھا لیکن فالِ بد کی پروا کیے بغیر وہ سوار ہو کر اور آگے بڑھا۔ جب اس قدر قریب پہنچ گیا کہ آپ کی قراءت سننے لگا...... اور آپ التفات نہیں فرماتے تھے جبکہ ابو بکر رضی اللہ عنہ بار بار مُڑ کر دیکھ رہے تھے...... تو اس کے گھوڑے کے اگلے دونوں پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ یہاں تک کہ گھٹنوں تک جا پہنچے اور وہ گھوڑے سے گر گیا، پھر سراقہ کی ڈانٹ پر گھوڑا اٹھنے لگا تو بمشکل اپنے پاؤں نکال سکا اور جب وہ سیدھا کھڑا ہوا تو اس کے پاؤں کے نشان سے آسمان کی طرف دھویں جیسا غبار اڑ

[1] زادالمعاد:54,53/2، والمستدرك للحاكم:10,9/3، حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔ اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے، نیز دیکھیے شرح السنة للبغوي:264/13.

رہا تھا۔ سراقہ نے پھر فال گیری کے تیر نکالے تو پھر وہی نکلا جو ناپسند تھا۔ اس سے اس پر زبردست رعب طاری ہو گیا اور اسے یقین ہو گیا کہ نبی ﷺ کا معاملہ غالب آ کر رہے گا، چنانچہ اب اس نے امان کی پکار لگائی۔ نبی ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ٹھہر گئے۔ یہ ان کے پاس پہنچا اور بتلایا کہ قریش نے کیا طے کیا ہے اور خود یہ کس ارادے سے چلا تھا، پھر زاد و متاع پیش کیا لیکن نبی ﷺ نے کچھ نہ لیا، البتہ اس سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ آپ کی بات لوگوں سے چھپائے رکھے۔ سراقہ نے پروانۂ امن لکھوایا۔ آپ نے عامر بن فہیرہ کو حکم دیا اور انھوں نے ایک چمڑے پر لکھ دیا، پھر سراقہ واپس ہوا اور جو کوئی تلاش و جستجو میں ملا اس سے کہا:

''میں ادھر کی کھوج خبر لے چکا ہوں، یہاں تمھارا جو کام تھا کیا جا چکا ہے اور یوں تلاش کرنے والوں کو واپس کر دیا۔''[1]

راستے میں بُریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ ان کے ساتھ ان کی قوم کے ستر یا اسی گھرانے تھے۔ وہ سب مسلمان ہو گئے اور نبی ﷺ کے پیچھے عشاء کی نماز پڑھی۔ بریدہ غزوۂ احد کے بعد مدینہ آ گئے۔[2]

مقام ''عرج'' میں آپ کا گزر ابوتمیم اوس بن حجر اسلمی کے پاس سے ہوا۔ اس وقت بعض اونٹوں کے تھکنے کی وجہ سے آپ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک ہی اونٹ پر تھے۔ اوس نے اپنا ایک اونٹ دیا اور اپنے غلام مسعود بن ہنیدہ کو ساتھ کر دیا، جو مدینے تک آپ کا ہم رکاب رہا۔ احد کے موقع پر بھی اوس نے مشرکین کی آمد کی خبر اپنے اسی غلام کے ذریعے سے رسول اللہ ﷺ کو بھجوائی تھی۔ اوس مسلمان ہو گیا تھا لیکن عرج ہی میں قیام پذیر رہا۔[3]

وادیٔ ریم میں پہنچے تو حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، جو مسلمانوں کے ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام سے واپس آ رہے تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ

① صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب هجرة النبي ﷺ وأصحابه إلى المدينة، حديث:3906.
② أسدالغابة:209/1. ③ أسد الغابة:173/1، و سيرت ابن هشام:491/1.

کو سفید پارچہ جات پیش کیے۔[1]

قبا میں تشریف آوری سوموار 8 ربیع الاول سنہ 14 نبوت بمطابق سنہ 1 ہجری کو رسول اللہ ﷺ قبا میں داخل ہوئے۔ ادھر اہلِ مدینہ نے جب سے رسول اللہ ﷺ کی روانگی کی خبر سنی تھی، روزانہ صبح ہی صبح حَرَّہ کی طرف نکل جاتے تھے اور جب دوپہر سخت ہوجاتی تو پلٹ آتے تھے۔ ایک روز طویل انتظار کے بعد لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس جا چکے تھے کہ ایک یہودی اپنے چھوٹے سے قلعے کی چھت پر کچھ دیکھنے کے لیے چڑھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے رفقاء سفید کپڑوں میں ملبوس، چلے آرہے ہیں۔ اس نے بے خود ہوکر نہایت بلند آواز سے کہا:

"عرب کے لوگو! یہ رہا تمھارا نصیب جس کا تم انتظار کر رہے تھے۔"

یہ سنتے ہی مسلمان ہتھیار اٹھا اٹھا کر استقبال کے لیے نکل پڑے اور نبی ﷺ کی تشریف آوری پر مارے خوشی کے شور برپا ہوگیا۔ اس موقع پر تکبیر کی گونج سنی گئی۔ لوگوں نے حرہ کا رخ کیا اور وہیں پر آپ سے ملاقات کی، پھر آپ دائیں جانب مڑ گئے اور قبا میں "بنی عمرو بن عوف" میں قیام فرمایا۔

قبا میں اترنے کے بعد آپ ﷺ خاموش بیٹھ گئے۔ اب انصار کا جو آدمی آتا جس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا نہ تھا، وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کو رسول سمجھ کر انھی کو سلام کرتا کیونکہ ان کے بالوں میں سفیدی آچکی تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ پر دھوپ آگئی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چادر تان کر آپ پر سایہ کیا، تب لوگوں نے پہچانا کہ یہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔[2]

قبا میں رسول اللہ ﷺ نے کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ اور کہا جاتا ہے کہ سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ کے مکان پر قیام فرمایا اور وہاں چار دن ٹھہر کر مسجد قبا کی بنیاد رکھی اور اس میں نماز پڑھی۔ پانچویں دن ...... جو جمعے کا دن تھا...... اللہ کے حکم سے سوار ہوئے، ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے

[1] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب هجرة النبي ﷺ، حديث: 3906. [2] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب هجرة النبي ﷺ، حديث: 3906.

بیٹھے تھے۔ آپ نے اپنے ننھیال ”بنونجار“ کے پاس پیغام بھجوایا۔ وہ لوگ تلواریں حمائل کیے حاضر ہوئے۔ اس کے بعد ان کی معیت میں آپ نے مدینہ کی جانب کوچ کیا۔[1] بنوسالم بن عوف کی بستی میں پہنچے تو جمعے کا وقت ہو گیا۔ آپ نے وہیں بطن وادی میں جمعے کی نماز پڑھائی، جس میں سو آدمی شریک تھے۔[2]

مدینے میں داخلہ جمعے کے بعد مدینے کا رخ کیا۔ لوگ استقبال کے لیے امنڈ پڑے تھے۔ گھر اور گلی کوچے حمد و تسبیح سے گونج رہے تھے۔ عورتیں اور بچے، بچیاں نکل نکل کر کہہ رہی تھیں:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا
مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا
مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِ
أَيُّهَا الْمَبْعُوثُ فِينَا
جِئْتَ بِالْأَمْرِ الْمُطَاعِ

”ہم پر مدینے کے اطراف سے چودھویں کا چاند طلوع ہوا۔ جب تک اللہ کو پکارنے والا پکارے، ہم پر شکر واجب ہے۔ اے ہم میں بھیجے گئے (نبی)! آپ واجب الاطاعت دین لے کر آئے ہیں۔“

رسول اللہ ﷺ انصار کے جس محلے سے گزرتے لوگ آپ کی اونٹنی کی نکیل پکڑ لیتے اور عرض کرتے کہ ہر طرح کا سامان اور ہتھیار وحفاظت فرشِ راہ ہیں۔ تشریف لائیے! مگر آپ فرماتے: «خَلُّوا سَبِيلَهَا فَإِنَّهَا مَأْمُورَةٌ»

[1] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب هجرة النبي ﷺ، حديث: 3911. [2] سیرت ابن ھشام: 494/1، و زادالمعاد: 55/2.

"اونٹنی کی راہ چھوڑ دو، یہ اللہ کی طرف سے مامور ہے۔"

چنانچہ اونٹنی جب اس مقام پر پہنچی جہاں آج مسجد نبوی ہے تو وہ بیٹھ گئی لیکن آپ نیچے نہیں اترے، یہاں تک کہ وہ اٹھ کر تھوڑی دور آگے گئی، پھر مڑ کر دیکھنے کے بعد پلٹ آئی اور اپنی پہلی جگہ پر دوبارہ بیٹھ گئی۔ آپ اونٹنی سے اُتر آئے۔ اب لوگوں نے اپنے اپنے گھر لے جانے کے لیے آپ سے عرض معروض شروع کی لیکن حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے جلدی سے آپ کا کجاوہ اٹھالیا اور اپنے گھر لے کر چلے گئے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے:

«اَلْمَرْءُ مَعَ رَحْلِهِ» "آدمی اپنے کجاوے کے ساتھ ہے۔"

البتہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی اونٹنی کی نکیل پکڑ لی، اس لیے وہ انھی کے پاس رہی۔[1]

ادھر سردارانِ انصار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیافت میں ایک دوسرے سے بڑھ کر حصہ لیا، چنانچہ ان کی طرف سے روزانہ کئی کئی کھانے کے طشت پہنچتے۔ کوئی ایسی رات نہ آتی کہ آپ کے دروازے پر تین، چار طشت حاضر نہ ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہجرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ مکے میں تین روز ٹھہرے رہے۔ اس دوران میں، اہل مکہ کی جو امانتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھیں، انھیں ادا کیا، پھر پیدل چل پڑے اور قبا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آملے۔ ان کا قیام کلثوم بن ہدم کے مکان پر تھا۔[2]

اہلِ بیت کی ہجرت جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں قیام پذیر ہو چکے تو زید بن حارثہ اور ابو رافع کو مکہ بھیجا۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں صاحبزادیوں حضرت فاطمہ وام کلثوم، ام المؤمنین حضرت سودہ اور ام ایمن رضی اللہ عنہن اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو ساتھ لائے۔ ان کے ہمراہ

[1] سیرت ابن ہشام:1/496,494، وزادالمعاد: 55/2، وصحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب هجرة النبي، وأصحابه إلى المدينة، حديث: 3911. [2] سیرت ابن ہشام: 493/1، و زادالمعاد:54/2.

عبد اللہ بن ابوبکر بھی ابوبکر کے عیال ام رومان، عائشہ اور اسماء کو لے کر آئے۔ رضی اللہ عنہم۔ یہ نبی ﷺ کی ہجرت کے چھ ماہ بعد کا واقعہ ہے۔①

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی ہجرت حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے بعد ہجرت کی۔ انھوں نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو مشرکین نے اُنھیں روک لیا۔ ان کے پاس بہت سا مال تھا۔ وہ مال سے دستبردار ہو گئے تو مشرکین نے ان کی راہ چھوڑ دی۔ جب وہ مدینہ پہنچے اور رسول اللہ ﷺ کو واقعہ سنایا تو آپ نے فرمایا: «رَبِحَ الْبَيْعُ يَا أَبَا يَحْيٰى!» ''ابو یحییٰ! یہ بیع کامیاب رہی۔'' ابو یحییٰ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی کنیت تھی۔②

کمزور مسلمان مشرکین نے بعض مسلمانوں کو ہجرت سے روک رکھا تھا۔ وہ انھیں ستاتے اور دین سے پھیرنے کی کوشش کرتے تھے۔ انھی میں ولید بن ولید، عیاش بن ابوربیعہ اور ہشام بن عاص رضی اللہ عنہم تھے۔ رسول اللہ ﷺ کچھ عرصہ ان کے لیے نماز میں دعا (قنوتِ نازلہ) فرماتے رہے اور جن کفارِ قریش نے انھیں روکا تھا ان پر بددعا کرتے رہے، یہی قنوت کی اصل ہے، پھر بعض مسلمانوں نے جرأت مندانہ قدم اٹھا کر انھیں کفار کی قید سے چھڑا لیا اور یہ بھی مدینہ آگئے۔③

مدینے کی آب وہوا مہاجرین مدینہ اترے تو جس زمین میں پلے بڑھے تھے، اس کی یاد ستانے لگی۔ اس پر مستزاد یہ کہ مدینہ، اللہ کی سب سے زیادہ وبا انگیز سرزمین تھی، چنانچہ یہاں آنے کے بعد انھیں بخار اور مختلف امراض نے پکڑ لیا۔ آخر نبی ﷺ نے اپنے پروردگار سے دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ إِلَيْنَا الْمَدِينَةَ، كَحُبِّنَا مَكَّةَ أَوْ أَشَدَّ، وَ صَحِّحْهَا، وَ بَارِكْ لَنَا فِي صَاعِهَا وَ مُدِّهَا، وَانْقُلْ حُمَّهَا فَاجْعَلْهَا بِالْجُحْفَةِ»

''اے اللہ! ہمارے نزدیک مدینہ کو اسی طرح محبوب کر دے، جیسے مکہ محبوب تھا یا اس

① زادالمعاد: 55/2 وغیرہ. ② المعجم الكبير للطبراني: 43/8، حديث: 7308، وسیرت ابن هشام:477/1. ③ سیرت ابن هشام:476,474/1.

سے بھی زیادہ۔ اور مدینے کی فضا صحت بخش بنا دے اور اس کے صاع اور مد (غلے کے پیمانوں) میں برکت دے اور اس کا بخار منتقل کر کے جُحفہ پہنچا دے۔''

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی یہ دعا سن لی۔ مسلمان امراض سے راحت پا گئے اور انھیں مدینہ محبوب ہو گیا۔[1]

مدینہ منورہ میں نبی ﷺ کے اعمال

جب نبی ﷺ مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہو چکے تو ''دعوت الی اللہ'' کے ساتھ ساتھ وہاں کے دینی اور دنیوی امور کو بھی منظم کرنا شروع کیا۔

مسجد نبوی اس سلسلے میں آپ ﷺ کا پہلا قدم یہ تھا کہ آپ نے مسجدِ نبوی کی تعمیر شروع کی اور اس کے لیے وہ زمین خریدی جس پر آپ کی اونٹنی بیٹھی تھی۔ یہ دو یتیم بچوں کی زمین تھی۔ تقریباً سو ہاتھ لمبی اور سو ہاتھ چوڑی۔ اس میں مشرکین کی چند قبریں تھیں۔ کچھ ویرانہ تھا۔ کھجور اور غرقد کے چند درخت بھی تھے۔ آپ نے قبریں اکھڑوا دیں۔ ویرانہ ختم کرا دیا۔ درخت اور کھجوریں کٹوا دیں اور انھیں قبلے کی جانب لگوا دیا۔ بنیاد تقریباً تین ہاتھ کھدوائی۔ دیواریں مٹی اور کچی اینٹوں سے اٹھوائیں۔ دروازے کے دونوں بازو پتھر کے لگائے گئے۔ چھت کھجور کی شاخوں کی اور شہتیر کھجور کے تنوں کے۔ فرش پر ریت اور کنکریاں بچھائی گئیں۔ مسجد میں تین دروازے رکھے گئے۔ قبلہ شمال میں بیت المقدس کی طرف تھا۔ تعمیر کے لیے رسول اللہ ﷺ مہاجرین وانصار کے ساتھ خود پتھر اور اینٹیں ڈھوتے تھے۔ آپ رَجز پڑھتے تھے اور مہاجرین وانصار بھی رَجز پڑھتے تھے، اس سے ان کی تیزی اور بڑھ جاتی تھی۔[2]

آپ نے مسجد کے بازو میں پتھر اور مٹی کے دو حجرے بھی بنائے، جن پر کھجور کے تنوں

[1] صحيح البخاري، فضائل المدينة، باب كراهية النبيﷺ أن تعرى المدينة، حديث: 1889.
[2] صحيح البخاري، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية......، حديث: 428.

اور شاخوں کی چھت ڈالی۔ ایک حضرت سودہ بنت زمعہ کے لیے اور دوسرا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے اس وقت آپ کے عقد میں یہی دو بیویاں تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کی آمد کے تھوڑے ہی دن بعد شوال سنہ 1 ہجری میں رخصت کیا گیا۔[1]

اذان اب مسلمان پانچوں نمازیں باجماعت ادا کرنے کے لیے حاضر ہو رہے تھے اور اس کے لیے وہ وقت کا اندازہ لگاتے تھے مگر دقت یہ تھی کہ کوئی بہت پہلے آ جاتا تھا تو کوئی دیر سے پہنچتا، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے مشورہ کیا کہ کوئی ایسی علامت اختیار کی جائے جس سے سب کو وقت کا پتہ چل جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

"کیوں نہ کسی آدمی کو بھیج دیا جائے جو «اَلصَّلَاةُ جَامِعَةٌ» "نماز جمع کرنے والی ہے۔" پکار دیا کرے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی رائے قبول کی اور اسی پر عمل کیا، پھر حضرت عبد اللہ بن زید بن عبد ربہ انصاری رضی اللہ عنہ نے خواب میں اذان سنی اور آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی۔ آپ نے فرمایا: «إِنَّهَا لَرُؤْيَا حَقٌّ» "یہ سچا خواب ہے۔"

اور حکم دیا کہ وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو یہ کلمات القا کرتے جائیں اور بلال پکارتے جائیں کیونکہ ان کی آواز زیادہ بلند اور سریلی ہے، چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کہی۔ ان کی آواز سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے آئے اور کہا: "واللہ! میں نے بھی اسی طرح کا خواب دیکھا ہے۔ اس سے اس خواب کی مزید تائید ہو گئی اور اسی دن سے یہ اذان اسلام کا ایک شعار بن گئی۔"[2]

مہاجرین وانصار میں بھائی چارہ یہ انصار کا کرم اور ان کی خوبی تھی کہ وہ مہاجرین کو اپنے گھر ٹھہرانے اور ان کی میزبانی کرنے میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانا چاہتے

[1] زادالمعاد: 2 / 56. [2] جامع الترمذي، الصلاة، باب ما جاء في بدء الأذان، حديث: 189 (359,358/1)، وسنن أبي داود، الصلاة، باب كيف الأذان، حديث: 499، ومسند أحمد: 43/4 وغيره.

تھے۔ وہ اللہ کے اس ارشاد کا حقیقی نمونہ تھے:

﴿ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ أُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾

''اور وہ لوگ جنھوں نے دار (ہجرت) میں پہلے سے ٹھکانا بنایا اور ایمان لائے تو جو ان کے پاس ہجرت کر کے آتا ہے، اس سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ انھیں دیا جائے اپنے سینوں میں اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتے اور اپنے آپ پر اوروں کو ترجیح دیتے ہیں، خواہ انھیں تنگ دستی کیوں نہ ہو۔''[1]

پھر نبی ﷺ نے اس محبت وایثار کو انصار اور مہاجرین میں بھائی چارا کرا کے مزید پختہ کر دیا، چنانچہ آپ ﷺ نے ہر انصاری اور اس کے نزیل (مہاجر مہمان) کو بھائی قرار دیا۔ یہ کل نوے آدمی تھے۔ آدھے مہاجرین سے اور آدھے انصار سے۔ آپ نے ان کے درمیان غم گساری پر اور اس بات پر بھائی چارہ کرایا کہ قرابت داروں کے بجائے وہی موت کے بعد ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ بعد میں وراثت تو منسوخ کر دی گئی لیکن بھائی چارگی باقی رہی۔ یہ ''بھائی چارگی'' حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے مکان پر عمل میں آئی۔

مہاجرین سے انصار کی محبت ہی کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے نبی ﷺ کو اپنے کھجوروں کے باغات پیش کیے کہ آپ ان کے اور مہاجرین کے درمیان انھیں تقسیم فرما دیں۔ آپ نے انکار فرمایا تو انھوں نے کہا: ''پھر آپ لوگ کام کر دیا کریں اور ہم پھلوں میں آپ لوگوں کو شریک کرلیں گے۔''

آپ ﷺ نے اسے منظور فرمالیا۔[2]

---

[1] الحشر 59:9. [2] صحیح البخاري، الكفالة، باب قول الله عزوجل: ﴿ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ ﴾، حدیث: 2294، وصحیح مسلم،فضائل الصحابة، باب مؤاخاة النبي بين أصحابه، حدیث: 2529، وسنن أبي داود، الفرائض، باب في الحلف، حدیث: 2926، والأدب المفرد للبخاري، حدیث:683، ومسند أبي يعلى:366/4، وزادالمعاد:56/2 وغیرہ۔

حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ بڑے مالدار انصاری تھے، انھوں نے اپنے مہاجر بھائی عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ سے کہا:

میرا مال آدھا آدھا تقسیم کر لو۔ میری دو بیویاں ہیں، دیکھ لو۔ جو تمھیں زیادہ پسند ہو، مجھے بتلا دو، میں اسے طلاق دے دیتا ہوں، عدت گزر جائے تو اس سے شادی کر لینا۔

عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اللہ آپ کے اہل اور مال میں برکت دے۔ آپ لوگوں کا بازار کدھر ہے؟''

انھوں نے انھیں بنو قینقاع کا بازار بتلا دیا۔ وہ واپس آئے تو ان کے پاس کچھ فاضل پنیر اور گھی تھا، پھر تھوڑے ہی دن گزرے کہ انھوں نے مال بھی کما لیا اور ایک انصاری عورت سے شادی بھی کر لی۔[1]

اسلامی معاشرے اور اسلامی امت کی بنیاد رکھنا یہ ''بھائی چارا'' مہاجرین کے ایک فرد اور انصار کے ایک فرد کے درمیان تعلق قائم کرتا تھا لیکن مسلمان مدینہ آنے کے بعد چونکہ ایک مستقل امت بن چکے تھے، اس لیے ان کی اجتماعی تنظیم کی بھی ضرورت تھی اور انھیں یہ بھی بتلانا تھا کہ ان کے حقوق و واجبات کیا ہیں اور ان نکات کی بھی نشاندہی کرنی تھی جو اُنھیں اوروں سے الگ ایک مستقل امت بناتے ہیں۔

پھر مدینے میں مسلمانوں کے علاوہ دو جماعتیں اور تھیں جو عقیدے اور دین، مصالح اور ضروریات اور جذبات و احساسات میں مسلمانوں سے یکسر مختلف تھیں اور وہ تھے مشرکین اور یہود، چنانچہ نبی ﷺ نے ایک عہد و پیمان مسلمانوں کے مابین کرایا اور دوسرا عہد و پیمان مسلمانوں اور مشرکین، نیز مسلمانوں اور یہود کے درمیان کرایا اور اس بارے میں ایک تحریر بھی لکھوائی جس کے خاص خاص نکات یہ ہیں:

1. قریش اور یثرب کے مومنین و مسلمین اور ان کے ماتحت ہو کر ان کے ساتھ ملنے والے

[1] صحيح البخاري، البيوع، باب ماجاء في قول الله ﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ﴾، حديث:3048.

اور جہاد کرنے والے، بقیہ لوگوں سے الگ ایک امت ہیں۔

2 ان کی دیت کی ادائی اور قیدی کی رہائی اہل ایمان کے درمیان حسب سابق ہوگی اور یہ فدیہ اور دیت میں اہل ایمان کی مدد کریں گے۔

3 یہ لوگ مفسد، ظالم اور باغی کے خلاف ایک ہاتھ ہو کر اٹھیں گے، چاہے وہ ان کی اپنی اولاد ہی کیوں نہ ہو۔

4 کوئی مومن کسی مومن کو کافر کے بدلے قتل نہ کرے گا اور نہ کسی مومن کے خلاف کسی کافر کی مدد کرے گا۔

5 اللہ کا ذمہ ایک ہے، لہٰذا ایک معمولی آدمی کا دیا ہوا ذمہ بھی سارے مسلمانوں پر لاگو ہوگا۔

6 جو یہود مسلمانوں کے پیروکار ہو جائیں ان کی مدد کی جائے گی اور وہ دوسرے مسلمانوں کی طرح ہوں گے۔

7 مسلمانوں کی صلح ایک ہوگی۔

8 جو کسی مومن کو قصداً قتل کر دے اس سے قصاص لیا جائے گا، سوائے اس صورت کے کہ مقتول کے ولی راضی ہو جائیں اور اہل ایمان پر ضروری ہے کہ سب قاتل کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔

9 کسی مومن کے لیے حلال نہیں کہ کسی ہنگامہ برپا کرنے والے یا بدعتی کی مدد کرے یا اسے ٹھکانا مہیا کرے۔

10 اور ان کے درمیان کسی بات میں اختلاف ہو تو اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹایا جائے گا۔[1]

اس عہد و پیمان کے علاوہ نبی ﷺ نے مختلف اوقات اور مواقع پر مسلمانوں سے ”اسلامی اخوت“ کا حق بھی بیان فرمایا۔ انھیں باہم تعاون و مدد، اتحاد و یگانگت اور غم گساری و خبر گیری

[1] سیرت ابن ھشام: 1/502-504.

کی ترغیب دی، یہاں تک کہ یہ ''اخوت'' تاریخ کی سب سے بلند چوٹی تک پہنچ گئی۔

باقی رہے مشرکین تو ان کا معاملہ چل چلاؤ پر تھا۔ ان کی اکثریت اپنے سرداروں اور بڑوں سمیت مسلمان ہو چکی تھی اور ان میں اتنی سکت نہ تھی کہ مسلمانوں کے مدمقابل کھڑے ہو سکتے، لہٰذا ان سے نبی ﷺ نے یہ عہد لیا: ''کوئی مشرک قریش کی جان ومال کو پناہ نہ دے گا اور نہ کسی مومن کے آگے اس کی حفاظت کے لیے رکاوٹ بن سکے گا۔''

اور اس عہد کے بعد ان کی طرف سے کوئی اندیشہ نہ رہا۔

باقی رہے یہود تو ان کے ساتھ نبی ﷺ نے جو معاہدہ کیا، اس کے خاص خاص نکات حسب ذیل ہیں:

1. یہود مسلمانوں کے ساتھ ایک امت ہوں گے۔ ان کے لیے ان کا دین اور مسلمانوں کے لیے مسلمانوں کا دین ہوگا۔ ان کے ذمے ان کا خرچ ہوگا اور مسلمانوں کے ذمے مسلمانوں کا۔
2. جو طاقت اس معاہدے کے کسی بھی فریق سے جنگ کرے گی یا یثرب پر حملہ آور ہوگی، سب اس کے خلاف آپس میں تعاون کریں گے اور ہر ایک اپنی جانب کا دفاع کرے گا۔
3. اس معاہدے کے شرکاء کے درمیان خیر خواہی، خیر اندیشی اور نیکو کاری کے تعلقات ہوں گے، گناہ کے نہیں۔
4. آدمی اپنے حلیف کے جرم میں نہیں پکڑا جائے گا۔
5. مظلوم کی مدد کی جائے گی۔
6. جب تک جنگ برپا رہے گی، یہود بھی مسلمانوں کے ساتھ خرچ برداشت کریں گے۔
7. اس معاہدے کے شرکاء پر یثرب میں ہنگامہ آرائی اور کشت وخون حرام ہوگا۔
8. اور اگر ان میں کوئی ہنگامہ یا جھگڑا برپا ہو جائے تو اس کا فیصلہ اللہ اور اس کا رسول کریں گے۔

9 قریش اور ان کے مددگاروں کو پناہ نہیں دی جائے گی۔

10 اور یہ معاہدہ کسی ظالم یا مجرم کے لیے آڑ نہ بنے گا۔[1]

اس قرار داد کے ذریعے سے یثرب کے سارے باشندے مسلمان، مشرکین اور یہود ایک ہی وحدت کی لڑی میں پرو دیے گئے اور مدینہ اور اس کے اطراف کو ملا کر ایک آزاد خود مختار حکومت قائم ہو گئی جس میں مسلمانوں کا کلمہ نافذ تھا اور جس کے سربراہ محمد رسول اللہ ﷺ تھے۔

اس کے ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ اور مسلمان ''دعوت الی اللہ'' کے کام میں سرگرم ہو گئے، چنانچہ آپ ﷺ مسلمانوں اور غیر مسلموں کی مجالس میں تشریف لے جاتے، ان کے سامنے ''کلام اللہ'' کی آیات تلاوت فرماتے، اللہ کی طرف بلاتے اور جو ایمان لاتا، اس کا تزکیہ فرماتے اور اسے کتاب وحکمت سکھاتے۔

[1] سیرت ابن هشام:1/502-504.

قریش کے داؤ پیچ مدینہ پہنچ کر نبی ﷺ وہاں کے معاملات مرتب فرما رہے تھے، زندگی کے مختلف گوشوں کی تنظیم کر رہے تھے اور یہ توقع کر رہے تھے کہ وہاں آپ کو اور مسلمانوں کو کسی کشمکش اور ٹکراؤ کے بغیر اپنے دین پر عمل کرنے کے لیے ایک پر امن ماحول میسر آئے گا کہ اسی دوران میں قریش کے داؤ پیچ سامنے آئے جن کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کا خاتمہ ہو جائے۔

چنانچہ قریش نے مشرکینِ یثرب کو لکھا:

''مسلمانوں سے لڑ کر انھیں مدینے سے نکال باہر کریں۔ اگر ایسا نہ کیا تو قریش ان کے جوانوں کو قتل کر دیں گے اور عورتوں کو قیدی بنا لیں گے۔''

اس خط کی آمد پر یثرب کے مشرکین اس پر عمل درآمد کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کے پاس جا کر وعظ و نصیحت کی تو لڑائی کے ارادے سے باز آ گئے اور اِدھر اُدھر بکھر گئے۔[1]

اسی طرح اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ عمرے کے لیے مکہ گئے۔ وہ ابوصفوان امیہ بن خلف کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے کہ ابوجہل سے سامنا ہو گیا۔ اس نے حضرت سعد کو پہچانا تو انھیں دھمکیاں دیں۔ کہنے لگا: ''مکے میں امن کے ساتھ گھوم رہے ہو جبکہ اپنے یہاں بے دینوں کو پناہ دے رکھی ہے۔ سنو! اللہ کی قسم! اگر تم ابوصفوان کے ساتھ نہ ہوتے تو اپنے گھر سلامت پلٹ کر نہ جا سکتے تھے۔'' یہ مسلمانوں کو مسجد حرام سے

[1] سنن أبي داود، الخراج، باب خبر النضير، حديث:3004.

روکنے کا اعلان تھا اور اس کا بھی کہ اگر وہ قریش کی حدود میں پائے گئے تو انھیں قتل کر دیا جائے گا۔[1]

قریش کے تعلقات یثرب کے یہود سے بھی تھے اور یہود...... جیسا کہ انجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام سے منقول ہے...... سانپ اور سانپوں کی اولاد تھے، چنانچہ وہ اوس وخزرج کے درمیان پرانی دشمنیاں اور دفن شدہ کینے اکھیڑتے رہتے تھے۔ اُنھیں ایک دوسرے کے خلاف بھڑکانے اور دنگا فساد پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

یوں مدینے میں اندر اور باہر سے مسلمانوں کو خطرات نے گھیر لیا اور بات یہاں تک جا پہنچی کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہتھیار لے کر سوتے تھے اور ہتھیار کے ساتھ ہی صبح جاگتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پہرے کا انتظام کیا گیا تھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا: ﴿ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ﴾ ”اللہ تعالیٰ لوگوں سے آپ کی حفاظت کرے گا۔“[2]

چنانچہ آپ نے فرمایا:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! انْصَرِفُوا عَنِّي، فَقَدْ عَصَمَنِي اللهُ عَزَّوَجَلَّ»

”لوگو! واپس جاؤ۔ اللہ عزوجل نے مجھے محفوظ کر دیا ہے۔“[3]

لڑائی کی اجازت ان پُر خطر حالات میں اللہ عزوجل نے قریش سے قتال کی اجازت نازل فرمائی۔ آئندہ چل کر حالات مزید بدلے تو یہ اجازت واجب کے درجے تک پہنچ گئی، جس میں ”غیر قریش“ بھی شامل تھے لیکن ان واقعات کے ذکر سے پہلے ان مراحل کا مختصر ذکر ضروری ہے۔

- پہلا مرحلہ: ”مشرکینِ قریش“ کو برسرِ جنگ سمجھنا کیونکہ اُنھی نے ظلم کا آغاز کیا تھا، لہٰذا مسلمانوں کو حق پہنچتا تھا کہ ان سے لڑائی لڑیں اور ان کا مال ضبط کریں جبکہ دوسرے مشرکینِ عرب کے ساتھ یہ صورت حال نہ تھی۔

[1] صحيح البخاري، المناقب، باب علامات النبوة، حديث:3632. [2] المآئدة5:67. [3] جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب سورة المآئدة، حديث:3046(234/5).

- دوسرا مرحلہ: ”مشرکینِ عرب“ میں سے جو قریش کا ساتھ دیں اور ان سے اتحاد کریں یا غیر قریش میں سے جو بذاتِ خود مسلمانوں پر ظلم وزیادتی کریں، ان سب سے لڑنا۔
- تیسرا مرحلہ: جن یہود نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عہد و پیمان کر رکھا ہے اگر وہ خیانت کریں اور مشرکین کا ساتھ دیں تو ان کے عہد بشرطِ استواری کو توڑ دینا۔
- چوتھا مرحلہ: جو اہل کتاب، مثلاً: نصاریٰ مسلمانوں سے دشمنی کا آغاز کریں تو ان سے بھی لڑنا، یہاں تک کہ وہ چھوٹے بن کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔
- پانچواں مرحلہ: جو مشرک، یہودی یا نصرانی وغیرہ اسلام میں داخل ہوجائے اس سے ہاتھ روک لینا۔ اس کی جان ومال سے تعرض نہ کرنا سوائے اس صورت کے کہ وہ خود شرعی طور پر اس کا سزاوار ہو اور اس کے کفر کا حساب اللہ لے گا۔

سرایا اور غزوات جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمان شروع ہی سے احتیاط کا دامن پکڑے ہوئے تھے اور انھوں نے پہرے اور ہتھیاروں کے ساتھ سونے کا انتظام کر رکھا تھا۔ جب قتال کی اجازت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ”فوجی طلایہ گردی (فوجی گشت)“ کا انتظام فرمایا، جس کا سالار اپنے کسی صحابی کو بنا دیا کرتے تھے۔ اسے ”سریہ“ کہا جاتا ہے اور کبھی کبھی آپ ﷺ بنفس نفیس بھی نکلتے تھے۔ اسے ”غزوہ“ کہا جاتا ہے۔

اس ”طلایہ گردی“ کے مقاصد یہ تھے:

1. دشمن کی نقل وحرکت کا پتہ لگانا اور مدینے کے اطراف کو محفوظ رکھنا۔ ایسا نہ ہو کہ دشمن مسلمانوں پر دھوکے سے ٹوٹ پڑے۔
2. قریش کے قافلوں سے چھیڑ خانی کر کے ان پر دباؤ ڈالنا تاکہ انھیں اپنی تجارت اور جان ومال کے لیے خطرے کا احساس ہوجائے۔ اس کے بعد یا تو وہ اپنی حماقت سے باز کر مسلمانوں سے صلح کرلیں اور انھیں اسلام کو پھیلانے اور اس پر عمل کرنے کے لیے آزاد چھوڑ دیں اور یہی مسلمانوں کی انتہائی آرزو تھی۔ یا جنگ اور قتال کا راستہ اپنائیں اور ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں وہ سب سے پہلے اپنی تجارت کا راستہ کھو دیں گے کیونکہ

وہ مدینے کے اطراف سے گزرتا تھا اور دوسرے درجے پر اللہ کے حکم اور اس کی مدد سے اپنے شر اور ظلم کا بدلہ پا جائیں گے۔ اس کی طرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے کلام میں کئی بار اشارہ کیا جا چکا تھا۔

3 دوسرے قبائل کے ساتھ دوستی وتعاون اور جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کرنا۔

4 اللہ کا پیغام پہنچانا اور قولاً وعملاً اسلام کی دعوت دینا۔

اس سلسلے میں پہلا "سریہ" جو رسول اللہ ﷺ نے بھیجا وہ سریہٗ سِیفُ البَحرِ کہلاتا ہے۔ اسے آپ نے رمضان سنہ 1 ہجری میں بھیجا اور اپنے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کو اس کا امیر بنایا۔ اس میں کل تیس مہاجرین تھے۔ یہ لوگ عیص کے اطراف میں بحرِ احمر کے ساحل تک گئے اور قریش کا ایک قافلہ جو ابو جہل کی سرکردگی میں شام سے آرہا تھا، اس سے سامنا ہوا۔ دونوں فریقوں نے صفیں باندھ لیں، قریب تھا کہ جنگ ہو جاتی لیکن مجدی بن عمرو جہنی نے بیچ بچاؤ کرا دیا اور دونوں فریق واپس چلے گئے۔

یہ اسلامی تاریخ کا پہلا "سریہ" اور پہلا فوجی عمل تھا۔ اس کا جھنڈا سفید تھا، یہ اسلامی تاریخ کا پہلا جھنڈا تھا اور اس کے علمبردار ابو مرثد کنانہ بن حصین غنوی تھے۔

اس کے بعد پے درپے "سریے" روانہ کیے گئے، چنانچہ شوال میں ابو عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کو ساٹھ مہاجرین کے ساتھ بطن رابغ بھیجا گیا۔ وہاں ابو سفیان سے سامنا ہوا جو دو سو آدمیوں کے ساتھ تھا۔ دونوں طرف سے تیر چلے لیکن جنگ نہ ہوئی۔

پھر ذی قعد میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بیس مہاجرین کے ساتھ رابغ کے قریب خرار کی طرف بھیجا گیا لیکن ان کا کسی سے سامنا نہ ہوا۔

اس کے بعد صفر سنہ 2 ہجری میں ستر مہاجرین کے ساتھ رسول اللہ ﷺ بذاتِ خود نکلے اور ابواء یا وَدَّان تشریف لے گئے لیکن کسی سے سامنا نہ ہوا۔ اس سفر میں آپ ﷺ نے عمرو بن مخشی الضمری کے ساتھ امان اور تعاون کا معاہدہ کیا۔ یہ پہلی "مہم" ہے جس میں رسول اللہ ﷺ بنفسِ نفیس خود نکلے۔

اس کے بعد آپ ﷺ ربیع الاول سنہ 2 ہجری میں دو سو مہاجرین کے ساتھ رضوٰی کے اطراف میں بواط تک تشریف لے گئے۔ وہاں بھی کسی سے سامنا نہ ہوا۔

اسی مہینے میں کُرز بن جابر فہری نے مدینے کی چراگاہ پر چھاپہ مارا اور کچھ مویشی ہانک کر لے گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ستر مہاجرین کے ساتھ اس کا تعاقب کیا اور بدر کے اطراف میں سفوان تک تشریف لے گئے لیکن کُرز نکل بھاگا۔ اس واقعے کو ''غزوۂ بدر اولیٰ'' بھی کہتے ہیں۔

اس کے بعد آپ جمادی الاولیٰ یا جمادی الاخریٰ 2 ہجری میں ایک سو یا دو سو پچاس مہاجرین کے ساتھ ذو العُشَیرہ تک تشریف لے گئے۔ مقصود، قریش کے ایک قافلے کو روکنا تھا جو ملک شام جا رہا تھا لیکن وہ آپ ﷺ کے پہنچنے سے چند دن پہلے ہی جا چکا تھا۔ اس سفر میں آپ نے بنو مدلج کے ساتھ جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کیا۔

پھر رجب سنہ 2 ہجری میں آپ ﷺ نے عبد اللہ بن جحش اسدی رضی اللہ عنہ کو بارہ مہاجرین کے ہمراہ، مکہ اور طائف کے درمیان مقام ''نخلہ'' کے لیے روانہ کیا۔ مقصود یہ تھا کہ وہ قریش کے ایک قافلے کی خبر لائیں مگر ان لوگوں نے قافلے پر حملہ کر کے ایک آدمی کو قتل اور دو کو قید کر لیا اور قافلے کو ہانک لائے۔ اس حرکت پر رسول اللہ ﷺ ناراض ہوئے، چنانچہ قیدیوں کو چھوڑ دیا اور مقتول کا خوں بہا ادا کیا۔

یہ واقعہ رجب کی آخری تاریخ کو پیش آیا تھا، اس لیے مشرکین نے شور مچایا کہ مسلمانوں نے حرام مہینے کی حرمت پامال کر ڈالی۔ اس پر اللہ کا یہ ارشاد نازل ہوا:

﴿ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۤ وَاِخْرَاجُ اَھْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۭ﴾

''لوگ آپ سے حرام مہینے میں لڑائی کے متعلق پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیں اس میں جنگ کرنا بڑا گناہ ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام

سے روکنا اور اس کے باشندوں کو وہاں سے نکالنا، یہ سب اللہ کے نزدیک اور زیادہ بڑا جرم ہے اور فتنہ قتل سے بڑھ کر ہے۔“ ①

شعبان سنہ 2 ہجری میں قبلہ بھی بیت المقدس کی جگہ خانہ کعبہ کو بنا دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ یہی چاہتے تھے اور اسی کا انتظار کر رہے تھے۔ اس سے بعض ڈھوکے باز منافقین اور یہود بھی منظر عام پر آگئے جو جھوٹ موٹ مسلمان بنے ہوئے تھے، چنانچہ یہ مرتد ہو گئے اور مسلمانوں کی صفیں ان سے پاک ہوگئیں۔

یہ تھی جنگی نقل وحرکت، جو مدینہ اور اس کے اطراف کے امن کی حفاظت کے لیے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں نے قائم کر رکھی تھی۔ اس سے قریش کو یہ بتلانا بھی مقصود تھا کہ اگر وہ اپنے شر سے باز نہ آئے تو انجام برا ہو گا۔ لیکن وہ اپنی خودسری اور تکبر میں بڑھتے ہی گئے، چنانچہ بدر کے میدان میں اس کی سزا پائی اور جزا بہر حال گھاٹے ہی کی تھی۔

غزوۂ بدر کبریٰ {17 رمضان 2 ہجری}

یہ قریش اور مسلمانوں کے درمیان پہلا فیصلہ کن معرکہ ہے۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ جس قافلے کے لیے ذوالعشیرہ تشریف لے گئے تھے اور جو بچ کر شام چلا گیا تھا، آپ اس کی تاک میں تھے اور اس کی خبر لانے کے لیے آپ نے شام کے مقام حوراء تک دو آدمی بھیجے تھے، چنانچہ جیسے ہی یہ قافلہ وہاں سے گزرا، انھوں نے جلدی سے مدینہ خبر پہنچائی ② اور خبر ملتے ہی رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو نکلنے کی دعوت دی لیکن نکلنے کو ضروری بھی نہیں قرار دیا، چنانچہ اس دعوت پر 313، 314 یا 317 آدمیوں نے لبیک کہا جس میں 82 یا 83 یا 86 مہاجرین تھے اور 61 قبیلہ اوس کے اور 170 قبیلہ خزرج کے انصار تھے۔ انھوں نے مکمل تیاری بھی نہ کی تھی، ③ سواری میں صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے۔

① البقرۃ 2:217، ان سرایا اور غزوات کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سیرت ابن ہشام: 1/591-605، وزادالمعاد: 2/83 - 85. ② المغازی للواقدي. ③ صحيح البخاري، المغازي، باب عدة أصحاب بدر، حديث:3956.

رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے سفید جھنڈا باندھا اور اسے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا۔ اس کے علاوہ ایک جھنڈا مہاجرین کا تھا جسے حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ لیے ہوئے تھے اور ایک جھنڈا انصار کا تھا جسے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اٹھا رکھا تھا۔ مدینے کا انتظام ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا لیکن روحاء پہنچ کر ان کی جگہ ابو لُبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ مدینے سے نکلے تو "بدر" منزلِ مقصود تھی۔ یہ مدینے کے جنوب مغرب میں 155 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اسے ہر طرف سے بلند پہاڑوں نے گھیر رکھا ہے۔ آمد و رفت کے صرف تین راستے ہیں: ایک جنوب میں ہے جسے «اَلْعُدْوَةُ الْقُصْوٰی» (دور کا ناکہ) کہا جاتا ہے، دوسرا شمال میں ہے جو «اَلْعُدْوَةُ الدُّنْیَا» (قریب کا ناکہ) کہلاتا ہے۔ تیسرا شمالی راستے کے قریب ہی مشرق میں ہے اور اس سے اہل مدینہ آتے جاتے ہیں۔ مکے سے شام آنے جانے والے قافلوں کا راستہ اسی احاطے کے اندر سے گزرتا تھا۔ اس میں کچھ مکانات، کنوئیں اور باغات بھی تھے، اس لیے قافلے عموماً یہاں پڑاؤ ڈالتے تھے اور کئی گھنٹوں سے لے کر کئی دنوں تک ٹھہرتے تھے، لہٰذا یہ بات بہت آسان تھی کہ اس احاطے میں قریش کا قافلہ اترنے کے بعد مسلمان تینوں راستے بند کر دیں اور قافلہ اپنے آپ کو ان کے حوالے کرنے پر مجبور ہو جائے لیکن اس تدبیر کا لازمی تقاضا یہ تھا کہ قافلے کو مسلمانوں کے نکلنے کا مطلق علم نہ ہوتا کہ وہ غفلت میں بدر کے اندر اتر پڑیں۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ جب مدینے سے نکلے تو آپ نے پہلے پہل جو راستہ اختیار کیا وہ بدر کے بجائے کہیں اور جاتا تھا، پھر بہت دھیمی رفتار سے بدر کی جانب پیش قدمی فرمائی۔

جہاں تک قافلے کا تعلق ہے تو اس میں ایک ہزار اونٹ تھے، جن پر کم از کم پچاس ہزار دینار کی مالیت کا سامان لدا ہوا تھا۔ اس کا سالار ابوسفیان تھا اور اس کے ساتھ صرف چالیس آدمی تھے۔ ابوسفیان حد درجہ بیدار اور محتاط تھا۔ ہر آنے جانے والے سے مسلمانوں کی نقل و حرکت کے متعلق دریافت کرتا رہتا تھا، چنانچہ ابھی وہ بدر سے کافی دور تھا کہ اسے

مسلمانوں کے نکلنے کا علم ہو گیا، لہٰذا اس نے قافلے کا رخ مغرب کی طرف پھیر کر ساحل کا راستہ پکڑ لیا اور بدر کا راستہ کلی طور پر چھوڑ دیا۔ ساتھ ہی ایک آدمی کو اجرت دے کر مکہ بھیجا کہ جس قدر جلد ممکن ہو، انھیں مسلمانوں کے نکلنے کی اطلاع دے دے۔ اس شخص نے خبر پہنچائی تو اہلِ مکہ نہایت تیزی سے تیار ہوئے اور سب کے سب نکلے۔ ابولہب کے سوا بڑوں میں کوئی پیچھے نہ رہا۔ آس پاس کے قبائل کے آدمی بھی ساتھ لے لیے۔ قریش کے بڑوں میں سے صرف بنو عدی نے اس میں شرکت نہ کی۔

جب یہ لشکر جحفہ پہنچا تو اسے ابوسفیان کا پیغام ملا جس میں اس نے اپنے بچ نکلنے کی اطلاع دی تھی اور مطالبہ کیا تھا کہ مکہ واپس پلٹ جائیں، چنانچہ ان لوگوں نے واپسی کا ارادہ کر لیا۔ مگر ابوجہل، اپنے تکبر اور نخوت کے سبب آڑے آ گیا اور کوئی واپس نہ ہو سکا۔ صرف بنو زہرہ اپنے حلیف اور رئیس اخنس بن شریق ثقفی کی رائے پر واپس ہوئے۔ یہ تین سو افراد تھے۔ باقی ایک ہزار نفر کے لشکر نے اپنا سفر جاری رکھا تا آنکہ "عدوۂ قصویٰ" کے قریب پہنچ کر بدر کے باہر پہاڑوں کے پیچھے ایک وسیع میدان میں پڑاؤ ڈال دیا۔

ادھر رسول اللہ ﷺ کو راستے ہی میں اہل مکہ کے خروج کا علم ہو گیا، لہٰذا آپ نے مسلمانوں سے مشورہ کیا۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اٹھے اور اچھی بات کہی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اٹھے اور اچھی بات کہی، پھر حضرت مقداد رضی اللہ عنہ اٹھے اور عرض پرداز ہوئے:

"اے اللہ کے رسول! واللہ! ہم وہ بات نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی: ﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝﴾

"تم اور تمھارا رب جاؤ اور لڑو، ہم یہیں بیٹھے ہیں۔"[1]

بلکہ ہم آپ کے دائیں اور بائیں اور آگے اور پیچھے سے لڑیں گے۔ اس سے رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک دمک اٹھا اور آپ مسرور ہو گئے۔[2]

① المائدة 5:24. ② صحيح البخاري، المغازي، باب قوله ﴿اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ﴾، حديث: 3952.

اس کے بعد آپ نے پھر فرمایا:

«أَشِيرُوا عَلَيَّ أَيُّهَا الْمُسْلِمُونَ» ''مسلمانو! مجھے مشورہ دو۔''

اس پر انصار کے رئیس حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اٹھے اور عرض پرداز ہوئے:

''یارسول اللہ! گویا آپ ہماری طرف اشارہ فرما رہے ہیں تو اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ ہمیں سمندر پر لے چلیں اور اس میں کودنا چاہیں تو ہم اس میں بھی آپ کے ساتھ کود پڑیں گے۔ ہمارا ایک آدمی بھی پیچھے نہ رہے گا۔ ہمیں قطعاً کوئی ہچکچاہٹ نہیں کہ کل آپ ہمارے ساتھ دشمن سے ٹکرا جائیں۔ ہم جنگ میں پامرد اور لڑنے میں جوانمرد ہیں اور توقع ہے کہ اللہ آپ کو ہمارا وہ جوہر دکھلائے گا جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی، لہٰذا آپ ہمیں لے کر بڑھیں۔ اللہ برکت دے ...... انھوں نے گفتگو کے دوران میں یہ بھی کہا...... اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، اگر آپ پیش قدمی کرتے ہوئے ''بَرکِ غِماد'' تک جائیں تب بھی ہم آپ کے ساتھ ہیں۔''

اس سے رسول اللہ ﷺ پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ آپ نے فرمایا:

«سِيرُوا وَ أَبْشِرُوا، فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ وَعَدَنِي إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ، وَاللّٰهِ لَكَأَنِّي أَنْظُرُ الْآنَ إِلٰى مَصَارِعِ الْقَوْمِ»

''چلو اور خوش ہو جاؤ کیونکہ مجھ سے اللہ تعالیٰ نے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا ہے۔ واللہ! اس وقت میں گویا قوم کی قتل گاہیں دیکھ رہا ہوں۔''

پھر آپ نے بدر کی جانب پیش قدمی کی اور وہاں اسی رات پہنچے، جس رات مشرکین پہنچے تھے۔ وہاں پہنچ کر آپ نے میدان بدر کے اندر ''عدوۂ دنیا'' کے قریب پڑاؤ ڈالا لیکن حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ آپ آگے بڑھ چلیں اور جو چشمہ دشمن کے سب سے زیادہ قریب ہے اس پر پڑاؤ ڈالیں تاکہ مسلمان حوض بنا کر اپنے لیے پانی جمع کر لیں اور بقیہ چشموں کو پاٹ دیں، اس طرح دشمن پانی سے محروم رہ جائے گا، چنانچہ آپ نے

یہی کیا، پھر مسلمانوں نے ایک چھپر بنایا جو نبی ﷺ کی قیادت گاہ تھا۔ اس پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی کمان میں انصاری جوانوں کی ایک جماعت پہرے اور حفاظت کے لیے مقرر کر دی۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے لشکر کی ترتیب فرمائی [1] اور میدانِ جنگ کا چکر لگایا، وہاں آپ نے ہاتھ کا اشارہ کر کر کے فرمایا:

«هٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ وَ هٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ، غَدًا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ»

''یہ کل فلاں کی قتل گاہ ہے اور یہ کل فلاں کی قتل گاہ ہے ان شاء اللہ۔'' [2]

پھر ایک درخت کی جڑ کے پاس نماز پڑھتے ہوئے رات گزاری۔ مسلمانوں نے بھی بھرپور اعتماد کے ساتھ پرسکون رات گزاری اور اللہ نے بارش نازل فرمائی، جیسا کہ اس کا ارشاد ہے:

﴿إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ﴾

''جب (اللہ) تم پر اپنی طرف سے امن و بے خوفی کے طور پر نیند طاری کر رہا تھا اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا تاکہ تمھیں اس کے ذریعے سے پاک کر دے اور تم سے شیطان کی گندگی دور کر دے اور تمھارے دل مضبوط کر دے اور تمھارے قدم جما دے۔'' [3]

پھر صبح ہی، یعنی جمعے کی صبح 17 رمضان سنہ 2 ہجری کو دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ هٰذِهِ قُرَيْشٌ، قَدْ أَقْبَلَتْ بِخُيَلَائِهَا وَفَخْرِهَا، تُحَادُّكَ وَ تُكَذِّبُ

① جامع الترمذي، الجهاد، باب ماجاء في الصف والتعبية عندالقتال، حديث: 1677.
② صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب غزوة البدر، حديث: 1779. ③ الأنفال 8:11.

رَسُولَكَ، اَللّٰهُمَّ فَنَصْرَكَ الَّذِي وَعَدْتَنِي، اَللّٰهُمَّ اَحِنْهِمُ الْغَدَاةَ»

’’اے اللہ! یہ قریش ہیں جو اپنے غرور وتکبر کے ساتھ تیری مخالفت کرتے ہوئے اور تیرے رسول کو جھٹلاتے ہوئے آئے ہیں۔ اے اللہ! تیری مدد، جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔ اے اللہ! آج انھیں اینٹھ کر رکھ دے۔‘‘

پھر آپ نے صفیں برابر کیں اور فرمایا:

’’جب تک میرا حکم نہ آجائے لڑائی شروع نہ کریں۔‘‘ نیز فرمایا:

«إِذَا أَكْثَبُوكُمْ فَارْمُوهُمْ، وَاسْتَبْقُوا نَبْلَكُمْ وَلَا تَسُلُّوا السُّيُوفَ حَتّٰى يَغْشَوْكُمْ»

’’جب وہ تمھارے قریب آجائیں تو ان پر تیر چلانا اور اپنے تیروں کو بچائے رکھنے کی کوشش کرنا[1] اور جب تک وہ تم پر چھا نہ جائیں تلوار نہ کھینچنا۔‘‘[2]

اس کے بعد آپ چھپر میں واپس آگئے۔ آپ کے ساتھ ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ نے اللہ عزوجل سے بڑے سوز کے ساتھ دعا کی۔ یہاں تک کہ فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ إِنْ تَهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةُ الْيَوْمَ لَا تُعْبَدُ أَبَدًا، اَللّٰهُمَّ إِنْ شِئْتَ لَمْ تُعْبَدْ بَعْدَ الْيَوْمِ أَبَدًا»

’’اے اللہ! اگر آج یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو کبھی تیری عبادت نہ کی جائے گی۔ اے اللہ! اگر تو چاہے تو آج کے بعد کبھی تیری عبادت نہ کی جائے۔‘‘

آپ ﷺ نے خوب تضرع اور خلوص کے ساتھ دعا کی، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی چادر آپ کے کندھوں سے گر گئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چادر درست کی اور عرض پرداز ہوئے: ’’اے اللہ کے رسول! بس فرمائیے۔ آپ نے اپنے رب سے جی بھر کے دعا

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب من شهد بدراً، حديث:3984. [2] سنن أبي داود، الجهاد، باب في سل السيوف عندالللقاء، حديث:2664.

فرمائی۔“ ①

دوسری طرف مشرکین کی صورت حال یہ تھی کہ ابو جہل نے اللہ سے فیصلے کی دعا کی۔ اس نے کہا: ”اے اللہ! ہم میں سے جو فریق قرابت کو زیادہ کاٹنے والا اور غلط حرکتیں زیادہ کرنے والا ہے، اسے آج توڑ دے۔ اے اللہ! ہم میں سے جو فریق تیرے نزدیک زیادہ محبوب اور زیادہ پسندیدہ ہے، آج اس کی مدد فرما۔“

مبارزت اور قتال اس کے بعد قریش کے تین بہترین سوار عتبہ، شیبہ فرزندان ربیعہ اور ولید بن عتبہ آگے بڑھے اور مسلمانوں کو دعوتِ مبارزت دی۔ جواب میں انصار کے تین جوان نکلے۔ مشرکین نے کہا: ”ہم اپنے چچیرے بھائیوں کو چاہتے ہیں۔“

چنانچہ اب حضرت عبیدہ بن حارث، حمزہ اور علی رضی اللہ عنہم آگے بڑھے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے شیبہ کو اور علی رضی اللہ عنہ نے ولید کو ٹھکانے لگا دیا، البتہ عبیدہ رضی اللہ عنہ اور عتبہ کے درمیان دو ضربوں کا تبادلہ ہوا اور ایک نے دوسرے کو اچھی طرح زخمی کر دیا لیکن اتنے میں حضرت علی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما اپنے اپنے شکار سے فارغ ہو کر عتبہ پر ٹوٹ پڑے اور اسے قتل کر کے حضرت عبیدہ کو اُٹھا لائے۔ ان کا پاؤں کٹ گیا تھا، اس وجہ سے چار یا پانچ دن بعد مدینہ واپسی کے دوران صفراء میں ان کا انتقال ہو گیا۔ ②

مبارزت کا نتیجہ مشرکین کے لیے برا ثابت ہوا، چنانچہ وہ غصے سے بے قابو ہو کر مسلمانوں کی صفوں پر نہایت تندی کے ساتھ ٹوٹ پڑے اور مرد واحد کی طرح یکبارگی حملہ کر دیا لیکن مسلمان اپنی جگہ جمے رہے۔ وہ اپنا دفاع کر رہے تھے اور اَحد اَحد کہہ رہے تھے۔

ادھر رسول اللہ ﷺ کو ایک جھپکی آئی، پھر آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا ”ابو بکر! خوش ہو جاؤ تمھارے پاس اللہ کی مدد آ گئی۔ یہ جبریل ہیں اپنے گھوڑے کی لگام تھامے آگے آگے چل رہے ہیں۔ ان کے جوڑوں پر گرد و غبار ہے۔“ ③

① صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب ما قيل في درع النبي ﷺ، حديث: 2915. ② مبارزت کی خبر کے لیے دیکھیے صحيح البخاري، المغازي، باب قتل أبي جهل، حديث: 3965. ③ صحيح البخاري، المغازي، باب شهود الملائكة بدرا، حديث: 3995.

اس دن اللہ نے ایک ہزار فرشتوں کے ذریعے سے مسلمانوں کی مدد کی تھی، پھر رسول اللہ ﷺ زرہ پوش، سپاہیانہ شان سے آگے بڑھے۔ اس وقت آپ یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے: ﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ﴾

''عنقریب یہ جتھا شکست کھا جائے گا اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گا۔'' ①

پھر آپ ﷺ نے ایک مٹھی کنکریلی مٹی لی اور [شَاهَتِ الْوُجُوهُ] ''چہرے بگڑ جائیں'' کہتے ہوئے مشرکین کے چہروں پر دے ماری۔ اللہ کی قدرت! کوئی مشرک نہ بچا کہ جس کی دونوں آنکھوں اور نتھنے میں ایک مٹھی مٹی میں سے کچھ نہ کچھ نہ گیا ہو۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ﴾

''جب آپ نے پھینکا تو درحقیت آپ نے نہیں پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا۔'' ②

پھر رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو مشرکین پر حملے کا حکم اور جنگ کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: [شُدُّوا] ''چڑھ دوڑو!''

چنانچہ مسلمان جن کا جوشِ جہاد ابھی شباب پر تھا، چڑھ دوڑے اور ان کے جوش وخروش میں یہ دیکھ کر مزید تیزی آ گئی کہ رسول اللہ ﷺ بہ نفسِ نفیس ان کے درمیان موجود ہیں اور سب سے آگے بڑھ کر لڑ رہے ہیں، ③ چنانچہ وہ صفوں کی صفیں درہم برہم کرنے اور گردنیں کاٹنے لگے۔

فرشتوں نے بھی ان کی مدد کی، وہ بھی مشرکین کی گردنیں مارتے اور جوڑوں پر ضرب لگاتے تھے، چنانچہ آدمی کا سر کٹ کر گرتا اور پتہ نہ چلتا کہ کس نے مارا ہے اور آدمی کا ہاتھ کٹ کر گرتا اور پتہ نہ چلتا کہ کس نے کاٹا ہے۔ ④ یوں مشرکین پر شکست نازل ہوگئی اور انھوں نے راہ فرار اختیار کی اور مسلمانوں نے ان کو کھدیڑ دیا۔ کسی کو قتل کیا تو کسی کو قید کیا۔

① القمر 54:45، صحيح البخاري، الجهاد، باب ماقيل في درع النبي ﷺ حديث:2910. ② الأنفال 8:17. ③ اسے ابو یعلیٰ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ 329/1 حديث:412. ④ طبقات ابن سعد، غزوہ بدر: 26/2.

ادھر مشرکین کی تائید میں اور مسلمانوں کے خلاف ان کو بھڑکانے کے لیے ابلیس بھی سراقہ بن مالک بن جعشم کی شکل میں حاضر تھا۔ جب اس نے فرشتے اور ان کی کارروائیاں دیکھیں تو الٹے پاؤں پلٹ کر بھاگا اور اپنے آپ کو ''بحر احمر'' میں جا کر ڈال دیا۔

ابوجہل کا قتل ابوجہل ایک ایسے گروہ میں تھا، جنھوں نے اس کے گرد اپنی تلواروں اور نیزوں کی باڑھ قائم کر رکھی تھی۔ ادھر مسلمانوں کی صف میں حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کے اردگرد دو انصاری جوان تھے جن کی موجودگی سے وہ مطمئن نہ تھے کہ اتنے میں ایک نے اپنے ساتھی سے چھپا کر ان سے کہا: ''چچا جان! مجھے ابوجہل دکھلا دیجیے۔'' انھوں نے کہا: ''اسے کیا کرو گے؟'' اس نے کہا: ''مجھے بتایا گیا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دیتا ہے۔ اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر میں نے اس کو دیکھ لیا تو میرا وجود اس کے وجود سے جدا نہ ہو گا، یہاں تک کہ ہم میں سے جس کی موت پہلے ہو وہ مرجائے۔'' اتنے میں دوسرے نے بھی یہی بات کہی۔ اس کے بعد جب صفیں پھٹ گئیں تو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ابوجہل چکر کاٹ رہا ہے۔ انھوں نے دونوں کو اسے دکھلایا، وہ دونوں ابوجہل پر جھپٹ پڑے اور تلوار مار کر اُسے قتل کر دیا۔ ایک نے پنڈلی پر ضرب لگائی اور اس کا پاؤں یوں اڑ گیا جیسے موسل کی مار پڑنے پر گٹھلی اڑ جاتی ہے اور دوسرے نے بری طرح زخمی کر دیا اور اس حال میں چھوڑا کہ صرف سانس آ جا رہی تھی۔ اس کے بعد دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ دونوں کا دعویٰ تھا کہ میں نے قتل کیا ہے۔ آپ نے تلواریں دیکھیں اور فرمایا: «كِلَاكُمَا قَتَلَهُ» ''تم دونوں نے قتل کیا ہے۔''

یہ دونوں جوان عفراء کے صاحبزادے معاذ اور معوذ رضی اللہ عنہما تھے۔ معوذ رضی اللہ عنہ تو اسی غزوہ میں شہید ہوگئے، البتہ معاذ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت تک زندہ رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھی کو ابوجہل کا سامان دیا۔[1]

[1] ایک صحیح روایت کے مطابق یہ دو نوجوان معاذ بن عفراء اور معاذ بن عمرو بن جموح تھے اور آپ نے معاذ بن عمرو بن جموح کو ابوجہل کا سامان دیا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی یہ توجیہ بیان کی ہے کہ ہو ◄◄

معرکہ ختم ہو گیا تو لوگ ابو جہل کی تلاش میں نکلے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے پا لیا۔ ابھی اس کی سانس آ جا رہی تھی۔ انھوں نے اس کی گردن پر پاؤں رکھا اور سر کاٹنے کے لیے ڈاڑھی پکڑی اور فرمایا: ''او اللہ کے دشمن! آخر اللہ نے تجھے رسوا کیا نا!''

اس نے کہا: ''مجھے کاہے کو رسوا کیا۔ کیا جس شخص کو تم لوگوں نے قتل کیا ہے، اس سے اوپر بھی کوئی آدمی ہے۔''

پھر بولا ''کاش! مجھے کسانوں کے بجائے کسی اور نے قتل کیا ہوتا۔''

اس کے بعد کہنے لگا ''مجھے بتاؤ آج فتح کس کی ہوئی؟'' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اللہ اور اس کے رسول کی۔'' ابو جہل نے کہا: ''او بکریوں کے چرواہے! تو بڑی مشکل جگہ پر چڑھ گیا ہے۔''

اس کے بعد حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا سر کاٹ لیا اور خدمت نبوی میں حاضر کیا۔ آپ نے فرمایا:

«اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، صَدَقَ وَعْدَهُ، وَ نَصَرَ عَبْدَهُ، وَ هَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ»

''اللہ سب سے بڑا ہے، تمام تعریف اللہ کے لیے ہے، جس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھلایا، اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تنہا سارے گروہوں کو شکست دے دی۔''

پھر فرمایا: «هٰذَا فِرْعَوْنُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ» ''یہ اس امت کا فرعون ہے۔''[1]

یوم الفرقان (فیصلے کا دن) یہ معرکہ کفر و ایمان کا معرکہ تھا۔ اس میں آدمی نے اپنے چچا سے، باپ نے اپنے بیٹے سے، بھائی نے اپنے بھائی سے اور قرابت دار نے اپنے قریب ترین لوگوں سے جنگ کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو قتل کیا۔

◂◂ سکتا ہے کہ پہلے معاذ بن عفراء اور معاذ بن عمرو بن جموح دونوں نے بیک وقت حملہ کیا ہو اس کے فوراً بعد معوذ بھی پہنچ گئے ہوں۔ (فتح الباري، المغازي، باب قتل أبي جهل، حديث:3964، 345/7).

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب قتل أبي جهل، حديث:3962، و مسند أحمد:444/1.

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبدالرحمان کا مقابلہ کیا اور مسلمانوں نے نبی ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو قید کیا۔ یوں قرابت کے تعلقات کٹ گئے۔ اللہ نے کلمۂ ایمان کو کلمۂ کفر پر بلندی عطا کی اور حق کو باطل سے جدا کر دیا، اسی لیے اس دن، یعنی 17 رمضان المبارک کا نام ''یومُ الْفُرقان'' پڑ گیا۔

فریقین کے مقتولین اس معرکے میں چودہ مسلمان شہید ہوئے۔ چھ مہاجرین اور آٹھ انصار۔ انھیں میدانِ بدر ہی میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ ان کی قبریں اب بھی معروف ہیں۔

مشرکین کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر قید ہوئے۔ مرنے والوں میں زیادہ تر سربرآوردہ لوگ تھے۔ ان میں سے چوبیس سرداروں کے لاشے کھینچ کر بدر کے ایک گندے اور ناپاک کنویں میں پھینک دیے گئے۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے تین روز بدر میں قیام فرمایا۔ اس کے بعد جب واپسی کے لیے تیار ہوئے تو اس کنویں کی منڈیر پر آ کر کھڑے ہو گئے اور ان سرداروں کا نام لے لے کر پکارا:

«يَا فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ! وَ يَا فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ! أَيَسُرُّكُمْ أَنَّكُمْ أَطَعْتُمُ اللّٰهَ وَ رَسُولَهُ؟ فَإِنَّا قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا، فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَا وَعَدَكُمْ رَبُّكُمْ حَقًّا؟»

''اے فلاں کے بیٹے فلاں! اور اے فلاں کے بیٹے فلاں! کیا تمھیں یہ بات اچھی لگتی ہے کہ تم نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی کیونکہ ہم سے ہمارے رب نے جو وعدہ کیا تھا، اسے ہم نے برحق پایا۔ تو کیا تم سے تمھارے رب نے جو وعدہ کیا تھا، اسے تم نے برحق پایا؟''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اللہ کے رسول! آپ ایسے جسموں سے کیا باتیں کر رہے ہیں جن میں روح ہی نہیں؟'' آپ نے فرمایا:

[1] صحيح البخاري، الوضوء، باب إذا ألقى على ظهر المصلي قذر، حديث:240.

«مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ لِمَا أَقُولُ مِنْهُمْ، وَلٰكِنْ لَّا يُجِيبُونَ»

''میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اسے تم لوگ ان سے زیادہ نہیں سن رہے۔ لیکن یہ لوگ جواب نہیں دے سکتے۔''[1]

مکے اور مدینے میں معرکے کی خبر مکے میں شکست کی خبر بھاگنے والے مشرکین کے ذریعے سے پہنچی جس سے انھیں بڑی ذلت ورُوسیاہی محسوس ہوئی، حتیٰ کہ انھوں نے مقتولین پر نوحہ گری سے روک دیا تاکہ مسلمان خوش نہ ہوں۔ لطف یہ ہوا کہ اسود بن مطلب کے تین بیٹے مارے گئے، ان پر وہ نوحہ کرنا چاہتا تھا۔ اس نے ایک رات ایک نوحہ کرنے والی عورت کی آواز سنی تو سمجھا کہ اجازت مل گئی ہے۔ اس نے جھٹ اپنے غلام کو حقیقت معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ اس نے واپس آ کر بتایا کہ یہ عورت تو اپنے ایک گمشدہ اونٹ پر رو رہی ہے۔ اسود یہ سن کر اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا اور بے اختیار پکار اٹھا:

أَتَبْكِي أَنْ يَضِلَّ لَهَا بَعِيرٌ
وَّ يَمْنَعُهَا مِنَ النَّوْمِ السُّهُودُ
فَلَا تَبْكِي عَلٰى بَكْرٍ وَلٰكِنْ
عَلٰى بَدْرٍ تَقَاصَرَتِ الْجُدُودُ

''کیا وہ اس بات پر روتی ہے کہ اس کا اونٹ غائب ہو گیا اور اس پر بے خوابی نے اس کی نیند حرام کر رکھی ہے۔ تو اونٹ پر نہ رو بلکہ بدر پر رو جہاں قسمتیں پھوٹ گئیں۔''

مزید چند اشعار کہے جن میں اپنے بیٹوں پر آہ وفُغاں کی۔

ادھر اہل مدینہ کی خوشخبری کے لیے رسول اللہ ﷺ نے دو قاصد روانہ فرمائے۔ ایک عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بالائی مدینہ کی طرف اور دوسرے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ زیریں مدینہ کی

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب قتل أبي جهل، حديث:3976.

طرف۔ اس دوران میں یہود نے جھوٹے پروپیگنڈے کر کے مدینے میں ہلچل مچا رکھی تھی، اس لیے جب فتح کی خبر پہنچی تو ہر طرف مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی۔ مدینے کے در و بام تہلیل و تکبیر کے نعروں سے گونج اٹھے اور سر برآوردہ مسلمان رسول اللہ ﷺ کو مبارک باد دینے کے لیے بدر کے راستے میں نکل پڑے۔

رسول اللہ ﷺ مدینے کی راہ میں رسول اللہ ﷺ نصرت الٰہی کا تاج پہنے مدینے کے لیے روانہ ہوئے۔ آپ کے ساتھ مال غنیمت اور قیدی بھی تھے۔ وادیٔ صفراء کے قریب پہنچے تو تقسیم غنیمت کا حکم نازل ہوا، چنانچہ آپ نے ''خُمس'' نکال کر باقی مالِ غنیمت غازیوں پر تقسیم فرما دیا، پھر وادیٔ صفراء پہنچ کر نضر بن حارث کو قتل کرنے کا حکم دیا اور حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے اس کی گردن اڑا دی۔ اس کے بعد ''عرق الظبیہ'' پہنچے تو عقبہ بن ابی معیط کو قتل کرنے کا حکم دیا اور حضرت عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے اور کہا جاتا ہے کہ حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ نے اس کی گردن مار دی۔

وہ سر برآوردہ مسلمان جو رسول اللہ ﷺ کو مبارک باد دینے کے لیے نکلے تھے، ان کی مقام رَوحاء میں آپ سے ملاقات ہوئی اور وہاں سے مدینہ تک انھوں نے آپ کی رفاقت و قیادت میں سفر طے کیا، اس طرح آپ مدینے میں یوں مظفر و منصور داخل ہوئے کہ ہر دشمن پر آپ کی دھاک بیٹھ چکی تھی اور اس کی وجہ سے بہت سے لوگ حلقہ بگوشِ اسلام بھی ہوئے۔ اسی موقع پر عبد اللہ بن اُبَی اور اس کے ساتھیوں نے بھی دکھاوے کے لیے اسلام قبول کیا۔

قیدیوں کا قضیہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ پہنچے تو آپ نے قیدیوں کے بارے میں مشورہ کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فدیہ لینے کی رائے دی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ انھیں قتل کر دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فدیہ لینا طے کیا۔ یہ فدیہ چار ہزار سے تین ہزار اور (کم از کم) ایک ہزار درہم تک تھا اور ان قیدیوں میں سے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان کا فدیہ یہ قرار دیا گیا کہ وہ دس دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔ بعض قیدیوں پر

احسان کیا گیا اور انھیں فدیہ لیے بغیر رہا کر دیا گیا۔[1]

رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر ابو العاص کے فدیے میں جو مال بھیجا، اس میں ایک ہار بھی تھا۔ یہ ہار حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تھا۔ انھوں نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ابو العاص کے ساتھ رخصت کرتے وقت یہ ہار انھیں دیا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اسے دیکھا تو آپ پر رقت طاری ہو گئی۔ آپ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے اجازت چاہی کہ ابو العاص کو بلا فدیہ چھوڑ دیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایسا ہی کیا، چنانچہ آپ نے ابو العاص کو اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ زینب (بنت رسول) کی راہ چھوڑ دیں گے۔ ابو العاص نے مکہ جا کر ان کا راستہ چھوڑ دیا اور وہ مدینہ ہجرت کر آئیں۔[2]

رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے عثمان رضی اللہ عنہ کی شادی نبی ﷺ جس وقت غزوۂ بدر کے لیے تشریف لے گئے تھے، آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بیمار تھیں۔ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں، لہٰذا آپ نے انھیں حکم دیا کہ ان کی تیمارداری کے لیے مدینہ ہی میں رہیں تاہم اُنھیں بھی بدر میں حاضر ہونے والے کا اجر اور حصہ ملے گا۔[3] اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو بھی ان کی تیمارداری کے لیے روک دیا۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا آپ کی واپسی سے پہلے ہی وفات پا گئیں۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ہمارے پاس فتح کی خوشخبری اس وقت پہنچی جب ہم رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا پر مٹی برابر کر چکے تھے۔

اور جب رسول اللہ ﷺ مدینہ پہنچ کر مطمئن ہو چکے تو آپ نے اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دی، اسی لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ''ذوالنورین'' یعنی ''دو نور والے'' کہا جاتا ہے۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے، ان کے عقد میں

[1] تاریخ عمر بن الخطاب لابن الجوزی، ص: 36. [2] مسند أحمد: 276/6، وسنن أبي داود، الجهاد، باب في فداء الأسير بالمال حديث: 2692، ومشكوة، حديث: 3970 (1162/2).
[3] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، حديث: 3699.

رہتے ہوئے شعبان 9 ہجری میں وفات پائی اور بقیع میں دفن ہوئیں۔ [1]

”بدر“ کے بعد کے واقعات

اللہ نے بدر میں نصرت وفتح کے ذریعے سے مسلمانوں کو جو اعزاز بخشا، مشرکین کے لیے وہ خاصا تکلیف دہ تھا، چنانچہ انھوں نے ایسی تدبیریں سوچنی شروع کیں جن کے ذریعے سے مسلمانوں کو نقصان پہنچا سکیں اور ان سے انتقام لے سکیں لیکن اللہ نے ان کے داؤ پیچ ان کے سینوں پر الٹ دیے اور اپنے فضل سے اہل ایمان کی مدد کی۔

غزوۂ بنو سلیم بدر سے واپسی کے صرف ایک ہفتہ بعد اور کہا جاتا ہے کہ ڈھائی تین ماہ بعد بنو سلیم نے مدینے پر حملے کے ارادے سے جمعیت فراہم کرنی شروع کی۔ جواباً مسلمانوں نے ان کے ٹھکانوں پر دھاوا بول دیا اور مالِ غنیمت لے کر صحیح سالم مدینہ واپس آ گئے۔ [2]

آپ ﷺ کے قتل کی سازش اس کے بعد عمیر بن وہب جمحی اور صفوان بن امیہ نے نبی ﷺ کے قتل کی سازش کی اور اس مقصد کے لیے عمیر مدینہ آیا۔ لیکن آتے ہی اسے پکڑ لیا گیا، نبی ﷺ نے اسے بتلایا کہ وہ کیا سازش سوچ کر آیا ہے۔ اس پر وہ مسلمان ہو گیا۔ [3]

غزوۂ بنو قینقاع اس کے بعد یہودِ بنو قینقاع نے کھل کر شر وعداوت کا مظاہرہ کیا اور رسول اللہ ﷺ نے انھیں نصیحت کی تو کہنے لگے:

”محمد! تمھیں اس بنا پر خود فریبی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ تم نے قریش کے کچھ اناڑی اور جنگ سے ناآشنا لوگوں کو مار لیا ہے، اگر تمھاری لڑائی ہم سے ہو گئی تو تمھیں پتہ چل جائے گا کہ ہم مرد ہیں۔“ [4]

[1] اصل تفصیلات سیرت ابن ہشام: 643/2 وغیرہ میں ہیں۔ [2] سیرت ابن هشام: 44,43/2، و زادالمعاد: 90/2. [3] دلائل النبوة للبيهقي: 3/147-149، وسيرت ابن هشام: 663,661/1. [4] سنن أبي داود، الخراج، باب كيف كان إخراج اليهود من المدينة، حديث: 3001 مع عون المعبود: 115/3، وسيرت ابن هشام: 49,47/2، وزادالمعاد: 91,71/2.

رسول اللہ ﷺ نے اس جواب پر صبر فرمایا۔ اس سے ان کی جرأت اور بڑھ گئی اور انھوں نے اپنے بازار میں ہنگامہ برپا کر دیا جس میں ایک مسلمان اور ایک یہودی مارا گیا۔ اب رسول اللہ ﷺ نے ان کا محاصرہ فرما لیا۔ یہ نصف شوال 2 ہجری ہفتے کا دن تھا۔ پندرہ دن گزر گئے تھے کہ ذی قعدہ کی چاند رات انھوں نے ہتھیار ڈال دیے اور رسول اللہ ﷺ نے انھیں ''اذرعات شام'' کی طرف جلاوطن کر دیا۔ جہاں تھوڑے دنوں بعد اکثر مر گئے۔

غزوۂ سویق ادھر غزوۂ بدر کے بعد ابوسفیان نے نذر مانی تھی کہ جب تک محمد (ﷺ) سے جنگ نہیں کر لیتا، اس کے سر کو جنابت کے سبب پانی نہ چھوئے گا، چنانچہ وہ دو سو سواروں کے ساتھ نکلا اور مدینے کے اطراف میں ''عریض'' نامی ایک مقام پر چھاپہ مار کر کھجور کے کچھ درخت کاٹے اور جلائے اور دو آدمیوں کو قتل کر کے راہِ فرار اختیار کی۔

رسول اللہ ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ نے ان کا تعاقب کیا لیکن وہ ہاتھ نہ آئے، البتہ انھوں نے اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ستو اور توشے پھینک دیے۔ مسلمانوں نے ''قرقرۃ الکُدر'' تک ان کا تعاقب کیا اور ستو وغیرہ اٹھا کر واپس آ گئے، اسی لیے اس مہم کا نام ''غزوۂ سویق'' اور ''غزوۂ قرقرۃ الکُدْر'' پڑ گیا۔ ''سویق'' عربی زبان میں ستو کو کہتے ہیں۔[1]

کعب بن اشرف کا قتل یہ شخص بڑا مالدار یہودی اور شاعر تھا۔ اسے مسلمانوں سے سخت عداوت تھی، چنانچہ یہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی ہجو کرتا اور ان کی عورتوں کے متعلق غزلیہ اشعار کہتا تھا۔ جبکہ ان کے دشمنوں کی مدح کرتا اور انھیں جنگ کے لیے بھڑکاتا تھا، حتیٰ کہ یہ ''بدر'' کے بعد قریش کے پاس جا پہنچا اور انھیں مسلمانوں سے جنگ کرنے پر اکسایا اور اس کے بارے میں بہت سے اشعار کہے۔ یہ بھی کہا کہ تم لوگ مسلمانوں سے زیادہ ہدایت کی راہ پر ہو۔ اس نے، بنو قینقاع پر جو کچھ گزر چکی تھی، اس سے بھی عبرت حاصل نہ کی۔ بالآخر نبی ﷺ نے فرمایا:

[1] سیرت ابن ہشام: 2/45,44، زادالمعاد: 2/91,90.

«مَنْ لِكَعْبِ بْنِ الْأَشْرَفِ؟» ”کون ہے جو کعب بن اشرف سے نمٹے؟“

جواب میں محمد بن مسلمہ، عباد بن بشر، ابو نائلہ، حارث بن اوس اور ابوعبس بن جبر رضی اللہ عنہم نے اپنی خدمات پیش کیں۔ محمد بن مسلمہ ان کے امیر قرار پائے اور انھوں نے نبی ﷺ سے کچھ کہنے کی اجازت لی۔

اس کے بعد وہ کعب کے پاس آئے اور کہا اس شخص نے، اشارہ نبی ﷺ کی طرف تھا، ہم سے صدقہ مانگا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس نے ہمیں مشقت میں ڈال دیا ہے۔

کعب کی باچھیں کھل گئیں، بولا: ”واللہ! ابھی تم لوگ اور بھی اکتاؤ گے۔“

پھر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے بطور قرض گیہوں یا کھجور مانگی اور طے کیا کہ رہن میں ہتھیار دیں گے۔

اس کے بعد ابو نائلہ رضی اللہ عنہ آئے۔ انھوں نے بھی محمد بن مسلمہ سے ملتی جلتی بات کی اور یہ بھی کہ میرے کچھ رفقاء ہیں، جن کے خیالات بھی میرے ہی جیسے ہیں۔ میں انھیں بھی آپ کے پاس لانا چاہتا ہوں۔ آپ ان کے ہاتھ بھی کچھ بیچیں اور ان پر احسان کریں۔ کعب نے ان کی یہ بات منظور کر لی۔

اس کے بعد 14 ربیع الاول 3 ہجری کی چاندنی رات میں یہ لوگ ہتھیار لے کر کعب بن اشرف کے پاس آئے اور اسے پکارا کہ نیچے اترے، وہ قلعے کے اندر تھا اور ابھی نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ اس کی بیوی نے کہا: ”اس وقت کہاں جا رہے ہو؟ میں ایسی آواز سن رہی ہوں، جس سے گویا خون ٹپک رہا ہے۔“

لیکن اس نے اس کی پروا نہ کی اور نیچے اتر کر ہتھیار دیکھ کر بھی نہیں چونکا کیونکہ ان لوگوں سے پہلے ہی یہ بات طے ہو چکی تھی۔

اس کے بعد یہ لوگ ٹہلنے کے لیے چل پڑے۔ راستے میں ابو نائلہ رضی اللہ عنہ نے اس کے عطر کی تعریف کی اور اس کا سر سونگھنے کی اجازت چاہی، اس نے کبر ونخوت کے ساتھ اجازت دی۔ ابو نائلہ نے خود سونگھا اور سر کے اندر ہاتھ ڈال کر ساتھیوں کو بھی سنگھایا، پھر دوبارہ

اجازت لی اور یہی کیا، پھر سہ بارہ اجازت لی اور اب کی بار اچھی طرح سر قابو میں کر لیا تو کہا: ”لے لو اللہ کے دشمن کو!“

معاً اس پر کئی تلواریں پڑیں لیکن کام نہ کر سکیں۔ یہ دیکھ کر جھٹ محمد بن مسلمہ نے اپنی کدال اس کے پیڑو (زیر ناف) پر لگائی اور چڑھ بیٹھے۔ کدال آر پار ہو گئی۔ اللہ کا یہ دشمن اس زور سے چیخا کہ گردو پیش ہلچل مچ گئی، پھر وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ چیخ سن کر قلعوں پر آگ روشن کی گئی لیکن مسلمان صحیح سالم واپس آ گئے اور فتنے کی وہ آگ بجھ گئی جس نے عرصے سے مسلمانوں کو پریشان کر رکھا تھا اور ایک مدت کے لیے یہودی سانپ بھی اپنے بلوں میں دبک گئے۔ [1]

سریۂ قردہ جمادی الاولیٰ 3 ہجری میں قریش نے اپنا ایک قافلہ عراق کے کاروانی راستے سے ملک شام بھیجا۔ یہ راستہ نجد سے ہو کر شام جاتا تھا اور مدینے کے قریب سے نہیں گزرتا تھا۔ اس قافلے کی قیادت صفوان بن امیہ کر رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم ہو گیا۔ آپ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی کمان میں سو سواروں کا ایک دستہ بھیج دیا۔ وہ قافلہ نجد میں قردہ نامی ایک چشمے پر پڑاؤ ڈال رہا تھا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اس پر یلغار کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پورا قافلہ ان کے قبضے میں آ گیا، البتہ اس میں جتنے آدمی تھے سب نکل بھاگے۔ صرف قافلے کا رہنما فرات بن حیان گرفتار ہو سکا اور اس نے اسلام قبول کر لیا۔ مال غنیمت کی مقدار ایک لاکھ درہم تھی اور یہ قریش کے لیے غزوۂ بدر کے بعد سب سے زیادہ تکلیف دہ مار تھی۔ [2]

غزوۂ اُحد {شوال 3 ہجری}

قریش ابھی غزوۂ بدر کے انتقام کی تیاری کر ہی رہے تھے کہ مقام ”قردہ“ میں ان پر ایک

① صحيح البخاري، المغازي، باب قتل كعب بن الأشرف، حديث: 4037. ② سیرت ابن ہشام:51,50/2.

اور مار پڑ گئی۔ اس سے ان کا غصہ اور بھڑک اٹھا اور انھوں نے تیاری کی رفتار تیز کر دی۔ رضا کارانہ بھرتی کا دروازہ کھول دیا، حبشیوں کو بھرتی کیا۔ اور ترغیب وتحریص کے لیے کچھ شاعر مخصوص کیے، یہاں تک کہ تین ہزار فوجیوں کا ایک لشکر تیار ہو گیا جس کے پاس تین ہزار اونٹ، دو سو گھوڑے اور سات سو زرہیں تھیں۔ اس لشکر کے ساتھ کئی عورتیں بھی تھیں جن کا کام مردوں کو جنگ کے لیے بھڑکانا اور جوش وبہادری کی روح پھونکنا تھا۔ اس کا سپہ سالار ابوسفیان تھا اور علم بردار بنی عبدالدار کے بہادر تھے۔

یہ لشکر غیظ وغضب سے بھر پور مدینے کے اطراف میں پہنچا اور جبل عَینَین اور احد کے قریب وادیٔ قَناۃ کے دامن میں ایک کھلے میدان میں ڈیرا ڈال دیا۔ یہ جمعے کا دن تھا اور شوال 3 ہجری کی 6 تاریخ۔

ادھر رسول اللہ ﷺ کو لشکر کی آمد سے تقریباً ایک ہفتہ پہلے خبر ہو چکی تھی اور آپ ﷺ نے ہنگامی حالات سے نمٹنے اور مدینے کی حفاظت کرنے کے لیے فوجی طلایہ گردی کا انتظام فرما لیا تھا۔ جب لشکر پہنچ گیا تو آپ نے مسلمانوں سے دفاع کے متعلق مشورہ کیا۔ آپ کی رائے یہ تھی کہ مسلمان مدینے کے اندر قلعہ بند ہو جائیں۔ مرد گلی کوچوں کے ناکوں پر لڑائی کریں اور عورتیں گھروں کی چھتوں سے۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے بھی اس رائے سے موافقت کی۔ وہ چاہتا تھا کہ گھر ہی بیٹھا رہے اور جنگ سے پیچھے رہنے کی تہمت بھی نہ لگے۔ لیکن جوانوں نے جوش دکھایا اور کھلی جگہ دو دو ہاتھ کرنے پر اصرار کیا۔ آپ نے ان کی رائے مان لی اور لشکر کو تین دستوں میں تقسیم کیا۔ ایک دستہ مہاجرین کا جس کے علم بردار حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ تھے۔ دوسرا قبیلہ اوس کا جس کے علم بردار حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ تھے اور تیسرا خزرج کا جس کے علم بردار حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ تھے۔

عصر کی نماز کے بعد آپ ﷺ نے جبلِ احد کا رخ کیا اور مقام شیخین پر پہنچ کر لشکر کا معائنہ کیا، جو چھوٹے تھے انھیں واپس بھیج دیا، البتہ رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کو چھوٹے ہونے کے باوجود اجازت دے دی کیونکہ وہ تیر چلانے کے ماہر تھے۔ اس پر سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے کہا:

''میں رافع سے زیادہ طاقتور ہوں، اسے پچھاڑ سکتا ہوں۔''

آپ ﷺ نے دونوں میں کشتی کرائی اور واقعی سمرہ نے رافع کو پچھاڑ دیا، لہٰذا سمرہ کو بھی اجازت مل گئی۔

مقام شیخین ہی میں آپ ﷺ نے مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھیں، وہیں رات گزاری اور لشکر کی حفاظت کے لیے پچاس پہرے دار مقرر فرمائے۔ اخیر رات میں فجر سے پہلے کوچ کیا اور ''شوط'' نامی ایک جگہ پر فجر کی نماز پڑھی۔ یہیں عبداللہ بن اُبی نے بغاوت کی اور اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر واپس چلا گیا۔ اس کی وجہ سے بنوسلمہ اور بنو حارثہ میں بھی ضعف کی لہر دوڑ گئی، قریب تھا کہ یہ دونوں گروہ بھی پلٹ جاتے لیکن اللہ نے انھیں ثابت قدم رکھا۔ مسلمانوں کی تعداد پہلے ایک ہزار تھی۔ اب سات سو باقی بچے۔

اسی لشکر کو لے کر رسول اللہ ﷺ نے دشمن کو مغرب کی سَمت چھوڑتے ہوئے ایک مختصر راستے سے احد کی جانب پیش قدمی کی اور احد کی بلندیوں کو پشت کی طرف کرتے ہوئے وادی کے سرے پر واقع احد پہاڑ کی گھاٹی میں نزول فرمایا۔ اس طرح دشمن مسلمانوں اور مدینے کے درمیان حائل ہو گیا۔

یہیں آپ ﷺ نے لشکر کو مرتب فرمایا اور عبداللہ بن جبیر انصاری رضی اللہ عنہ کی کمان میں جبل عَیْنَین پر...... جو بعد میں جبل رُماۃ کے نام سے معروف ہوا...... پچاس تیر انداز مقرر فرمائے اور انھیں حکم دیا کہ سواروں کو تیر مار کر دور رکھیں اور مسلمانوں کی پشت کی حفاظت کریں اور انھیں تاکید کی کہ جب تک آپ کا حکم نہ آئے اپنی جگہ نہ چھوڑیں، خواہ مسلمان فتح یاب ہوں یا شکست کھائیں۔[1]

ادھر مشرکین نے بھی اپنے لشکر کو مرتب کیا اور میدان جنگ کی طرف پیش قدمی کی۔ ان کی عورتیں صفوں میں گھوم گھوم کر اور دف پیٹ پیٹ کر لوگوں کو جوش دلا رہی تھیں، لڑائی کے

[1] صحيح البخاري، الجهاد، باب مايكره من التنازع والاختلاف في الحرب، حديث: 3039، و سيرت ابن هشام: 66,65/2.

لیے بھڑکا رہی تھیں، جوانوں کو غیرت دلا رہی تھیں اور یہ اشعار پڑھ رہی تھیں:

إِنْ تُقْبِلُوا نُعَانِقْ وَنَفْرِشُ النَّمَارِقْ

أَوْ تُدْبِرُوا نُفَارِقْ فِرَاقَ غَيْرِ وَامِقْ

''اگر پیش قدمی کرو گے تو ہم تمھیں گلے لگائیں گی اور قالین بچھائیں گی۔ اگر پیچھے ہٹو گے تو روٹھ جائیں گی اور الگ ہو جائیں گی۔''

اور علم برداروں کو ان کا فرض یاد دلاتے ہوئے یوں کہہ رہی تھیں:

وَيْهًا بَنِي عَبْدِ الدَّارِ وَيْهًا حُمَاةَ الْأَدْبَارِ

ضَرْبًا بِكُلِّ بَتَّارِ

''دیکھو! بنی عبد الدار! دیکھو! پشت کے پاسدار! خوب کرو شمشیر کا وار۔''

مبارزت اور قتال جب دونوں لشکر قریب آ گئے تو مشرکین کا علم بردار اور قریش کا سب سے بہادر انسان طلحہ بن ابو طلحہ عبدری نمودار ہوا۔ وہ اونٹ پر سوار تھا۔ اس نے دعوت مبارزت دی۔ جواب میں حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ شیر کی طرح جست لگائی اور اونٹ پر جا چڑھے، پھر اسے اپنی گرفت میں لے کر زمین پر کود گئے اور تلوار سے ذبح کر دیا۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور مسلمانوں نے بھی نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ اس کے بعد ہر طرف جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے۔ خالد بن ولید نے جو اس وقت مشرکین کے رسالدار تھے۔ تین بار کوشش کی کہ مسلمانوں کی پشت پر جا پہنچیں لیکن تیر اندازوں نے تیر برسا کر انھیں واپس پلٹنے پر مجبور کر دیا۔ مسلمانوں نے مشرکین کے علم برداروں پر اپنا حملہ مرکوز رکھا، یہاں تک کہ ان کا مکمل طور پر صفایا کر دیا۔ یہ کل گیارہ افراد تھے۔ ان کے خاتمے کے بعد ان کا جھنڈا زمین پر آ گرا۔ مسلمانوں نے بقیہ اطراف میں ہلہ بول دیا۔ صفوں کی صفیں الٹ دیں اور مشرکین کی اچھی طرح پٹائی کی۔ ابو دجانہ اور حمزہ رضی اللہ عنہما نے بڑے کارنامے انجام دیے۔

اسی پیش قدمی اور غلبے کے دوران میں اللہ اور اس کے رسول کے شیر حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے۔ انھیں وحشی بن حرب نے قتل کیا۔ یہ ایک حبشی غلام تھا جو نیزہ پھینکنے کا ماہر تھا۔ اس کے آقا جبیر بن مطعم نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ حضرت حمزہ کو قتل کر دے تو اسے آزاد کر دے گا کیونکہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ہی نے اس کے چچا طعیمہ بن عدی کو غزوۂ بدر میں قتل کیا تھا، چنانچہ وحشی ایک چٹان کی اوٹ میں چھپ کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تاک میں بیٹھ گیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ مشرکین کے ایک آدمی سباع بن عبدالعزی کا سر قلم کر رہے تھے کہ وحشی نے ان کی طرف نیزے کا رخ کیا اور اسے اچھال دیا۔ وہ غافل تھے۔ نیزہ ان کے پیڑو پر لگا اور دونوں پاؤں کے درمیان سے نکل گیا، وہ گر گئے اور اٹھ نہ سکے۔ یہاں تک کہ ان کی شہادت واقع ہو گئی۔[1]

بہرحال مشرکین شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ جوش دلانے والی عورتیں بھی بھاگ گئیں۔ مسلمانوں نے مشرکین کو گھیر لیا۔ وہ انھیں مار بھی رہے تھے اور غنیمت بھی سمیٹ رہے تھے لیکن عین اسی موقع پر تیر اندازوں نے غلطی کی اور اپنے مورچوں پر ڈٹے رہنے کا جو تاکیدی حکم انھیں دیا گیا تھا، اس کے باوجود غنیمت کے چکر میں ان کے چالیس آدمی پہاڑ سے نیچے اتر آئے۔ خالد بن ولید نے اس موقع کو غنیمت جانا اور پہاڑ پر جو دس آدمی رہ گئے تھے، ان کا صفایا کر دیا، پھر پہاڑ کے پیچھے سے گھوم کر مسلمانوں کی پشت پر آ گئے اور ان کو نرغے میں لینا شروع کر دیا۔ ان کے سواروں نے ایک نعرہ بلند کیا، جسے مشرکین نے پہچان لیا تو وہ بھی پلٹ پڑے اور ان کی ایک عورت نے لپک کر جھنڈا اٹھا لیا، پھر کیا تھا کہ بکھرے ہوئے مشرکین اس کے گرد سمٹ آئے اور جم گئے۔ یوں مسلمان چکی کے دو پاٹوں کے بیچ میں آ گئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مشرکین کا حملہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی افواہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب قتل حمزة بن عبد المطلب رضي الله عنه، حديث:4072، و سيرت ابن هشام:2/67 و 72.

پیچھے تشریف فرما تھے۔ اور آپ کے ساتھ صرف سات انصار اور دو مہاجرین تھے۔ آپ نے پہاڑ کے پیچھے سے خالد کے سواروں کو نمودار ہوتے دیکھا تو نہایت بلند آواز سے پکارا: «إِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ!» ”اللہ کے بندو! میری طرف آؤ۔“

لیکن اس آواز کو مشرکین نے جو مسلمانوں کی بہ نسبت آپ ﷺ کے زیادہ قریب تھے، پہلے سن لیا اور ان کے ایک دستے نے تیزی سے آواز کا رخ کیا اور رسول اللہ ﷺ پر تابڑ توڑ حملے شروع کر دیے۔ ان کی کوشش تھی کہ مسلمانوں کے پہنچنے سے پہلے پہلے آپ کا کام تمام کر دیں۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ يَّرُدُّهُمْ عَنَّا؟ وَلَهُ الْجَنَّةُ، أَوْ هُوَ رَفِيقِي فِي الْجَنَّةِ»

”کون ہے جو ان کو ہم سے دفع کرے اور اس کے لیے جنت ہے یا (یہ فرمایا کہ) وہ جنت میں میرا رفیق ہوگا۔“

اس پر ایک انصاری نے آگے بڑھ کر انھیں پیچھے دھکیلا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ اس کے بعد مشرکین نے پھر حملہ کیا اور بالکل قریب آ گئے، آپ ﷺ نے پھر یہی فرمایا۔ اب ایک دوسرے صحابی نے آگے بڑھ کر انھیں پیچھے دھکیلا۔ وہ بھی لڑتے لڑتے شہید ہو گئے، پھر تیسرے نے، پھر چوتھے نے، یہاں تک کہ ساتوں انصاری شہید ہو گئے۔[1]

جب ساتویں انصاری صحابی گر گئے تو رسول اللہ ﷺ کے پاس دو قریشی مہاجر باقی بچے۔ ایک طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔[2] چنانچہ اب مشرکین نے اپنا حملہ رسول اللہ ﷺ پر مرکوز کر دیا۔ یہاں تک کہ آپ کو ایک پتھر لگا، جس سے آپ پہلو کے بل گر گئے اور آپ کا نچلا داہنا رباعی دانت ٹوٹ گیا۔ نچلا ہونٹ زخمی ہو گیا۔ خُود سر پر ٹوٹ گئی، جس سے سر اور پیشانی پر چوٹ آئی، آنکھ سے نیچے کی ابھری ہوئی ہڈی پر تلوار کی ضرب لگی، جس سے خُود کی دو کڑیاں اندر دھنس گئیں۔ کندھے پر بھی تلوار کی ایک سخت ضرب

[1] صحيح مسلم، الجهاد، باب غزوة أحد، حديث: 1789. [2] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب ذكر طلحه بن عبيد الله رضی اللہ عنہ، حديث: 3723،3722 و 4061،4060.

لگی جس کی تکلیف ایک مہینے سے زیادہ عرصے تک محسوس ہوتی رہی، البتہ آپ نے ڈبل زرہ پہن رکھی تھی، اس لیے وہ کٹ نہ سکی۔[1]

یہ سب کچھ اس کے باوجود پیش آ گیا کہ دونوں قریشی جان پر کھیل کر آپ ﷺ کا دفاع کر رہے تھے، چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اس قدر تیر چلائے کہ نبی ﷺ نے اپنے ترکش کے تیران کے لیے بکھیرتے ہوئے فرمایا:

«اِرْمِ فِدَاكَ أَبِي وَ أُمِّي» ''چلاؤ! تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔''[2]

اور طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے تنہا گیارہ افراد کے برابر لڑائی لڑی، یہاں تک کہ انھیں 35 یا 39 زخم آئے۔ اپنے ہاتھ پر تیر اور تلوار روک کر نبی ﷺ کو بچایا، جس سے ان کی انگلیاں زخمی ہو کر شل ہو گئیں۔ جب ان کی انگلیاں زخمی ہوئیں تو ان کے منہ سے حس (سی) کی آواز نکلی۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَوْ قُلْتَ: بِسْمِ اللّٰهِ، لَرَفَعَتْكَ الْمَلَائِكَةُ وَالنَّاسُ يَنْظُرُونَ»

''اگر تم بسم اللہ کہتے تو تمھیں فرشتے اٹھا لیتے اور لوگ دیکھتے رہتے۔''[3]

اس مشکل ترین گھڑی میں حضرت جبریل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام اترے اور آپ ﷺ کی طرف سے سخت لڑائی کی،[4] کچھ مسلمان بھی پلٹ کر آپ ﷺ کے پاس آ گئے، انھوں نے بھی جم کر دفاع کیا۔ سب سے پہلے پلٹ کر آنے والے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور ان کے ساتھ ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ آگے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کے چہرے سے خُود کی کڑی نکال دیں لیکن ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے خود اصرار کر کے

① صحيح البخاري، المغازي، باب ما أصاب النبيﷺ من الجراح يوم أحد، حديث:4075، صحيح مسلم، الجهاد، باب غزوة أحد، حديث:1790، و فتح الباري: 373/7. ② صحيح البخاري، المغازي، باب: ﴿إِذْ هَمَّت طَّائِفَتَانِ مِنكُمْ﴾، حديث:4055. ③ سنن النسائي، الجهاد، باب مايقول من يطعنه العدو، حديث:3151، وفتح الباري: 361/7. ④ صحيح البخاري، المغازي، باب: ﴿إِذْ هَمَّت طَّائِفَتَانِ مِنكُمْ﴾، حديث:4054، و صحيح مسلم، الفضائل، باب في قتال جبريل و ميكائيل عن النبيﷺ، حديث:2306.

خود کی کڑی نکالی، جس سے ان کا اگلا ایک دانت گر گیا۔ اس کے بعد انھوں نے دوسری کڑی نکالی تو دوسرا دانت بھی گر گیا۔ اس کے بعد آگے بڑھ کر دونوں نے طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کو سنبھالا، وہ شدید زخمی ہو چکے تھے۔[1]

اس دوران میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ابو دجانہ، مصعب بن عمیر، عمر بن خطاب، علی بن ابو طالب، وغیرہم رضی اللہ عنہم بھی آ پہنچے۔ ادھر مشرکین کی تعداد بھی بڑھتی گئی اور ان کے حملے بھی سخت تر ہوتے گئے مگر مسلمانوں نے بھی نابغۂ روزگار بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا۔ کوئی تیر چلا رہا تھا تو کوئی دفاع کر رہا تھا، کوئی لڑ بھڑ رہا تھا تو کوئی اپنے جسم پر تیروں کو روک رہا تھا۔

جھنڈا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ مشرکین نے ان کے داہنے ہاتھ پر اس زور سے تلوار ماری کہ ہاتھ کٹ گیا۔ انھوں نے جھنڈا بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا۔ مشرکین نے اسے بھی کاٹ دیا۔ اس کے بعد انھوں نے جھنڈے پر گھٹنے ٹیک کر اسے سینے اور گردن کے سہارے لہرائے رکھا اور اسی حالت میں شہید ہو گئے۔ ان کا قاتل عبداللہ بن قَمِئہ تھا چونکہ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم شکل تھے، اس لیے اس نے سمجھا کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا ہے، چنانچہ اس نے پلٹ کر چیختے ہوئے کہا کہ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قتل کر دیے گئے۔" یہ خبر تیزی سے پھیل گئی اور اس کے نتیجے میں مشرکین کا دباؤ کم ہو گیا کیونکہ ان کے خیال میں اب ان کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔[2]

نرغے میں آنے کے بعد عام مسلمانوں کا حال جب مسلمانوں نے نرغے میں لیے جانے کی کارروائی دیکھی تو وہ اتھل پتھل اور بدنظمی کا شکار ہو گئے اور کوئی متحدہ موقف اختیار نہ کر سکے، چنانچہ بعض نے جنوب کی طرف فرار اختیار کیا اور مدینہ جا پہنچے۔ بعض احد کی گھاٹی کی طرف بھاگے اور اسلامی کیمپ میں پناہ گیر ہوئے۔ بعض نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ کیا

[1] زادالمعاد: 3/197، و تهذیب تاریخ دمشق: 7/77. [2] دیکھیے سیرت ابن هشام: 2/73و 80 و 83، و زادالمعاد: 2/97.

اور جلدی سے آپ ﷺ کے پاس پہنچ کر آپ کے دفاع میں لگ گئے۔ اکثر مسلمان نرغے کے اندر اپنی جگہوں پر ثابت قدم رہ کر گھیرنے والوں سے لڑتے بھڑتے رہے۔

لیکن چونکہ کوئی شخص منظم طور پر ان کی قیادت نہیں کر رہا تھا، اس لیے ان کی صفوں پر انتشار اور بدنظمی غالب رہی۔ پہلی صف پلٹی تو پچھلی صف سے ٹکرا گئی، یہاں تک کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد یمان رضی اللہ عنہ خود مسلمانوں کے ہاتھوں شہید کر دیے گئے۔[1] اس کے بعد مسلمانوں نے نبی ﷺ کے قتل کی خبر سنی تو ان کا رہا سہا ہوش بھی جاتا رہا۔ ان کا جوش سرد پڑ گیا اور وہ ٹوٹ کر رہ گئے۔ حتیٰ کہ کتنوں ہی نے لڑائی چھوڑ دی۔ جبکہ کچھ دوسروں کو جوش آ گیا اور انھوں نے کہا:

"اٹھو اور جس بات پر رسول اللہ ﷺ نے جان دی ہے اسی پر تم بھی جان دے دو۔"[2]

مسلمان انھی حالات سے دو چار تھے کہ اچانک کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھ لیا۔ اس وقت آپ ﷺ نرغے میں آئے ہوئے مسلمانوں کی طرف راستہ بنا رہے تھے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو دونوں آنکھوں سے پہچانا کیونکہ چہرہ خود سے چھپا ہوا تھا۔ انھوں نے دیکھتے ہی بلند آواز سے کہا:

"مسلمانو! خوش ہو جاؤ یہ ہیں اللہ کے رسول ﷺ!"

یہ سن کر مسلمانوں نے آپ کی طرف پلٹنا شروع کیا اور رفتہ رفتہ تیس صحابہ رضی اللہ عنہم جمع ہو گئے۔ مشرکین نے ان کی واپسی کی راہ روکنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن ناکام رہے اور اس کوشش میں ان کے دو آدمی بھی کام آ گئے۔

اس حکیمانہ تدبیر سے مسلمانوں کو نجات تو مل گئی لیکن تیر اندازوں نے جو غلطی اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کی مخالفت کی تھی، اس کی بھاری قیمت چکانی پڑی۔

گھاٹی میں مسلمان نرغے سے نکل کر گھاٹی میں قرار پذیر ہو چکے تھے تو ان میں اور

[1] صحیح البخاري، بدء الخلق، باب في صفة إبليس وجنوده، حديث: 3290. [2] زادالمعاد، فصل: في غزوة أحد: 2/489.

مشرکین میں بعض ہلکی اور انفرادی جھڑپیں ہوئیں لیکن مشرکین کو آگے بڑھنے اور مقابلہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی بلکہ وہ میدان میں تھوڑی ہی دیر باقی رہے اور اس دوران میں مقتولین کا مُثلہ کرتے رہے، یعنی ان کے کان، ناک اور شرمگاہیں کاٹ ڈالیں اور پیٹ چاک کر دیے۔ ہند بنت عتبہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا پیٹ چاک کر کے ان کا کلیجہ نکالا اور اس کو چبایا لیکن نگل نہ سکی، اس لیے پھینک دیا اور کان، ناک وغیرہ کے ہار اور پازیب بنائے۔ ①

ادھر اُبی بن خلف نے بڑے گھمنڈ کے ساتھ گھاٹی کا رخ کیا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کرے گا لیکن اس کے برعکس رسول اللہ ﷺ نے اس کو خود اور زرہ کے درمیان حلق کے پاس ایک چھوٹے سے نیزے سے ایسی ضرب لگائی کہ وہ اپنے گھوڑے پر کئی بار لڑھک لڑھک گیا اور بیل کی طرح چنگھاڑتا ہوا قریش کے پاس پلٹا۔ پھر واپسی میں مکہ کے بالکل قریب مقام سَرِف پہنچ کر مر گیا۔ ②

اس کے بعد قریش کے چند آدمی آئے۔ ان کی قیادت ابوسفیان اور خالد بن ولید کر رہے تھے۔ یہ پہاڑ کے بعض اطراف میں چڑھ گئے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور مہاجرین کی ایک جماعت نے لڑ کر انھیں پہاڑ سے نیچے اتار دیا۔ ③ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے تیر مار کر ان کے تین آدمی قتل بھی کیے۔ ④

اس طرح مشرکین کے مقتولین کی کل تعداد 22 اور کہا جاتا ہے کہ 37 ہوئی۔ جبکہ مسلمانوں کے 70 آدمی کام آئے۔ 41 خزرج کے اور 24 اوس کے اور 4 مہاجرین کے۔ ان کے علاوہ ایک یہودی بھی مارا گیا۔ بعض اقوال اس سے مختلف بھی ہیں۔ ⑤ ابوسفیان اور خالد بن ولید نے آخری ناکام کوشش کے بعد مکہ واپسی کی تیاری شروع کر دی۔

ادھر رسول اللہ ﷺ جب گھاٹی کے اندر مطمئن ہو چکے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ''مہراس'' سے، جو احد کے اندر ایک چشمہ ہے، پانی لے آئے اور آپ ﷺ کو پینے کے لیے پیش کیا۔

① سیرت ابن هشام: 90/2. ② المستدرك للحاكم: 327/2، و سیرت ابن هشام: 74/2. ③ سیرت ابن هشام: 86/2. ④ زادالمعاد: 95/2. ⑤ سیرت ابن هشام: 122/2 و 129، و فتح الباري: 351/7.

آپ نے قدرے ناگوار بو محسوس کی، اس لیے پیا تو نہیں، البتہ اس سے چہرہ دھویا اور سر پر بھی ڈال لیا مگر اس کے سبب زخم سے خون بہنے لگا جو تھم نہیں رہا تھا، لہٰذا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے چٹائی کا ایک ٹکڑا جلا کر اس پر راکھ چپکا دی اور خون تھم گیا، پھر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ خوش ذائقہ پانی لے آئے جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیا اور انھیں دعائے خیر دی۔ زخم کے سبب ظہر کی نماز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر پڑھی اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھ کر ہی نماز ادا کی۔[1]

اسی اثنا میں انصار و مہاجرین کی کچھ عورتیں بھی آ پہنچیں، جن میں حضرت عائشہ، ام سلیم اور ام سلیط رضی اللہ عنہن تھیں۔ یہ پانی سے مشکیزے بھرتیں اور زخمیوں کو پلاتی تھیں۔[2]

گفتگو اور قرار داد جب مشرکین واپسی کے لیے پورے طور پر تیار ہو چکے تو ابوسفیان جبل احد پر نمودار ہوا اور با آواز بلند بولا ''کیا تم میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں؟''

کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے پھر کہا: ''کیا تم میں ابو قحافہ کے بیٹے (ابوبکر) ہیں؟''

کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے پھر کہا: ''کیا تم میں عمر بن خطاب ہیں؟''

اب بھی کسی نے جواب نہ دیا۔ انھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دینے سے منع کر رکھا تھا۔

اب ابوسفیان نے کہا: ''اچھا چلو! ان تینوں سے تو فرصت ہوئی۔''

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے قابو ہو گئے، بولے ''او اللہ کے دشمن! جن کا تو نے نام لیا ہے، وہ سب زندہ ہیں اور ابھی اللہ نے تیری رسوائی کا سامان باقی رکھا ہے۔''

ابوسفیان نے کہا: ''تمھارے مقتولین کا مثلہ ہوا ہے۔ میں نے اس کا حکم دیا تھا نہ برا منایا ہے۔'' پھر اس نے نعرہ لگایا: «اُعْلُ هُبُل» ''ہبل بلند ہو۔''

[1] سیرت ابن هشام: 85/2 و87، و صحیح البخاري، الجهاد، باب دواء الجرح بإحراق الحصير، حديث: 3037، و السيرة الحلبية: 30/2. [2] صحيح البخاري، الجهاد، باب حمل النساء القرب إلى الناس في الغزو، حديث: 2881، و السيرة الحلبية: 22/2.

نبی ﷺ نے صحابہ کو جواب سکھایا تو انھوں نے کہا: «اَللّٰهُ أَعْلٰى وَأَجَلُّ» ”اللہ اعلیٰ وبرتر ہے۔“

ابوسفیان نے پھر نعرہ لگایا: «لَنَا الْعُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ» ”ہمارے لیے عزیٰ ہے اور تمھارے لیے عزیٰ نہیں۔“

نبی ﷺ نے پھر جواب سکھایا اور صحابۂ کرام نے کہا: «اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ» ”اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمھارا کوئی مولیٰ نہیں۔“

اس کے بعد ابوسفیان نے کہا: ”کتنا اچھا کارنامہ رہا۔ آج کا دن جنگ بدر کے دن کا بدلہ ہے اور لڑائی ڈول ہے۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ”برابر نہیں، ہمارے مقتولین جنت میں ہیں اور تمھارے مقتولین جہنم میں۔“

ابوسفیان نے کہا: ”تم لوگ یہی سمجھتے ہو لیکن اگر ایسا ہوا تو ہم ناکام و نامراد رہے۔“

پھر ابوسفیان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور کہا: ”عمر! میں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا ہم نے محمد کو قتل کر دیا ہے؟“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ”واللہ! نہیں وہ اس وقت تمھاری باتیں سن رہے ہیں۔“

ابوسفیان نے کہا: ”تم میرے نزدیک ابن قمئہ سے زیادہ سچے اور راست باز ہو۔“[1]

اس کے بعد ابوسفیان نے پکار کر کہا: ”آئندہ سال بدر میں پھر لڑنے کا وعدہ ہے۔“

رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی سے فرمایا: ”کہہ دو، ٹھیک ہے۔ اب یہ بات ہمارے اور تمھارے درمیان طے رہی۔“[2]

مشرکین کی واپسی اور مسلمانوں کی طرف سے شہیدوں اور زخمیوں کی خبر گیری: اس کے بعد ابوسفیان واپس چلا گیا اور مشرکین کے لشکر نے کوچ کا آغاز کر دیا۔ وہ اونٹوں پر سوار

① سیرت ابن ہشام: 94,93/2، و زادالمعاد: 94/2، و صحیح البخاري، الجهاد، باب ما یکره من التنازع والاختلاف في الحرب، حدیث: 3039. ② سیرت ابن ہشام: 94/2.

تھے اور گھوڑوں کو پہلو میں کر رکھا تھا۔ اس کے معنی یہ تھے کہ ان کا ارادہ مکہ کا ہے اور یہ مسلمانوں پر محض اللہ کا فضل تھا کیونکہ مشرکین اور مدینہ کے درمیان کوئی نہ تھا جو انھیں مدینہ میں داخل ہونے سے روکتا لیکن اللہ تعالیٰ نے، جو انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہوتا ہے، انھیں پھیر دیا۔

اس کے بعد مسلمان زخمیوں، اور شہیدوں کی کھوج خبر لینے کے لیے میدان میں اتر آئے۔ بعض لوگوں نے بعض شہیدوں کو مدینہ منتقل کر دیا۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ''انھیں ان کی شہادت گاہوں میں واپس لایا جائے اور سارے شہداء کو غسل اور نماز جنازہ کے بغیر ان کے کپڑوں ہی میں دفن کر دیا جائے۔'' آپ نے دو دو اور تین تین شہیدوں کو ایک ہی قبر کے اندر دفن کیا اور بسا اوقات دو شہیدوں کو ایک ہی کپڑے کے اندر جمع فرمایا اور درمیان میں اِذْخِر (گھاس) ڈال دی اور لحد میں اس شخص کو آگے کیا، جسے قرآن زیادہ یاد تھا اور فرمایا:

«أَنَا شَهِيدٌ عَلٰى هٰؤُلَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

''میں ان لوگوں کے بارے میں قیامت کے روز گواہی دوں گا۔''[1]

لوگوں نے حنظلہ بن ابو عامر رضی اللہ عنہ کی لاش اس حالت میں پائی کہ وہ زمین سے اوپر تھی اور اس سے پانی ٹپک رہا تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَغْسِلُهُ»

''فرشتے انھیں غسل دے رہے ہیں۔''

ان کا واقعہ یہ تھا کہ انھوں نے ابھی نئی نئی شادی کی تھی اور بیوی کے ساتھ ہی تھے کہ جنگ کی پکار پڑ گئی۔ وہ بیوی کو چھوڑ کر سیدھے میدان جنگ میں آ گئے اور پھر حالت جنابت ہی میں لڑتے ہوئے شہید ہو گئے، لہٰذا فرشتوں نے انھیں غسل دیا اور اسی لیے وہ ''غَسِيلُ الْمَلَائِكَةِ'' (فرشتوں کے غسل دیے ہوئے) کہلاتے ہیں۔[2]

[1] صحيح البخاري، الجنائز، باب الصلاة على الشهيد، حديث: 1343. [2] زادالمعاد: 94/2.

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو اتنی چھوٹی چادر میں کفنایا گیا کہ اگر سر ڈھانکا جاتا تو پاؤں کھل جاتے تھے اور پاؤں ڈھانکے جاتے تو سر کھل جاتا تھا، چنانچہ پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دی گئی۔ یہی صورت حال مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آئی۔ [1]

جانب مدینہ اور اندرون مدینہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمان، شہداء کے دفن اور ان کے لیے دعا سے فارغ ہو چکے تو مدینے کا رخ کیا۔ راستے میں کچھ عورتیں ملیں جن کے اقارب شہید ہوئے تھے۔ نبی ﷺ نے انھیں تسلی دی اور ان کے لیے دعا فرمائی۔ بنو دینار کی ایک خاتون آئیں، جن کے شوہر، بھائی اور باپ شہید ہو گئے تھے۔ جب انھیں ان لوگوں کی شہادت کی خبر دی گئی تو پوچھنے لگیں کہ ”رسول اللہ ﷺ کا کیا ہوا؟“

لوگوں نے کہا: ”آپ بحمد اللہ، جیسا تم چاہتی ہو ویسے ہی ہیں۔“

خاتون نے کہا: ”ذرا مجھے آپ کو دکھلا دو۔“

لوگوں نے انھیں اشارے سے بتلایا۔ جب ان کی نظر آپ ﷺ پر پڑی تو بے ساختہ پکار اٹھیں: « كُلُّ مُصِيبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ » ”کہ آپ کے بعد ہر مصیبت ہیچ ہے۔“ [2]

مدینہ پہنچ کر مسلمانوں نے ہنگامی حالت میں رات گزاری، زخم، تھکان اور غم والم نے انھیں چور چور کر رکھا تھا، پھر بھی وہ مدینے کا پہرہ دیتے رہے اور رسول اللہ ﷺ کی حفاظت پر متعین رہے۔ ادھر رسول اللہ ﷺ نے محسوس کیا کہ دشمن کی نقل وحرکت پر نظر رکھنا ضروری ہے تاکہ اگر وہ مدینہ واپس آنے کی کوشش کرے تو اس سے کھلے میدان ہی میں دو دو ہاتھ کیے جائیں۔

غزوۂ حمراء الاسد چنانچہ صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے مسلمانوں میں اعلان فرمایا: ”دشمن سے مقابلے کے لیے چلنا ہے اور صرف وہی آدمی جا سکتا ہے جو معرکۂ احد میں موجود تھا۔“

[1] صحيح البخاري، الجنائز، باب الكفن من جميع المال، حديث: 1274. [2] سیرت ابن ہشام: 99/2.

لوگوں نے کہا: «سَمْعًا وَّطَاعَةً» ”ہم نے بات سنی اور مانی۔“

چنانچہ لوگ مدینے سے چل پڑے اور آٹھ میل دور حمراء الاسد پہنچ کر پڑاؤ ڈال دیا۔ ادھر مشرکین نے مدینے سے چھتیس میل دور مقام روحاء پہنچ کر پڑاؤ ڈالا اور وہاں مدینہ پلٹنے کے لیے مشورہ شروع کر دیا۔ انھیں افسوس تھا کہ انھوں نے ایک بہترین موقع ہاتھ سے جانے دیا۔

اسی دوران معبد بن ابو معبد خزاعی، جو رسول اللہ ﷺ کے خیر خواہوں میں سے تھا، حمراء الاسد میں آپ کے پاس آیا اور احد کے واقعے پر آپ سے تعزیت کی، آپ ﷺ نے اسے فرمایا:

”ابوسفیان سے ملو اور اس کی حوصلہ شکنی کرو۔“

معبد روحاء پہنچا۔ اس وقت مشرکین مدینہ واپسی کا فیصلہ کر چکے تھے۔ معبد نے انھیں بری طرح ڈرایا۔ کہا: ”محمد (ﷺ) ایسی جمعیت لے کر نکلے ہیں کہ میں نے کبھی ویسی جمعیت نہیں دیکھی۔ سارے لوگ تمھارے خلاف غصے سے کباب ہوئے جا رہے ہیں اور تم پر اس قدر بھڑکے ہوئے ہیں کہ میں نے اس کی مثال نہیں دیکھی، نیز میرا خیال ہے کہ تم کوچ کرنے سے پہلے پہلے اس لشکر کا ہراول دستہ اس ٹیلے کے پیچھے سے نمودار ہوتا ہوا دیکھ لو گے۔“

یہ سن کر مکی لشکر کے عزائم ڈھیلے پڑ گئے اور ان کے حوصلے ٹوٹ گئے، چنانچہ ابوسفیان نے صرف جوابی اعصابی جنگ پر اکتفا کیا اور ایک قافلے کو مکلف کیا کہ وہ مسلمانوں سے کہے:

﴿إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ﴾

”لوگ تمھارے خلاف جمع ہیں، ان سے ڈرو۔“[1]

تاکہ مسلمان اس کا تعاقب نہ کریں اور خود وہ جلدی سے مکہ کوچ کر گیا۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے تو یہ دھمکی ان پر کچھ اثر انداز نہ ہوئی بلکہ:

﴿فَزَادَهُمْ إِيمَانًا ۖ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ۝﴾

[1] آل عمرٰن 3:173.

''اس نے ان کے ایمان کو اور بڑھا دیا اور انھوں نے کہا: اللہ ہمارے لیے کافی ہے اور بہترین کارساز ہے۔''[1]

﴿فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ۝﴾

''چنانچہ وہ اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ پلٹے۔ انھیں کسی برائی نے نہ چھوا اور انھوں نے اللہ کی رضا مندی کی پیروی کی اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔''[2]

حادثے اور غزوات

اُحد میں مسلمانوں کو جو زک اٹھانی پڑی، اس کے اثرات بہر حال اچھے نہ تھے۔ دشمن جری ہوگئے اور کھل کر مدِ مقابل آگئے اور کئی واقعات ایسے پیش آئے جو مسلمانوں کے حق میں بہتر نہ تھے۔ یہاں اہم واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

رجیع کا حادثہ (صفر 4 ہجری) عضل اور قارہ (قبائل) کے کچھ لوگ نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ ان کے اندر اسلام کا کچھ چرچا ہے، لہٰذا آپ انھیں دین سکھانے اور قرآن پڑھانے کے لیے کچھ لوگوں کو بھیج دیں۔ آپ نے عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کی امارت میں دس صحابہ رضی اللہ عنہم کو روانہ کر دیا۔ جب یہ لوگ ''رجیع'' پہنچے تو انھوں نے ان کے ساتھ غداری کی اور قبیلۂ ہذیل کی ایک شاخ بنولحیان کو ان پر چڑھا لائے۔ ان کے تقریباً ایک سو تیر اندازوں نے انھیں ایک ٹیلے پر جا گھیرا۔ پھر انھوں نے عہد و پیمان دیا کہ اگر وہ اتر آئیں تو انھیں قتل نہ کریں گے۔ عاصم رضی اللہ عنہ نے اترنے سے انکار کر دیا اور رفقاء سمیت ان سے جنگ شروع کر دی۔ سات شہید ہوگئے جبکہ تین باقی رہے۔ کفار نے پھر وہی عہد و پیمان دیا، چنانچہ وہ تینوں اتر آئے مگر کفار نے ان سے بدعہدی کی اور انھیں باندھ لیا۔ اس پر ایک نے

[1] آل عمران 3:173. [2] آل عمرٰن 3:174. اس غزوے کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: سیرت ابن ہشام: 60/2-129، و زادالمعاد: 91/2-108، و فتح الباري: 345/7و377.

یہ کہہ کر ساتھ جانے سے انکار کر دیا کہ یہ پہلی بدعہدی ہے۔ کفار نے اسے قتل کر دیا اور باقی دو کو مکہ لے جا کر بیچ دیا۔ یہ دونوں خبیب بن عدی اور زید بن دثنہ رضی اللہ عنہما تھے۔ خبیب رضی اللہ عنہ نے جنگِ بدر میں حارث بن عامر بن نوفل کو قتل کیا تھا، لہٰذا ان کی اولاد نے انھیں خرید کر کچھ عرصے تک قید رکھا، پھر تنعیم لے جا کر قتل کر دیا۔ اُنھوں نے قتل سے پہلے دو رکعت نماز پڑھی، پھر ان پر بددعا کی، پھر چند اشعار کہے، جن میں سے دو یہ ہیں:

وَلَسْتُ أُبَالِي حِينَ أُقْتَلُ مُسْلِمًا
عَلٰى أَيِّ جَنْبٍ كَانَ لِلّٰهِ مَصْرَعِي
وَذٰلِكَ فِي ذَاتِ الْإِلٰهِ وَإِنْ يَّشَأْ
يُبَارِكْ عَلٰى أَوْصَالِ شِلْوٍ مُّمَزَّعِ

''میں مسلمان مارا جاؤں تو مجھے کچھ پروا نہیں، کہ اللہ کی راہ میں کس پہلو پر قتل ہوتا ہوں اور یہ تو اللہ کی ذات کے لیے ہے۔ اگر وہ چاہے تو بوٹی بوٹی کیے ہوئے اعضا کے جوڑ جوڑ میں برکت دے۔''

اس کے بعد ابوسفیان نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ سے کہا: ''کیا تمھیں یہ بات پسند آتی ہے کہ (تمھارے بدلے) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے پاس ہوتے، ہم ان کی گردن مارتے اور تم اپنے اہل و عیال میں ہوتے۔'' انھوں نے کہا: ''واللہ! مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ میں اپنے اہل و عیال میں ہوتا اور (اس کے بدلے) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں آپ ہوں، وہیں کوئی کانٹا چبھ جاتا اور وہ آپ کو تکلیف دیتا۔''

پھر حارث بن عامر کے بیٹے نے انھیں اپنے باپ کے بدلے قتل کر دیا۔

باقی رہا زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کا معاملہ تو انھوں نے غزوۂ بدر میں امیہ بن خلف کو قتل کیا تھا، لہٰذا انھیں اس کے بیٹے صفوان بن امیہ نے خرید کر اپنے باپ کے بدلے قتل کیا۔ بعض کتب میں ابوسفیان اور حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا گفتگو حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دی گئی ہے۔

حادثے کے بعد قریش نے بعض آدمی بھیجے کہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کے جسم کا کوئی ٹکڑا لائیں لیکن اللہ نے بھڑوں کا جھنڈ بھیج دیا، جنھوں نے ان کی حفاظت کی۔ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے اللہ سے یہ عہد کر رکھا تھا کہ ان کی زندگی میں نہ انھیں کوئی مشرک چھوئے گا اور نہ وہ کسی مشرک کو چھوئیں گے۔ اللہ نے وفات کے بعد بھی اس عہد کا پاس رکھا۔[1]

بئر معونہ کا المیہ (صفر 4 ہجری) حادثۂ رجیع ہی کے زمانے میں ایک اور المیہ پیش آیا، جو رجیع سے بھی زیادہ المناک تھا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ابو براء عامر بن مالک جو «مُلَاعِبُ الْأَسِنَّة» (نیزوں سے کھیلنے والا) کے لقب سے مشہور تھا۔ مدینے میں خدمت نبوی میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ اس نے اسلام تو قبول نہیں کیا لیکن دوری بھی اختیار نہیں کی اور یہ توقع ظاہر کی کہ اگر اہل نجد کے پاس تبلیغ کے لیے آدمی بھیج دیے جائیں تو وہ اسلام قبول کر لیں گے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ وہ میری پناہ میں ہوں گے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرائے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ستر (70) مبلغین بھیج دیے۔ انھوں نے ''بئر معونہ'' پر پڑاؤ ڈالا اور حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک لے کر اللہ کے دشمن عامر بن طفیل کے پاس گئے۔ اس نے خط پڑھنے کے بجائے ایک آدمی کو حکم دیا اور اس نے حضرت حرام رضی اللہ عنہ کو پیچھے سے اس طرح نیزہ مارا کہ وہ آر پار ہو گیا۔ حضرت حرام رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اللہ اکبر! رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔''

پھر فوراً ہی اس اللہ کے دشمن نے باقی صحابہ پر حملے کے لیے بنو عامر کو آواز دی مگر ابو براء کی پناہ کے پیش نظر انھوں نے اس کی آواز پر کان نہ دھرے، لہٰذا اس نے بنو سلیم کو آواز دی اور اس کی چند شاخوں، رعل، ذکوان اور عُصَیَّہ نے آ کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا محاصرہ کر لیا اور سب کو تہ تیغ کر ڈالا۔ صرف کعب بن زید اور عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہما بچ رہے۔

[1] صحیح البخاري، الجهاد، باب هل یستأسر الرجل، حدیث: 3045، و سیرت ابن ہشام: 179,169/2، و زادالمعاد: 109/2.

کعب بن زید رضی اللہ عنہ زخمی تھے۔ انھیں مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا گیا، چنانچہ وہ شہداء کے درمیان سے اٹھا لائے گئے، پھر زندہ رہے اور غزوۂ خندق میں شہید ہوئے۔ عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ، منذر بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اونٹ چرا رہے تھے۔ انھوں نے جائے واردات پر پرندوں کو منڈلاتے دیکھا تو حادثے کی نوعیت سمجھ گئے، چنانچہ وہاں پہنچ کر منذر رضی اللہ عنہ نے لڑتے بھڑتے شہادت حاصل کی اور عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ قید کر لیے گئے۔ جب عامر بن طفیل کو بتایا گیا کہ ان کا تعلق قبیلۂ مضر سے ہے تو عامر نے ان کی پیشانی کے بال کٹوا کر اپنی ماں کی طرف سے جس پر ایک گردن آزاد کرنے کی نذر تھی، انھیں آزاد کر دیا۔

حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ مدینہ پلٹے۔ راستے میں ''قرقرہ'' نامی ایک مقام پر پہنچے تو بنوکلاب کے دو آدمی ملے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے انھیں دشمن کا آدمی سمجھ کر قتل کر دیا، حالانکہ ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کی طرف سے عہد تھا، چنانچہ جب مدینہ پہنچ کر انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع دی تو آپ نے فرمایا: «قَتَلْتَ قَتِيلَيْنِ، لَأَدِيَنَّهُمَا»

''تم نے ایسے دو آدمی قتل کیے ہیں جن کی دیت مجھے دینی ہوگی۔''

رسول اللہ ﷺ کو رجیع اور بئر معونہ کے ان حادثات سے سخت رنج والم پہنچا۔ یہ دونوں حادثے ایک ہی مہینے، یعنی صفر 4 ہجری میں پیش آئے تھے اور کہا جاتا ہے کہ دونوں واقعات کی خبر آپ کو ایک ہی رات میں پہنچی تھی۔ آپ ﷺ نے ان قاتلوں پر تیس روز تک نماز فجر میں بددعا فرمائی، یہاں تک کہ اللہ نے ان شہداء کی طرف سے یہ پیغام نازل کیا:

''ہماری قوم کو ہماری طرف سے یہ بات پہنچا دو کہ ہم اپنے رب سے ملے تو وہ ہم سے راضی ہے اور ہم اس سے راضی ہیں۔''

اس کے بعد آپ نے قنوت ترک فرما دیا۔[1]

غزوۂ بنی نضیر (ربیع الاول 4 ہجری) بنونضیر نے بئر معونہ والوں کے ساتھ غداری

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الرجيع، حديث:4086 و2801، و سيرت ابن هشام: 183/2 و 188، و طبقات ابن سعد:54,53/2، و زادالمعاد:110,109/2.

کرنے والے عضل اور قارہ سے بھی زیادہ ایک خبیث سازش کی۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ ان کے ساتھ جمع ہوں تاکہ آپ سے قرآن واسلام کی بات سنیں، مناقشہ کریں اور مطمئن ہو جائیں تو ایمان بھی لائیں، چنانچہ اس پر اتفاق ہو گیا۔ جبکہ ان بدمعاشوں نے آپس میں طے کر رکھا تھا کہ ہر آدمی کپڑے کے اندر خنجر چھپا کر چلے اور نبی ﷺ کو غفلت کی حالت میں اچانک قتل کر دیں۔ مگر آپ کو عین وقت پر خبر ہو گئی اور آپ ﷺ نے ان کی جلاوطنی کا فیصلہ کر لیا۔[1]

عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے واپس آ کر جب بنو کلاب کے دو آدمیوں کے قتل کی اطلاع دی تو آپ ﷺ چند صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہمراہ بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے تاکہ وہ معاہدہ کے مطابق ان دونوں مقتولین کی دیت کی ادائیگی میں اعانت کریں۔ انھوں نے کہا:

"ابو القاسم! ہم ایسا ہی کریں گے۔ آپ یہاں تشریف رکھیے۔ ہم آپ کی ضرورت پوری کیے دیتے ہیں۔"

چنانچہ آپ ﷺ ایک دیوار سے ٹیک لگا کر انتظار میں بیٹھ گئے اور یہود آپس میں اکٹھے ہوئے تو ان پر شیطان سوار ہو گیا اور انھوں نے کہا:

"کون ہے جو اس چکی کے پاٹ کو لے کر اوپر جائے اور آپ کے سر پر گرا دے۔"

اس پر بدبخت ترین یہودی عمرو بن جحاش اٹھا۔ ادھر حضرت جبریل علیہ السلام نے آ کر نبی ﷺ کو ان کے ارادے کی خبر کر دی، چنانچہ آپ ﷺ تیزی سے اٹھے اور مدینہ چلے آئے۔ بعد میں صحابہ رضی اللہ عنہم بھی آپ سے آن ملے اور آپ نے انھیں سازش کی اطلاع دی۔

اس کے بعد آپ نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو یہود کے پاس بھیج کر کہلایا:

«أُخْرُجُوا مِنَ الْمَدِينَةِ وَلَا تُسَاكِنُونِي بِهَا، وَقَدْ أَجَّلْتُكُمْ عَشْرًا، فَمَنْ

[1] المصنف لعبدالرزاق: 5/357 و360، و حدیث: 1733، و سنن أبي داود، الخراج والفيء، باب في خبر النضير، حديث: 3004.

وُجِدَ بَعْدَهُ يُضْرَبُ عُنُقُهُ»

"مدینے سے نکل جاؤ۔ اب تم میرے ساتھ یہاں نہیں رہ سکتے۔ تمھیں دس دن کی مہلت ہے۔ اس کے بعد جو پایا جائے گا اس کی گردن ماردی جائے گی۔"

اس نوٹس پر یہود نے چند دن تک سفر کی تیاریاں کیں لیکن اسی دوران رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے کہلا بھیجا کہ "ڈٹ جاؤ اور نہ نکلو، میرے پاس دو ہزار مردانِ ضرب وحرب ہیں جو تمھارے ساتھ تمھارے قلعوں میں داخل ہوں گے اور تمھاری حفاظت کی خاطر جان دے دیں گے۔"

﴿لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَدًا أَبَدًا ۙ وَإِنْ قُوتِلْتُمْ لَنَنصُرَنَّكُمْ ۖ﴾

"اگر تمھیں نکالا گیا تو ہم بھی تمھارے ساتھ نکل جائیں گے اور تمھارے بارے میں ہرگز کسی کی بات نہ مانیں گے اور اگر تم سے لڑائی کی گئی تو ہم تمھاری مدد کریں گے۔"[1]

اور بنوقریظہ اور غطفان بھی تمھاری مدد کریں گے۔ یہ سن کر یہود نے قوت محسوس کی اور رسول اللہ ﷺ کو کہلا بھیجا کہ ہم نہیں نکلتے آپ کو جو کرنا ہے کرلیں۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے اللہ اکبر کہا، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی تکبیر کہی۔ مدینے کا انتظام حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو سونپا۔ جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دے کر بنونضیر کے علاقے کا رخ کیا اور وہاں پہنچ کر ان کا محاصرہ کرلیا۔ انھوں نے اپنے قلعوں اور گڑھیوں میں پناہ لی اور اسلامی لشکر پر تیر اور پتھر برسائے چونکہ کھجور کے درخت اور باغات ان کے لیے سپر کا کام دے رہے تھے، اس لیے نبی ﷺ نے حکم دیا کہ انھیں کاٹ اور جلا دیا جائے۔ اس سے ان کے حوصلے ٹوٹ گئے اور اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا، چنانچہ چھ روز کے بعد اور کہا جاتا ہے کہ پندرہ روز کے بعد انھوں نے اس شرط پر ہتھیار ڈال دیے کہ وہ مدینے سے

[1] الحشر 11:59.

جلاوطن ہو جائیں گے۔ اس موقع پر بنو قریظہ بھی ان سے الگ تھلگ رہے۔ منافقین کے سردار اور ان کے حلیفوں نے بھی خیانت کی:

﴿ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ ﴾

''جیسے شیطان انسان سے کہتا ہے کہ کفر کر اور جب وہ کفر کر بیٹھتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ میں تجھ سے بری ہوں۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے انھیں اجازت دی کہ ہتھیار کے سوا جو ساز و سامان چاہیں لے جاسکتے ہیں، چنانچہ ان سے جو کچھ ہو سکا لے گئے، حتیٰ کہ گھروں کے دروازے، کھڑکیاں، کھونٹیاں اور چھتوں کی کڑیاں تک اکھاڑ کر لے گئے۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۗ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ○﴾

''وہ اپنے ہاتھوں اور اہل ایمان کے ہاتھوں اپنے گھر برباد کر رہے تھے۔ پس اے اہلِ بصیرت! عبرت پکڑو۔''[2]

جلاوطنی کے بعد ان کی اکثریت اور بڑے لوگوں نے خیبر میں قیام کیا اور ایک چھوٹا گروہ ملک شام جا بسا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی زمین اور علاقہ خاص ''مہاجرین اوّلین'' میں تقسیم فرمایا، صرف دو انصاری ابو دجانہ اور سہل بن حنیف رضی اللہ عنہما کو ان کی تنگ دستی کے سبب اس میں سے عطا فرمایا۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ اسی میں سے اپنی ازواج مطہرات کا سال بھر کا خرچ نکالتے تھے اور اس کے بعد جو کچھ بچتا تھا اسے جہاد کی تیاری کے لیے ہتھیار اور گھوڑوں کی فراہمی میں صرف فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کے پاس سے پچاس خود اور تین سو تلواریں بھی پائیں۔[3]

غزوۂ بدر دوم (شعبان 4 ہجری) پہلے گزر چکا ہے کہ ابوسفیان نے ''احد'' میں اگلے سال جنگ کا اعلان کیا تھا، چنانچہ شعبان 4 ہجری کی آمد پر رسول اللہ ﷺ نے وعدے کے

[1] الحشر 16:59. [2] الحشر 2:59. [3] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ﴾، حديث:4031، و سیرت ابن هشام: 190/2 و 192، و زادالمعاد: 71/2 و 110.

مطابق بدر کا رخ کیا اور وہاں آٹھ دن ٹھہر کر ابوسفیان کا انتظار کرتے رہے۔ آپ ﷺ کے ساتھ ڈیڑھ ہزار کا لشکر اور دس گھوڑے تھے۔ جھنڈا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو دیا تھا اور مدینے کا انتظام عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا تھا۔

ادھر ابوسفیان بھی پچاس سوار سمیت دو ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوا اور ''مَرُّالظَّھران'' پہنچ کر مَجِنَّہ کے مشہور چشمے پر پڑاؤ ڈالا لیکن شروع سے اس پر رعب طاری تھا، چنانچہ یہاں پہنچ کر اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

''جنگ اسی وقت موزوں ہوتی ہے جب شادابی اور ہریالی ہو کہ جانور چر سکیں اور تم بھی دودھ پی سکو۔ اس وقت خشک سالی ہے، لہٰذا میں واپس جا رہا ہوں۔ تم لوگ بھی واپس چلے چلو۔ اس پر پورا لشکر کسی مخالفت کے بغیر واپس ہو گیا۔''

مسلمانوں نے بدر میں ٹھہر کر اپنا سامان تجارت بیچا اور ایک درہم کے دو درہم بنائے، پھر اس شان سے واپس آئے کہ ہر دشمن پر ان کی دھاک بیٹھ چکی تھی اور ہر جانب امن وامان قائم ہو چکا تھا، چنانچہ ایک سال سے زیادہ گزر گیا اور دشمنوں کو کچھ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اس کی بدولت رسول اللہ ﷺ نے آخری حدود تک امن پھیلانے کا موقع پایا، چنانچہ ربیع الاول 5 ہجری میں ڈاکوؤں کی سرکوبی کے لیے ''دُومۃ الجندل'' تشریف لے گئے۔ اور یوں ہر چہار جانب امن وامان کا دور دورہ ہو گیا۔[1]

غزوۂ خندق {شوال و ذی قعدہ 5 ہجری}

رسول اللہ ﷺ نے جو حکیمانہ اقدامات کیے تھے، ان کی بدولت ہر طرف امن وامان چھا گیا تھا، چنانچہ غزوۂ بنونضیر کے بعد ڈیڑھ سال سے زیادہ عرصے تک کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا اور ایسا لگتا تھا کہ اب مسلمان اپنے دین کی اشاعت اور اپنے احوال کی اصلاح کے لیے کلی طور پر فارغ ہو جائیں گے لیکن یہ یہود تھے ...... جنھیں حضرت مسیح علیہ السلام نے سانپ اور

[1] سیرت ابن ھشام: 2/209 - 210، و زادالمعاد: 2/112.

سانپوں کی اولاد کہا ہے...... جنھیں گوارا نہ تھا کہ مسلمان چین کا سانس لے سکیں، چنانچہ خیبر میں قیام کرنے اور مطمئن ہو جانے کے بعد انھوں نے سازشیں اور پس پردہ حرکتیں شروع کر دیں اور اہلِ مدینہ کے خلاف ''قبائلِ عرب'' کا ایک نہایت زبردست لشکر لانے میں کامیاب ہو گئے۔

''اہلِ سیر'' کہتے ہیں کہ یہودِ خیبر کے بیس سردار اور رہنما قریش کے پاس گئے اور اُنھیں مدینے کے خلاف جنگ پر آمادہ کیا اور اپنی مدد کا یقین دلایا۔ قریش اس کے لیے تیار ہو گئے تو یہ لوگ بنو غطفان کے پاس گئے۔ انھوں نے بھی بات مان لی۔ اس کے بعد دوسرے قبائل میں گھومے اور ان میں سے متعدد قبائل نے جنگ لڑنی منظور کر لی۔ اس کے بعد سارے قبائل کو ایک منظم پلان کے تحت اس طرح حرکت دی کہ سب کے سب ایک ہی وقت مدینے کے اطراف میں پہنچ گئے۔''

شوریٰ اور خندق اس اجتماع اور حرکت کی خبر بروقت مدینہ پہنچ گئی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے خندق کھودنے کا مشورہ دیا۔ یہ رائے پسند کی گئی اور اسی پر اتفاق ہو گیا۔

چونکہ مدینے کے مشرق، مغرب اور جنوب تین اطراف میں لاوے کی چٹانیں ہیں، اس لیے صرف شمالی علاقہ لشکر کے داخلے کے لائق تھا، لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے اسی جانب حرہ شرقیہ اور غربیہ کے درمیان کا سب سے تنگ مقام منتخب کیا۔ جو کم وبیش ایک میل ہے۔ وہاں خندق کھود کر دونوں حروں کو ملا دیا۔ مغرب میں یہ خندق سلع پہاڑی کے شمال سے شروع ہوتی تھی اور مشرق میں مقام شیخین کے پاس حرہ شرقیہ کے ایک بڑھے ہوئے سرے سے جا ملتی تھی۔

آپ نے ہر دس آدمیوں کو چالیس ہاتھ خندق کھودنے کا کام سونپا اور خود خندق کھودنے اور مٹی ڈھونے میں شریک ہو گئے۔ لوگ رجز پڑھتے اور آپ ﷺ جواب دیتے، نیز

آپ ﷺ رجز پڑھتے اور لوگ جواب دیتے تھے۔ ① لوگوں نے خندق کھودنے میں بڑی مشقتیں برداشت کیں۔ بالخصوص جاڑے اور بھوک کی شدت، چنانچہ ہتھیلی بھر جو لائے جاتے اور بُو دینے والی چکنائی کے ساتھ کھانا بنایا جاتا، لوگ اسی کو کھالیتے، حالانکہ حلق سے اس کا اُترنا مشکل ہوتا۔ ② لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے بھوک کی شکایت کی اور اپنے پیٹوں پر ایک ایک پتھر بندھا ہوا دکھلایا تو آپ ﷺ نے انھیں اپنے پیٹ پر دو پتھر دکھلا دیے۔ ③

خندق کی کھدائی کے دوران میں بعض نشانیاں بھی دیکھنے میں آئیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی بھوک کی سختی دیکھی تو صبر نہ کر سکے۔ اپنی بکری کا ایک بچہ ذبح کیا اور ان کی بیوی نے ایک صاع (تقریباً سوا دو کلو) جو پیسا، پھر انھوں نے خفیہ طور پر رسول اللہ ﷺ کو چند صحابہ سمیت دعوت دی مگر رسول اللہ ﷺ سارے اہلِ خندق کے ساتھ جن کی تعداد ایک ہزار تھی، چل پڑے اور سب نے شکم سیر ہو کر کھایا، پھر بھی ہانڈی بھری ہوئی ابلتی رہی اور آٹے سے روٹی پکتی رہی۔ ④ اسی طرح نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی بہن اپنے والد اور ماموں کے لیے ہتھیلی بھر کھجور لے کر گئیں تو رسول اللہ نے اسے کپڑے کے اوپر بکھیر کر سارے اہل خندق کو دعوت دے دی۔ سب کھا کھا کر چلے گئے مگر کھجوریں تھیں کہ کپڑے کے کناروں سے باہر گری جارہی تھیں۔ ⑤

خندق کی کھدائی کے دوران میں حضرت جابر اور ان کے ساتھیوں کے حصے میں ایک سخت چٹان نُما زمین آگئی۔ نبی ﷺ سے کہا گیا تو آپ ﷺ نے اتر کر کدال ماری اور وہ بھر بھری ریت میں بدل گئی۔ ⑥ اسی طرح حضرت براء کے ساتھیوں کا ایک چٹان سے سامنا ہوا۔ نبی ﷺ نے اتر کر "بسم اللہ" کہا اور کدال سے ایک ضرب لگائی تو ایک ٹکڑا کٹ گیا اور اس

① صحيح البخاري، الجهاد، باب حفر الخندق، حديث: 2837. ② صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الخندق وهي الأحزاب، حديث: 4101. ③ جامع الترمذي، الزهد، باب معيشة أصحاب النبي ﷺ، حديث: 2371. ④ صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الخندق، حديث: 4101. ⑤ سيرت ابن هشام: 218/2. ⑥ صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الخندق، حديث: 4110.

سے ایک روشنی نکلی، آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَللّٰهُ أَكْبَرُ، أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ الشَّامِ، وَ إِنِّي لَأَنْظُرُ إِلٰى قُصُورِهَا الْحَمْرَاءِ السَّاعَةَ»

”اللہ اکبر! مجھے شام کی کنجیاں دی گئیں اور اس وقت میں اس کے سرخ محل دیکھ رہا ہوں۔“

اس کے بعد آپ ﷺ نے دوسری ضرب لگائی اور فتح فارس کی خوشخبری سنائی، پھر تیسری ضرب لگائی اور فتح یمن کی خوشخبری سنائی اور پوری چٹان کٹ گئی۔[1]

خندق کے آر پار ادھر قریش اور ان کے پیروکار چار ہزار کا لشکر لے کر آئے۔ ان کے پاس تین سو گھوڑے اور ایک ہزار اونٹ تھے۔ ان کا سالار ابوسفیان تھا اور جھنڈا عثمان بن طلحہ عبدری نے اٹھا رکھا تھا۔ انھوں نے جرف اور زغابہ کے درمیان رومہ کے ”مجتمع الاسیال“ میں پڑاؤ ڈالا۔ دوسری طرف غطفان اور ان کے پیروکار ”اہل نجد“ چھ ہزار کا لشکر لے کر آئے۔ اور احد کے دامن میں وادی نَقَمَی کے آخری سرے پر خیمہ زن ہوئے۔ مدینے کی دیواروں تک ایسے زبردست لشکر کا پہنچ جانا بڑی سخت آزمائش اور خطرے کا باعث تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِذْ جَآءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا ○ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ○﴾

”جب وہ تمھارے اوپر اور تمھارے نیچے سے آئے اور جب نگاہیں کج ہو گئیں، دل حلق کو آگئے اور تم لوگ اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ اس وقت مؤمنین کو آزمایا گیا۔ اور انھیں شدت سے جھنجھوڑ دیا گیا۔“[2]

[1] مسند أحمد: 303/4، و سنن النسائي، الجهاد، باب غزوة الترك والحبشة، حديث: 3178.
[2] الأحزاب 33:10، 11.

لیکن اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر مؤمنین کو ثابت قدم رکھا، جیسا کہ اس کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۡ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ۝ ﴾

''اور جب اہل ایمان نے ان جتھوں کو دیکھا تو کہنے لگے: یہ تو وہی چیز ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا تھا اور اس حالت نے ان کے جذبۂ ایمان واطاعت کو کچھ اور بڑھا دیا۔''[1]

البتہ منافقین اور بیمار دلوں کا حال یہ ہوا کہ انھوں نے کہا:

﴿ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ ﴾

''اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا، وہ محض فریب تھا۔''[2]

بہر حال رسول اللہ ﷺ نے مدینے پر ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو منتظم مقرر کیا، عورتوں اور بچوں کو گڑھیوں میں محفوظ کیا، پھر تین ہزار کا لشکر لے کر نکل پڑے اور جبل سلع کو پشت پر کر کے قلعہ بندی کی شکل اختیار کر لی۔ سامنے خندق تھی جو مسلمانوں اور کفار کے درمیان حائل تھی۔

ادھر مشرکین نے قرار یابی کے بعد تیار ہو کر مدینے کی طرف پیش قدمی کی۔ جب مسلمانوں کے قریب پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک چوڑی سی خندق ان کے اور مسلمانوں کے درمیان حائل ہے۔ یہ دیکھ کر وہ بھونچکا رہ گئے۔ ابوسفیان نے بے ساختہ کہا:

«تِلْكَ مَكِيدَةٌ مَا عَرَفَهَا الْعَرَبُ»

''یہ ایسی چال ہے جس کو عرب جانتے ہی نہیں۔''

اب انھوں نے خندق کے گرد غیظ وغضب کے ساتھ چکر کاٹنا شروع کیا، انھیں کسی ایسے نقطے کی تلاش تھی، جہاں سے خندق پار کر سکیں۔ لیکن مسلمان ان پر تیر برسا کر انھیں خندق کے قریب آنے نہیں دے رہے تھے تاکہ وہ اس میں نہ کود سکیں اور نہ مٹی ڈال کر راستہ

[1] الأحزاب 22:33. [2] الأحزاب 12:33.

بنا سکیں۔

مجبوراً مشرکین کو مدینے کا محاصرہ کرنا پڑا، حالانکہ وہ اس کے لیے تیار ہو کر نہیں آئے تھے کیونکہ چلتے وقت یہ منصوبہ ان کے خواب وخیال میں بھی نہ تھا لیکن بہرحال اب وہ روزانہ دن میں نکلتے اور خندق عبور کرنے کی کوشش کرتے تھے جبکہ مسلمان پورے راستے پر ان کے سامنے موجود ہوتے اور تیروں اور پتھروں سے ان کا استقبال کرتے تھے۔ مشرکین نے کئی بار بڑی زبردست کوشش کی اور پورا پورا دن اسی میں صرف کر دیا لیکن مسلمان بھی دفاع میں ڈٹے رہے، یہاں تک کہ ان کی اور رسول اللہ ﷺ کی کئی کئی نمازیں قضا ہو گئیں اور سورج ڈوبنے کے قریب یا ڈوبنے کے بعد ہی انھیں نماز ادا کرنے کا موقع مل سکا۔[1] اس وقت تک نمازِ خوف مشروع نہیں ہوئی تھی۔

ایک روز مشرکین کے شہسواروں کی ایک جماعت نے، جن میں عمرو بن عبدود، عکرمہ بن ابوجہل اور ضرار بن خطاب وغیرہ تھے، ایک تنگ مقام سے خندق پار کر لی اور ان کے گھوڑے خندق اور سلع کے درمیان چکر کاٹنے لگے۔ ادھر حضرت علی رضی اللہ عنہ چند مسلمانوں کے ہمراہ نکلے اور جس مقام سے انھوں نے خندق پار کی تھی، اسے قبضے میں لے کر ان کی واپسی کا راستہ بند کر دیا۔ اس پر عمرو بن عبدِ وَدّ نے مبارزت کے لیے للکارا۔ وہ بڑا جری اور سفاک تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کچھ کہہ کر اسے بھڑکا دیا اور وہ گھوڑے سے اتر آیا، پھر دونوں نے ایک دوسرے پر بڑھ بڑھ کر وار کیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا کام تمام کر دیا اور باقی مشرکین بھاگ نکلے۔ وہ اس قدر مرعوب تھے کہ عکرمہ نے بھاگتے ہوئے اپنا نیزہ چھوڑ دیا اور نوفل بن عبداللہ خندق میں جا گرا جسے مسلمانوں نے تہِ تیغ کر دیا۔

اس جنگ میں فریقین کے صرف چند افراد مارے گئے، یعنی دس مشرک اور چھ مسلمان۔

ایک تیر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو لگا جس سے ان کے بازو کی بڑی رگ کٹ گئی۔

[1] صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، باب من صلى بالناس جماعة بعد ذهاب الوقت، حديث: 596.

انھوں نے اللہ سے دعا کی کہ اگر قریش کی جنگ کچھ باقی رہ گئی ہو تو اس کے لیے انھیں زندہ رکھے، ورنہ اسی زخم کو ان کی موت کا سبب بنا دے، البتہ اپنی دعا میں یہ بھی کہا:

''مجھے موت نہ دے یہاں تک کہ بنوقریظہ سے میری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔''[1]

بنوقریظہ کی غداری اور غزوے پر اس کا اثر بنوقریظہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عہد میں بندھے ہوئے تھے لیکن اس غزوے کے دوران میں بنونضیر کے سردار حُیَیّ بن اخطب نے بنوقریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس آکر بڑے ڈھنگ سے عہد شکنی پر آمادہ کیا، چنانچہ قدرے پس وپیش کے بعد کعب نے عہد توڑ دیا اور قریش اور مشرکین کے ساتھ ہو گیا۔

بنوقریظہ مدینے کے جنوب میں تھے، جبکہ مسلمانوں کا مورچہ شمال میں تھا، لہٰذا بنوقریظہ اور مسلمان عورتوں اور بچوں کے درمیان کوئی رکاوٹ نہ تھی اور انھیں سخت خطرہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ نے مسلمہ بن اسلم رضی اللہ عنہ کو دو سو اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو تین سو آدمی دے کر عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لیے بھیجا اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو مزید چند انصار صحابہ کے ساتھ اس خبر کی تحقیق کے لیے روانہ کیا۔ یہ لوگ گئے تو یہود کو انتہائی خباثت پر آمادہ پایا۔ انھوں نے علانیہ گالیاں بکیں، دشمنی کی باتیں کیں اور رسول اللہ ﷺ کی اہانت کی۔ کہنے لگے:

''اللہ کا رسول کون؟ ...... ہمارے اور محمد کے درمیان کوئی عہد وپیمان نہیں۔''

یہ سن کر وہ لوگ واپس آگئے اور رسول اللہ ﷺ سے صرف اتنا کہا:

«عَضَلٌ وَالْقَارَةُ.»

یعنی جس طرح عضل اور قارہ نے اصحاب رجیع کے ساتھ بدعہدی کی تھی، اسی طرح یہود بھی بدعہدی پر تلے ہوئے ہیں۔[2] لوگوں کو صورت حال سمجھ میں آگئی اور ان پر سخت خوف طاری ہو گیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب مرجع النبي من الأحزاب، حديث: 4122. [2] سیرت ابن ہشام: 221,220/2.

﴿وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝﴾

''جب نگاہیں کج ہو گئیں، دل حلق کو آ گئے اور تم لوگ اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ اس وقت مؤمنین کو آزمایا گیا۔ اور انھیں شدت سے جھنجھوڑ دیا گیا۔''[1]

اسی موقع پر نفاق نے بھی سر نکالا، چنانچہ بعض منافقین نے کہا: ''محمد تو ہم سے وعدہ کرتے تھے کہ ہم قیصر و کسریٰ کے خزانے کھائیں گے اور یہاں یہ حالت ہے کہ قضائے حاجت کے لیے نکلنے میں بھی جان کی خیر نہیں۔''[2]

بعض اور منافقین نے کہا: ﴿مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ۝﴾

''ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے جو وعدہ کیا تھا، وہ فریب کے سوا کچھ نہیں۔''[3]

ایک اور گروہ نے کہا: ﴿يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا﴾

''اے اہلِ یثرب! تمھارے لیے ٹھہرنے کی کوئی گنجائش نہیں، لہٰذا واپس چلو۔''[4]

اور ایک فریق نے بھاگنا چاہا اور نبی ﷺ سے اجازت لینے کے لیے یہ حیلہ کیا:

﴿اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ﴾

''ہمارے گھر خالی پڑے ہیں (ان کا کوئی نگران نہیں)۔''[5] حالانکہ وہ خالی نہ تھے۔[6]

بہر حال جب بنو قریظہ کی غداری کی خبر رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو آپ کو رنج و قلق ہوا۔ آپ نے اپنا چہرہ اور سر کپڑے سے ڈھک لیا اور دیر تک چت لیٹے رہے، پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے اٹھے اور مسلمانوں کو فتح و نصرت کی خوشخبری دی۔

① الأحزاب 33:10،11. ② الدرالمنثور عن ابن إسحاق: 356/5 وابن جرير: 11-20/161، رقم: 21632، والبيهقي و ابن المنذر: 356/5، آیت مذکورہ کی تفسیر. ③ الأحزاب 33:12. ④ الأحزاب 33:13. ⑤ الأحزاب 33:13. ⑥ دیکھیے: الدر المنثور: 356/5، و تفسیر الطبري، رقم: 2162، ودلائل النبوة للبيهقي: 356/5.

پھر آپ ﷺ نے چاہا کہ غطفان کے سردار عیینہ بن حصن کے پاس پیغام بھیج کر مدینے کے ایک تہائی پھل پر مصالحت کرلیں اور وہ بنو غطفان کو لے کر واپس چلا جائے لیکن انصار کے دونوں سردار سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما نے اسے منظور نہ کیا اور کہا:

''جب ہم لوگ اور یہ لوگ دونوں شرک پر تھے، تب تو یہ لوگ ایک دانے کی بھی طمع نہیں کر سکتے تھے تو بھلا اب جبکہ اللہ نے ہمیں اسلام سے نوازا ہے اور آپ کے ذریعے سے عزت بخشی ہے، ہم انھیں اپنا مال دیں گے۔ واللہ! ہم انھیں صرف تلواریں دیں گے۔''

اس پر آپ ﷺ نے ان دونوں کی رائے کو درست قرار دیا۔

احزاب میں پھوٹ اور غزوے کا خاتمہ اللہ کے کام بھی نرالے ہیں۔ ابھی حالات اسی سنگین مرحلے سے گزر رہے تھے کہ نعیم بن مسعود اشجعی رضی اللہ عنہ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔ ان کا تعلق قبیلہ غطفان سے تھا اور وہ قریش اور یہود کے دوست تھے۔ انھوں نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! میں مسلمان ہو گیا ہوں اور میری قوم کو میرے اسلام کا علم نہیں، لہٰذا آپ مجھے کوئی حکم فرمائیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَنْتَ رَجُلٌ وَّاحِدٌ، وَ مَاذَا عَسٰى أَنْ تَفْعَلَ، وَلٰكِنْ خَذِّلْ عَنَّا مَا اسْتَطَعْتَ، فَإِنَّ الْحَرْبَ خُدْعَةٌ»

''تم فقط ایک آدمی ہو، اس لیے کر ہی کیا سکتے ہو، البتہ جس قدر ممکن ہو ان میں پھوٹ ڈالو کیونکہ جنگ تو چالبازی کا نام ہے۔''

اس پر حضرت نعیم رضی اللہ عنہ بنو قریظہ کے ہاں پہنچے۔ انھوں نے دیکھا تو اعزاز واکرام کیا۔ حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا:

''آپ لوگ جانتے ہیں کہ مجھے آپ لوگوں سے محبت اور خصوصی تعلق خاطر ہے۔ اب میں آپ لوگوں کو ایک بات بتا رہا ہوں کیا آپ اسے میری طرف سے چھپائے رکھیں گے؟'' انھوں نے کہا: ''جی ہاں۔'' حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا:

"بنو قینقاع اور بنو نضیر پر جو گزر چکی ہے، اسے آپ جانتے ہی ہیں۔ اب آپ لوگوں نے قریش اور غطفان کا ساتھ دیا ہے مگر ان کا معاملہ آپ جیسا نہیں ہے۔ یہ علاقہ آپ کا اپنا علاقہ ہے۔ یہاں آپ کے بال بچے ہیں، عورتیں ہیں اور مال و دولت ہے۔ آپ لوگ یہاں سے کہیں اور نہیں جا سکتے۔ جبکہ ان کا علاقہ، مال و دولت عورتیں اور بال بچے دور دراز ہیں۔ انھیں موقع ملا تو کوئی قدم اٹھائیں گے، ورنہ اپنے علاقے کی راہ لیں گے اور آپ کو محمد (ﷺ) کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں گے اور وہ جس طرح چاہیں گے انتقام لیں گے۔

یہ سن کر وہ چونک پڑے، بولے: "اب کیا کیا جا سکتا ہے؟"

حضرت نعیم نے کہا: "جب تک وہ اپنے آدمی یرغمال کے طور پر نہ دیں، ان کے ساتھ جنگ میں شریک نہ ہونا۔"

انھوں نے کہا: "آپ نے بہت درست رائے دی ہے۔"

اس کے بعد حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے قریش کا رخ کیا اور ان کے سرداروں کے ساتھ ملاقات کرتے ہوئے کہا: "آپ لوگ جانتے ہیں کہ مجھے آپ سے محبت و خیر خواہی ہے۔" انھوں نے کہا: "جی ہاں۔"

حضرت نعیم نے کہا: "تو میں آپ کو ایک بات بتا رہا ہوں، اسے میری جانب سے چھپائے رکھیں۔" انھوں نے کہا: "ہم ایسا ہی کریں گے۔"

حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا: "بات یہ ہے کہ یہود نے محمد (ﷺ) سے جو عہد شکنی کی ہے اس پر وہ نادم ہیں۔ انھیں ڈر ہے کہ آپ لوگ انھیں محمد (ﷺ) کے رحم و کرم پر چھوڑ کر واپس چلے جائیں گے، لہٰذا انھوں نے محمد (ﷺ) سے مراسلت کی ہے کہ آپ لوگوں سے کچھ یرغمالی لے کر ان کے حوالے کر دیں، پھر آپ لوگوں کے خلاف ان سے اپنا معاملہ استوار کر لیں اور محمد (ﷺ) اس پر راضی ہو گئے ہیں، لہٰذا آپ لوگ چوکنا رہیں اگر وہ آپ سے یرغمالی طلب کریں تو ہرگز نہ دیں۔"

اس کے بعد غطفان کے پاس بھی جا کر یہی بات دہرائی اور ان کے کان بھی کھڑے

ہو گئے۔

اس باحکمت تدبیر سے دلوں میں شبہات پیدا ہو گئے اور پھوٹ پڑ گئی، چنانچہ ابوسفیان نے بنوقریظہ کے پاس ایک وفد بھیجا کہ کل جنگ کی جائے۔ بنوقریظہ نے کہا: ''ایک تو کل ہفتے کا دن ہے اور ہم پر جو عذاب آیا، اس روز شریعت کے حکم سے تجاوز کرنے کے سبب آیا۔ دوسرے آپ جب تک ہمیں کچھ یرغمالی نہ دیں، ہم آپ کے ساتھ جنگ میں شرکت نہ کریں گے تاکہ ایسا نہ ہو کہ آپ ہمیں چھوڑ کر اپنے اپنے علاقوں کی راہ لیں۔'' اس پر قریش اور غطفان نے کہا: ''واللہ! نعیم نے سچ کہا تھا'' اور قریش نے یہود کو کہلوا بھیجا، کہ ''ہم آپ کو کوئی یرغمال نہ دیں گے۔ آپ لوگ جنگ کے لیے نکل پڑیں۔'' اس پر یہود نے کہا کہ ''واللہ! نعیم نے سچ کہا تھا۔'' اس طرح فریقین کے حوصلے ٹوٹ گئے اور ان میں پھوٹ پڑ گئی۔ اس دوران مسلمان یہ دعا کر رہے تھے:

«اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَ آمِنْ رَّوْعَاتِنَا»

''اے اللہ! ہماری پردہ پوشی فرما اور ہمیں خطرات سے مامون کر دے۔''[1]

اور نبی ﷺ نے اپنے رب عزوجل سے یہ دعا فرمائی:

«اَللّٰھُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ، سَرِيعَ الْحِسَابِ، اَللّٰھُمَّ اهْزِمِ الْأَحْزَابَ، اَللّٰھُمَّ اهْزِمْهُمْ وَ زَلْزِلْهُمْ»

''اے اللہ! اے کتاب (قرآن) اتارنے والے، اے جلد حساب لینے والے، انھیں شکست دے دے اور جھنجھوڑ کر رکھ دے۔''[2]

اللہ نے دعا قبول کی اور مشرکین پر تند ہواؤں اور فرشتوں کا لشکر بھیج دیا۔ جس نے ان کو ہلا ڈالا۔ ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ ان کی ہانڈیاں الٹ دیں۔ ان کے خیمے اکھیڑ دیے اور کڑکڑاتی سردی نے الگ مار ماری اور ان کی کوئی چیز اپنی جگہ نہ رہ سکی، چنانچہ انھوں

[1] مسند أحمد: 3/3. [2] صحیح البخاري، الجهاد، باب الدعاء على المشركين بالهزيمة، حدیث:2933.

نے کوچ کی تیاری شروع کر دی۔

ادھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو ان کی خبر لانے کے لیے بھیجا۔ وہ کفار کے محاذ کے اندر تک گئے اور واپس آئے، انھیں قطعاً سردی نہ لگی بلکہ انھیں ایسا محسوس ہوا جیسے گرم پانی کے حمام میں ہیں۔ انھوں نے واپس آ کر (دشمن) قوم کی واپسی کی اطلاع دی اور سو گئے۔ ① صبح ہوئی تو مسلمانوں نے دیکھا کہ کفار کی طرف کا میدانِ جنگ صاف ہے۔

”اللہ نے کفار کو کسی خیر کے بغیر غیظ و غضب سمیت واپس کر دیا تھا اور ان سے جنگ کے لیے تنہا ہی کافی ہوا تھا۔ اور اللہ قوی و عزیز ہے۔“ ②

اس غزوے کی ابتدا شوال 5 ہجری میں اور انتہا ایک مہینے بعد ذی قعدہ میں ہوئی۔ یہ مدینے پر ضرب لگانے اور اسلام اور مسلمانوں کا خاتمہ کرنے کے لیے دشمنان اسلام کی سب سے بڑی کوشش تھی لیکن اللہ نے انھیں نامراد کیا اور ان کی سازش ناکام بنا دی اور ان طاقتوں کے مجموعی طور پر ناکام ہونے کے معنی یہ تھے، کہ اب چھوٹے چھوٹے متفرق گروہ مدینے کا رخ کرنے کی ہمت بدرجۂ اولیٰ نہیں کر سکتے، چنانچہ نبی ﷺ نے اس کی خبر دیتے ہوئے فرمایا:

«اَلْآنَ نَغْزُوهُمْ، وَلَا يَغْزُونَنَا، نَحْنُ نَسِيرُ إِلَيْهِمْ»

”اب ہم ان پر چڑھائی کریں گے، وہ ہم پر چڑھائی نہ کریں گے۔ اب ہمارا لشکر ان کی طرف جائے گا۔“ ③

غزوۂ بنو قریظہ (ذی قعدہ 5 ہجری)

رسول اللہ ﷺ غزوۂ خندق سے واپس آنے کے بعد ابھی ہتھیار اور کپڑے اتار کر اُم

① صحیح مسلم، الجهاد، باب غزوة الأحزاب، حديث: 1788. ② بنو قریظہ سمیت اس غزوے کی تفصیل کے لیے دیکھیے: سیرت ابن ہشام: 2/233-273، و زادالمعاد: 2/72-74. ③ صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الخندق وهي الأحزاب، حديث: 4110.

سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں غسل کر کے فارغ ہی ہوئے تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور بنو قریظہ کی طرف نکلنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ''میں آگے آگے جا رہا ہوں، ان کے قلعوں میں زلزلہ برپا کروں گا اور ان کے دلوں میں رعب ڈالوں گا'' وہ یہ کہہ کر فرشتوں کے جلو میں روانہ ہو گئے۔ ① ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں میں منادی کرائی:

«مَنْ كَانَ سَامِعًا مُطِيعًا فَلَا يُصَلِّيَنَّ الْعَصْرَ إِلَّا بِبَنِي قُرَيْظَةَ»

''جو شخص ''سمع وطاعت'' پر قائم ہے، وہ عصر کی نماز بنو قریظہ ہی میں پڑھے۔'' ②

اس کے بعد مدینے کا انتظام ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو سونپا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جنگ کا پھریرا دے کر ایک جماعت کے ساتھ آگے روانہ فرما دیا۔ بنو قریظہ نے انھیں دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گالیوں کی بوچھاڑ کر دی اور ہرزہ سرائی کی۔ ادھر اعلان سن کر مسلمان بھی جھٹ پٹ تیار ہوئے اور نکل پڑے، بعض لوگ ابھی راستے ہی میں تھے کہ عصر کا وقت ہو گیا، چنانچہ کچھ لوگوں نے وہیں نماز پڑھ لی اور کچھ لوگوں نے بنو قریظہ پہنچنے تک مؤخر کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مہاجرین وانصار کے جلو میں نکلے اور بنو قریظہ کے ''انا'' نامی ایک کنویں پر پڑاؤ ڈالا۔

اللہ تعالیٰ نے بنو قریظہ کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور وہ اپنی گڑھیوں میں قلعہ بند ہو گئے۔ انھیں لڑائی کی جرأت نہ ہوئی۔ مسلمانوں نے سختی سے محاصرہ جاری رکھا۔ یہود نے جب دیکھا کہ محاصرہ طول پکڑ رہا ہے تو چاہا کہ اپنے بعض مسلمان حلیفوں سے مشورہ کریں، چنانچہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ وہ ابولُبابہ کو بھیج دیں تاکہ ان سے مشورہ کر لیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا، انھیں دیکھ کر مرد حضرات ان کی طرف دوڑ پڑے، عورتیں اور بچے ان کے سامنے دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ اس کیفیت کو دیکھ کر حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ پر رقت طاری ہو گئی۔ یہود نے کہا:

① صحيح البخاري، الجهاد، باب الغسل بعد الحرب، حديث: 2813. ② صحيح البخاري، صلاة الخوف، باب صلاة الطالب و المطلوب راكبا......، حديث: 946.

’’کیا آپ مناسب سمجھتے ہیں کہ ہم محمد کے فیصلے پر ہتھیار ڈال دیں؟‘‘

انھوں نے کہا: ’’ہاں!‘‘ اور ساتھ ہی ہاتھ سے حلق کی طرف اشارہ کر دیا۔ مطلب یہ تھا کہ ذبح کر دیے جاؤ گے۔ لیکن انھیں فوراً احساس ہوا کہ اشارہ کر کے انھوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ خیانت کی ہے، چنانچہ وہ سیدھے مسجد نبوی پہنچے اور اپنے آپ کو اس کے ایک ستون سے باندھ لیا اور قسم کھائی کہ اب انھیں رسول اللہ ﷺ ہی اپنے دست مبارک سے کھولیں گے۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَمَا إِنَّهُ لَوْ جَاءَ نِي لَاسْتَغْفَرْتُ لَهُ، أَمَّا إِذَا فَعَلَ مَا فَعَلَ فَنَتْرُكُهُ حَتَّى يَقْضِيَ اللّٰهُ فِيهِ»

’’اگر وہ میرے پاس آگئے ہوتے تو میں ان کے لیے دعائے مغفرت کر دیتا لیکن جب وہ وہی کام کر بیٹھے ہیں تو اب ہم بھی انھیں چھوڑے رکھیں گے، یہاں تک کہ اللہ ہی ان کے بارے میں فیصلہ فرمائے۔‘‘[1]

ادھر طوالتِ محاصرہ کے ساتھ ہی بنو قریظہ کے حوصلے ٹوٹ گئے، چنانچہ پچیس روز کے بعد انھوں نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے حوالے کر دیا کہ آپ جو فیصلہ مناسب سمجھیں کریں۔ آپ نے مَردوں کو باندھ لیا اور عورتوں اور بچوں کو علیحدہ کر لیا۔ قبیلۂ اوس کے لوگ عرض پرداز ہوئے: ’’ہمارے ان حلفاء پر احسان فرمائیں جس طرح خزرج کے حلفاء بنو قینقاع پر احسان فرمایا تھا۔‘‘ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا تَرْضَوْنَ أَنْ يَحْكُمَ فِيهِمْ رَجُلٌ مِنْكُمْ؟»

’’کیا آپ لوگ اس بات پر راضی نہیں کہ ان کے متعلق آپ ہی کا ایک آدمی فیصلہ کرے؟‘‘ انھوں نے کہا: ’’کیوں نہیں۔‘‘ آپ ﷺ نے فرمایا:

[1] تفسیر ابن کثیر: 332/2، تفسیر سورۃ الأنفال 27:8.

«فَذَاكَ إِلٰى سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ» ''تو یہ معاملہ سعد بن معاذ کے حوالے ہے۔''

اوس کے لوگوں نے کہا: ''ہم اس پر راضی ہیں۔''

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو غزوۂ خندق میں جو زخم لگا تھا اس کی وجہ سے وہ مدینہ ہی میں تھے۔ انھیں گدھے پر سوار کر کے لایا گیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«قُومُوا إِلٰى سَيِّدِكُمْ» ''اپنے سردار کی جانب اٹھو۔''

چنانچہ لوگ اٹھ کر ان کے استقبال کو گئے اور انھیں دونوں طرف سے گھیر لیا اور کہنے لگے: ''سعد! اپنے حلیفوں کے بارے میں حسن سلوک کیجیے گا۔''

حضرت سعد خاموش تھے، کچھ جواب نہیں دے رہے تھے۔ جب لوگوں نے گزارش کی بھرمار کر دی تو بولے: ''اب وقت آ گیا ہے کہ سعد کو اللہ کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پروا نہیں۔''

یہ سن کر بعض لوگ وہیں سے مدینہ پلٹ آئے اور قیدیوں کی موت کا اعلان کر دیا۔

جب حضرت سعد اتر چکے اور انھیں بتلایا گیا کہ بنو قریظہ ان کی ثالثی پر راضی ہیں تو انھوں نے فیصلہ کیا:

''مردوں کو قتل کر دیا جائے، عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا جائے اور اموال تقسیم کر دیے جائیں۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَقَدْ حَكَمْتَ فِيهِمْ بِحُكْمِ اللّٰهِ مِنْ فَوْقِ سَبْعِ سَمَاوَاتٍ»

''تم نے ان کے بارے میں وہی فیصلہ کیا ہے، جو سات آسمانوں کے اوپر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔''[1]

یہ فیصلہ یہودی شریعت کے مطابق بلکہ ان کی شریعت کے فیصلے کے مقابلے میں زیادہ رحم و نرمی پر مبنی تھا۔

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب مرجع النبي من الأحزاب، حديث: 4121.

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے کے بعد بنوقریظہ کو مدینہ لایا گیا اور بنونجار کی ایک عورت، جو حارث کی صاحبزادی تھیں، کے گھر میں قید کر دیا گیا اور مدینے کے بازار میں خندقیں کھو دی گئیں، پھر انھیں ایک ایک گروہ کر کے لے جایا گیا اور ان خندقوں میں ان کی گردنیں مار دی گئیں۔ ان کی تعداد چار سو اور کہا جاتا ہے کہ چھ سو اور سات سو کے درمیان تھی۔

انھی کے ساتھ بنونضیر کا سردار حُیَیّ بن اخطب بھی مارا گیا۔ یہ یہود کے ان بیس سرداروں میں سے ایک تھا، جنھوں نے قریش اور غطفان کو غزوۂ احزاب کے لیے تیار کیا تھا، پھر بنوقریظہ کے پاس آ کر انھیں عہد شکنی پر ورغلایا تھا، یہاں تک کہ انھوں نے مسلمانوں کی زندگی کے مشکل ترین اوقات میں ان کے ساتھ غدّاری کی تھی اور غدّاری کرتے وقت حُیَیّ سے یہ شرط لگائی تھی کہ یہ بھی اُن کے ساتھ رہے گا اور جو حشر اُن کا ہو گا وہی اُس کا بھی ہو گا، چنانچہ محاصرہ اور ہتھیار ڈالنے کے دوران میں یہ بھی اُن کے ساتھ قتل کر دیا گیا۔

بنوقریظہ کے چند افراد ہتھیار ڈالنے سے پہلے مسلمان ہو گئے تھے۔ ان سے کوئی تعرّض نہیں کیا گیا۔ بعض لوگوں کو ہبہ کروا لیا گیا تھا، انھیں بھی چھوڑ دیا گیا اور وہ مسلمان ہو گئے۔ ان کی ایک عورت بھی قتل کی گئی کیونکہ اس نے چکی کا پاٹ پھینک کر حضرت خلاد بن سوید رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا تھا۔ ہتھیار اور اموال جمع کیے گئے۔ ڈیڑھ ہزار تلواریں، تین سو زرہیں، دو ہزار نیزے، پانچ سو ڈھال، بہت سا سامان، بہت سے برتن، اونٹ اور بکریاں جمع ہوئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجوروں (درخت) اور قیدیوں سمیت ان سب کا خمس نکال کر بقیہ مالِ غنیمت فوجیوں پر تقسیم کر دیا، جو پیدل تھا اسے ایک حصہ اور جو شہسوار تھا اسے تین حصے دیے۔ ایک حصہ اس کا اپنا اور دو حصے اس کے گھوڑے کے۔

قیدیوں کو نجد بھیج کر ان کے بدلے ہتھیار خرید لیے گئے، البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے حضرت ریحانہ بنت زید بن عمرو بن خنافہ کو اپنے لیے منتخب کیا، پھر کہا جاتا ہے کہ انھیں اپنی ملکیت میں رکھا[1] اور کہا جاتا ہے کہ انھیں آزاد کر کے شادی کر لی۔ حجۃ الوداع کے بعد ان

[1] یہ ابن اسحاق کا قول ہے۔ دیکھیے: سیرت ابن ہشام: 2/245.

کا انتقال ہو گیا۔[1]

جب بنو قریظہ کا کام تمام ہو چکا تو بندۂ صالح حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی دعا قبول ہو گئی۔ وہ مسجد نبوی کے ایک خیمے میں تھے تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قریب ہی سے ان کی عیادت کر لیا کریں۔ ان کے اوپر ایک بکری گزر گئی جس سے زخم کھل کر ہنسلی کے پاس سے بہہ پڑا اور اس قدر خون نکلا کہ وہ وفات پا گئے۔[2] ان کا جنازہ مسلمانوں کے ساتھ فرشتوں نے بھی اٹھایا اور ان کی موت پر "رحمٰن" کا عرش لرز اٹھا۔[3]

ادھر ابو لُبابہ رضی اللہ عنہ پر چھ راتیں گزر چکی تھیں۔ نماز کے لیے ان کی بیوی انھیں کھول دیتی تھیں۔ اس کے بعد وہ پلٹ کر پھر اپنے آپ کو ستون سے باندھ لیتے تھے۔ اس کے بعد حضرت ام سَلَمہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں ان کی قبولیتِ توبہ کی بشارت نازل ہوئی۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے انھیں یہ بشارت دی تو لوگ انھیں کھولنے کے لیے دوڑ پڑے مگر انھوں نے انکار کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ انھیں کوئی اور نہ کھولے گا، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ فجر کے لیے نکلے تو انھیں کھول دیا۔[4]

غزوۂ بنو قریظہ کے بعد مسلمانوں کو مزید کئی عسکری کارروائیاں انجام دینی پڑیں۔ ان میں اہم کارروائیاں حسبِ ذیل ہیں:

ابو رافع سلام بن ابی الحقیق کا قتل (ذی الحجہ 5 ہجری) یہ شخص حجاز کا تاجر اور یہودِ خیبر کا رئیس تھا اور ان بڑے مجرمین میں سے ایک تھا جنھوں نے اہلِ مدینہ کے خلاف جماعتوں کو ورغلانے اور مدینہ لانے کا کام کیا تھا، چنانچہ جب مسلمان احزاب اور قریظہ سے فارغ ہو چکے[5] تو خزرج کے پانچ آدمی اس شخص کو قتل کرنے کے لیے تیار ہوئے۔ تاکہ کعب بن اشرف کو قتل کر کے اوس نے جیسا شرف حاصل کیا تھا، ویسا ہی شرف خزرج بھی حاصل کر

[1] تلقیح، ص: 12. [2] صحيح البخاري، المغازي، باب مرجع النبي من الأحزاب، حديث: 4122. [3] صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، حديث: 2466، وجامع الترمذي، المناقب، باب مناقب سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، حديث: 3849,3848. [4] تفسير ابن كثير: 398/2، وسیرت ہشام: 2/233-273، و زادالمعاد: 72/2. [5] فتح الباري: 343/7.

لیں، پھر یہ لوگ خیبر کے اطراف میں واقع اس کے قلعے کے پاس پہنچے۔ اس وقت سورج غروب ہو چکا تھا۔ ان کے قائد عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے کہا:

''تم لوگ یہیں ٹھہرو، میں جاتا ہوں اور دروازے کے پہرے دار کے ساتھ کوئی لطیف حیلہ اختیار کرتا ہوں، ممکن ہے اندر داخل ہو جاؤں۔''

اس کے بعد وہ تشریف لے گئے اور دروازے کے قریب جا کر سر پر کپڑا ڈال کر یوں بیٹھ گئے گویا قضائے حاجت کر رہے ہیں۔ پہرے دار نے زور سے پکار کر کہا: ''او اللہ کے بندے! اگر اندر آنا ہے تو آ جا، ورنہ میں دروازہ بند کرنے جا رہا ہوں۔''

عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ اندر داخل ہو گئے اور چھپ گئے، جب لوگ سو گئے تو انھوں نے کنجیاں لیں اور دروازہ کھول دیا تاکہ بوقت ضرورت بھاگنے میں آسانی ہو۔ اس کے بعد انھوں نے ابو رافع کے حجرے کا رخ کیا۔ ادھر جاتے ہوئے جو دروازے کھولتے اسے اندر سے بند کر لیتے تاکہ لوگوں کو اگر ان کا پتہ لگ بھی جائے تو لوگوں کے پہنچنے سے پہلے وہ ابو رافع کو قتل کر لیں۔ جب اس کے حجرے میں پہنچے تو وہ اپنے بال بچوں کے درمیان تاریکی میں سو رہا تھا اور پتہ نہیں چل رہا تھا کہ وہ کہاں ہے، لہٰذا انھوں نے آواز دی: ''ابو رافع!'' اس نے کہا: ''کون ہے؟'' عبداللہ رضی اللہ عنہ نے آواز کا رخ کیا اور تلوار کی ایک ضرب لگائی لیکن چونکہ ہڑبڑائے ہوئے تھے، اس لیے کاری ضرب نہ لگی اور اس نے زور کی چیخ ماری۔ وہ جھٹ باہر نکل گئے اور آواز بدل کر آئے گویا مدد کرنے آئے ہیں۔ کہا: ''ابو رافع! یہ کیسی آواز تھی؟''

اس نے کہا ''تیری ماں برباد ہو۔ ایک آدمی نے ابھی مجھے اس کمرے میں تلوار ماری ہے۔''

اب انھوں نے دوبارہ اس کا رخ کیا اور تلوار کی ایسی زوردار ضرب لگائی کہ وہ خون میں لت پت ہو گیا لیکن اب بھی قتل نہ ہو سکا، اس لیے انھوں نے اس کے پیٹ پر تلوار رکھ کر دبا دی اور وہ پیٹھ تک اُتر گئی۔ اس کے بعد انھوں نے ایک ایک دروازہ کھولا اور باہر نکلے۔

چاندنی رات تھی اور ان کی نگاہ کمزور، انھوں نے سمجھا زمین تک پہنچ چکے ہیں۔ پاؤں بڑھایا تو سیڑھی سے نیچے آرہے اور پاؤں میں چوٹ آ گئی۔ انھوں نے پگڑی سے پاؤں باندھا اور دروازے کے پاس چھپ گئے۔ جب مرغ نے آواز دی تو ایک آدمی نے قلعے کی دیوار پر کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ ”میں اہلِ حجاز کے تاجر ابو رافع کی موت کی اطلاع دیتا ہوں۔“ عبداللہ بن عتیک جان گئے کہ وہ مرچکا ہے، لہٰذا اپنے ساتھیوں کے پاس آ گئے اور سب نے مدینے کی راہ لی۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ کر واقعہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے ان کے پاؤں پر دستِ مبارک پھیرا اور انھیں ایسا لگا کہ گویا کبھی کوئی تکلیف ہی نہیں ہوئی۔ [1]

سیدِ یمامہ، ثمامہ بن اُثال کی گرفتاری (محرم 6 ہجری) ثمامہ بن اثال، نبی ﷺ اور آپ کے دین اسلام کو سخت ناپسند کرتے تھے، چنانچہ محرم 6 ہجری میں مسیلمہ کذاب کے حکم سے بھیس بدل کر نبی ﷺ کو قتل کرنے نکلے۔ [2] ادھر نبی ﷺ نے محمد بن مسلمہ کو تیس سواروں کے ساتھ ”ضریہ“ کے اطراف میں، جو بصرہ کے راستے میں مدینے سے سات رات کے فاصلے پر واقع ہے، بنی بکر بن کلاب کی تادیب کے لیے بھیجا تھا۔ سواروں نے واپس آتے ہوئے راستے میں ثمامہ کو پالیا، چنانچہ انھیں گرفتار کر کے مدینہ لے آئے اور مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا۔ نبی ﷺ وہاں سے گزرے تو فرمایا: «مَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ؟» ”ثمامہ تمھارے پاس کیا ہے؟“

اُنھوں نے کہا: ”اے محمد! میرے پاس خیر ہے، اگر قتل کرو تو ایک خون (قصاص) والے کو قتل کرو گے اور اگر احسان کرو تو ایک قدر دان پر احسان کرو گے اور اگر مال چاہتے ہو تو مانگو، جو چاہو گے دیا جائے گا۔“

اس کے بعد آپ ﷺ نے انھیں اسی حال میں چھوڑ دیا۔ دوسرے دن پھر گزرے اور پھر یہی گفتگو ہوئی، پھر تیسرے دن بھی یہی سوال وجواب ہوا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب قتل أبي رافع، حديث:4039. [2] السيرة الحلبية:297/2.

«أَطْلِقُوا ثُمَامَةَ» ”ثمامہ کو چھوڑ دو۔“

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے انھیں چھوڑ دیا، انھوں نے غسل کیا اور مسلمان ہو گئے، پھر کہا:

”واللہ! روئے زمین پر کوئی چہرہ میرے نزدیک آپ کے چہرے سے زیادہ قابلِ نفرت نہ تھا لیکن اب آپ کا چہرہ میرے نزدیک دوسرے تمام چہروں سے زیادہ محبوب ہو گیا ہے۔ اور واللہ! روئے زمین پر کوئی دین میرے نزدیک آپ کے دین سے زیادہ ناپسندیدہ نہ تھا مگر اب آپ کا دین میرے نزدیک دوسرے تمام ادیان سے زیادہ محبوب ہو گیا ہے۔“

پھر واپسی پر حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ عمرے کے لیے مکہ گئے تو قریش نے انھیں اسلام لانے پر ملامت کی۔

انھوں نے کہا: ”واللہ! تمھارے پاس یمامہ سے گیہوں کا ایک دانہ بھی نہ آئے گا جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی اجازت نہ دے دیں۔“

چنانچہ واپسی کے بعد انھوں نے اہلِ مکہ کے لیے گیہوں بیچنے کی ممانعت کر دی، جس سے وہ مشکل میں پڑ گئے، حتیٰ کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قرابت کا واسطہ دے کر لکھا کہ آپ ثمامہ کو لکھ دیں، وہ گیہوں بیچنے کی اجازت دے دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔[1]

غزوۂ بنولحیان (ربیع الاول 6 ہجری) بنولحیان وہی ہیں جنھوں نے ”رجیع“ میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو قتل کیا تھا۔ یہ حجاز کے بہت اندر عسفان کی حدود میں آباد تھے، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نمٹنے میں قدرے تاخیر کی۔ جب کفار کے مختلف گروہوں میں پھوٹ پڑ گئی اور آپ دشمنوں سے کسی قدر مطمئن ہو گئے تو آپ نے مدینے کا انتظام ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو سونپ کر دو سو صحابہ اور بیس گھوڑوں کے ساتھ ربیع الاول 6 ہجری میں بنولحیان کا رخ کیا اور یلغار کرتے ہوئے ”بطن غران“ تک جا پہنچے۔ یہ امج اور عسفان کے درمیان

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب وفد بني حنيفة، حديث:4372، وزادالمعاد: 119/2، وفتح الباري:688/7.

ایک وادی ہے اور یہیں آپ کے صحابہ کو شہید کیا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے دعائے رحمت کی اور دو روز یہیں قیام فرمایا۔

ادھر بنولحیان کو خبر ہو گئی اور وہ پہاڑوں کی چوٹیوں کی طرف بھاگ نکلے۔ ان کا کوئی آدمی ہاتھ نہ آ سکا، پھر آپ نے عسفان کا قصد کیا اور وہاں سے دس سواروں کا دستہ آگے بھیجا تاکہ قریش ان کی آمد کا حال سن کر مرعوب ہو جائیں۔ اس دستے نے کراع الغمیم تک کا چکر لگایا۔ آپ کل چودہ دن مدینے سے باہر گزار کر مدینہ واپس آ گئے۔

سریہ عیص اور ابوالعاص (شوہرِ زینب بنت رسول اللہ) ﷺ کا قبول اسلام جمادی الاولی 6 ہجری[1] میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ایک سو ستر سواروں کے ساتھ ''عیص'' کی جانب روانہ کیا۔ مقصد شام سے آنے والے ایک قریشی قافلے کو پکڑنا تھا، جس کے سربراہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر ابوالعاص بن ربیع تھے، مسلمانوں نے اس قافلے کو لوگوں سمیت گرفتار کر لیا، البتہ ابوالعاص ہاتھ نہ آئے۔ وہ سیدھے مدینہ پہنچے، حضرت زینب کی پناہ لی اور ان سے کہا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے کہیں کہ آپ قافلے کا مال واپس کر دیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے سفارش کی اور آپ نے چھوٹی بڑی، تھوڑی، زیادہ ہر چیز واپس کر دی۔

ابوالعاص تجارت، مال اور امانت کے معاملے میں مکہ کے چند گنے چنے لوگوں میں سے تھے۔ وہ مکہ گئے، امانتیں اہل امانت کو ادا کیں، پھر مسلمان ہو گئے اور ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو پہلے ہی نکاح کے تحت انھیں واپس کر دیا۔ یہ واپسی تین سال سے کچھ زیادہ عرصے کی جدائی کے بعد ہوئی۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے اس دوران مزید کئی ''سرایا'' بھی بھیجے، جن کا دشمن کی سرکشی توڑنے، ان کے شر کی آگ بجھانے اور دور دراز علاقوں تک امن وامان پھیلانے میں بڑا

[1] حافظ ابن حجر نے بھی فتح الباری: 498/7 میں اس سریے کو 6ھ کا واقعہ بتایا ہے۔ [2] سنن أبي داود الطلاق، باب إلى متى ترد عليه امرأته إذا أسلم بعدها، حديث: 2240.

اثر تھا، پھر آپ کے پاس کچھ اس طرح کی خبریں آئیں کہ آپ غزوۂ بنوالمصطلق کے لیے تشریف لے گئے۔ ①

غزوۂ بنوالمصطلق یا غزوۂ مریسیع شعبان 5 ہجری یا 6 ہجری

''بنوالمصطلق'' قبیلہ خزاعہ کی ایک شاخ ہے۔ قبیلہ خزاعہ کے لوگ عام طور پر رسول اللہ ﷺ کے خیر خواہ تھے مگر یہ شاخ قریش کی طرفدار تھی۔ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا کہ یہ لوگ آپ سے جنگ کی تیاری کر رہے ہیں۔ آپ نے اس خبر کی تحقیق کے لیے بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ ان سے معلوم ہوا کہ خبر صحیح ہے، لہٰذا آپ نے مدینے کا انتظام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو...... اور کہا جاتا ہے کہ کسی اور کو...... سونپا اور ''بنوالمصطلق'' کی طرف یلغار کرتے ہوئے نکلے تاکہ بالکل اچانک ان پر ٹوٹ پڑیں۔ آپ کے ساتھ سات سو صحابہ تھے اور بنوالمصطلق اس وقت ''قدید'' کے اطراف میں ساحل کے قریب ''مریسیع'' نامی ایک چشمے پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے اس حال میں چھاپہ مارا کہ وہ غافل تھے، بعض کو قتل کیا۔ عورتوں، بچوں کو قید کیا اور مال مویشی پر قبضہ کر لیا۔ ② اس وقت شعبان 5 ہجری اور کہا جاتا ہے کہ 6 ہجری کی دو راتیں گزر چکی تھیں۔ قیدیوں میں بنوالمصطلق کے رئیس حارث بن ابوضرار کی صاحبزادی جویریہ بھی تھیں۔ مدینہ آکر ان کے اسلام لانے پر نبی ﷺ نے انھیں آزاد کر کے ان سے شادی کر لی۔ اس پر صحابۂ کرام نے بنوالمصطلق کے ایک سو گھرانے جو مسلمان ہو چکے تھے آزاد کر دیے اور کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے سسرال کے لوگ ہیں، لہٰذا حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا اپنی قوم کے لیے نہایت عظیم برکت والی خاتون ثابت ہوئیں۔ ③

① گزشتہ اور ان سرایا کے لیے دیکھیے: زادالمعاد: 2/120-122، ورحمة للعالمین: 2/226.
② صحيح البخاري، العتق، باب من ملك من العرب رقيقا، حديث: 2541. ③ سنن أبي داود، العتق، باب في بيع المكاتب......، حديث: 3931، و سیرت ابن ہشام: 2/289,290 و 294,295، وزادالمعاد: 2/112,113.

یہ ہے ''غزوہ بنو المصطلق'' کی مختصر روداد۔ اس میں کوئی ندرت نہیں لیکن اس غزوے کے دوران میں دو تکلیف دہ حادثے پیش آئے جنھیں منافقین نے اسلامی معاشرے بلکہ نبوی گھرانے تک کے اندر فتنہ واضطراب بھڑکانے کے لیے استعمال کیا، لہٰذا تھوڑی سی روداد اس کی بھی دی جاتی ہے۔

پہلا حادثہ: رئیس المنافقین (عبداللہ بن ابی) کا یہ قول کہ ''مدینہ پلٹ کر عزت والا ذلت والے کو نکال باہر کرے گا۔''

اس کا سبب یہ ہوا کہ ایک مہاجرین کے حلیف اور ایک انصار کے حلیف میں ''مریسیع'' کے چشمے پر پانی کی وجہ سے جھگڑا ہو گیا۔ مہاجر نے انصاری کو مارا تو انصاری نے آواز لگائی «يَا لَلْأَنْصَارِ» ''ہائے انصار کے لوگو!''

اس پر مہاجر نے آواز لگائی «يَا لَلْمُهَاجِرِيْنَ» ''!ہائے مہاجرو!''

یہ سن کر طرفین کے کچھ لوگ جمع ہو گئے لیکن رسول اللہ ﷺ نے سبقت کی۔ فرمایا:

«أَبِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ وَ أَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ؟ دَعُوهَا فَإِنَّهَا مُنْتِنَةٌ»

''میں تمھارے اندر موجود ہوں اور جاہلیت کی پکار پکاری جا رہی ہے۔ اسے چھوڑ دو، یہ بدبودار ہے۔''[1]

چنانچہ لوگ اپنے رُشد کی طرف پلٹ آئے اور واپس ہو گئے۔

اس غزوے میں منافقین کی ایک جماعت بھی ہمراہ تھی جو اس سے پہلے نہیں نکلی تھی، ان کے ساتھ ان کا سردار عبداللہ بن ابی بھی تھا۔ اسے خبر ہوئی تو غصے سے بھڑک اٹھا اور کہنے لگا:

''اچھا تو انھوں نے یہ حرکت کی ہے۔ یہ ہمارے ہی علاقے میں ہمارے حریف اور مدمقابل ہو گئے۔ ہماری اور قریش کے ان کنگلوں کی مثال تو وہی ٹھہری، جو پہلوں نے کہی ہے کہ ''اپنے کتے کو پال پوس کر موٹا کرو اور وہ تمھی کو کاٹ کھائے۔'' سنو! واللہ! اب ہم مدینہ واپس ہوئے تو ہم میں سے عزت والا، ذلت والے کو نکال باہر کرے گا۔''

[1] صحيح البخاري، المناقب، باب ما ينهى من دعوى الجاهلية، حديث: 3518.

عزت والے سے مراد اس نے اپنے آپ کو لیا اور ذلت والے سے رسول اللہ ﷺ کو۔ العیاذ باللہ۔ اور اس کے لیے فتنوں کی تدبیریں کرنے لگا حتیٰ کہ اپنے رفقاء سے کہا:

”یہ مصیبت تم نے خود اپنے گلے منڈھ لی ہے۔ انھیں اپنے شہر میں اتارا اور اپنے اموال بانٹ کر دیے۔ سنو! واللہ! تم لوگ ان سے ہاتھ روک لو تو یہ تمھارا شہر چھوڑ کر کہیں اور چلتے بنیں گے۔“

جس وقت یہ باتیں ہو رہی تھیں، ایک مضبوط ایمان کے نوجوان حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے۔ وہ اس ہرزہ سرائی پر صبر نہ کر سکے اور رسول اللہ ﷺ کو اطلاع کر دی۔ آپ نے عبد اللہ بن ابی کو بلا کر پوچھا تو اس نے قسم کھا کر کہا کہ اس نے ایسی کوئی بات نہیں کہی ہے، جو آپ کو معلوم ہوئی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ”سورۂ منافقین“ نازل کی اور اسے قیامت تک کے لیے رسوا کر دیا۔[1]

اس منافق کے صاحبزادے جن کا نام بھی عبد اللہ رضی اللہ عنہ تھا، خالص مومن تھے، انھیں علم ہوا تو تلوار سونت کر مدینے کی گزرگاہ پر کھڑے ہو گئے اور اپنے باپ منافقوں کے سردار سے کہا:

”واللہ! جب تک رسول اللہ ﷺ اجازت نہ دیں تم یہاں سے آگے نہیں بڑھ سکتے کیونکہ وہ عزیز ہیں اور تم ذلیل ہو۔“

رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے کہلوا بھیجا کہ اسے اجازت ہے، چنانچہ انھوں نے راستہ چھوڑ دیا اور اس حکمت سے یہ فتنہ فرو ہوا۔[2]

واقعۂ اِفک یہ واقعہ اس طرح ہے کہ نبی ﷺ نے اسی غزوہ سے واپسی میں مدینے کے قریب ایک جگہ پڑاؤ ڈالا، پھر رات ہی کو کوچ کا اعلان کر دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ہمراہ تھیں۔ وہ قضائے حاجت کے لیے نکلیں۔ واپس آ کر سینہ ٹٹولا تو ہار غائب تھا، لہٰذا

[1] صحیح البخاري، التفسیر، باب قوله ﴿إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ﴾، حدیث:4900، و صحیح مسلم، البر والصلة، باب نصر الأخ ظالما أو مظلوماً، حدیث:2584، و جامع الترمذي، تفسیر القرآن، باب ومن سورة المنافقین، حدیث:3312. [2] اس واقعے کے لیے دیکھیے: سیرت ابن ہشام:2/290-292.

جہاں غائب ہوا تھا، وہیں تلاش کرنے واپس گئیں اور پا بھی لیا لیکن اس دوران لشکر کوچ کر گیا اور آپ کا ہودج بھی یہ سمجھتے ہوئے اونٹ پر لاد دیا گیا کہ آپ اس میں موجود ہیں۔ چونکہ ہودج اٹھانے والی ایک جماعت تھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ابھی ہلکی پھلکی تھیں، اس لیے ہودج کے ہلکے پن پر یہ لوگ نہ چونکے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا واپس آئیں تو وہاں کوئی نہ تھا، لہٰذا وہ وہیں بیٹھ گئیں کہ لوگ انھیں نہ پائیں گے تو پلٹ کر تلاش کرنے آئیں گے، پھر ان کی آنکھ لگ گئی اور وہ سو گئیں۔

ادھر ایک صحابی حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ جو لشکر کے پیچھے رہتے تھے تاکہ اہلِ لشکر کی گری پڑی چیز ملے تو اسے اٹھا لیں، وہ آگے بڑھے تو ایک سوئے ہوئے انسان کا ڈھانچہ دیکھا۔ قریب پہنچے تو پہچان گئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں کیونکہ وہ پردے کا حکم آنے سے پہلے انھیں دیکھ چکے تھے۔ دیکھ کر کہا:

«إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ» رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی۔"

اس کے سوا کچھ نہ کہا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی آواز سن کر بیدار ہوگئیں اور دوپٹے سے چہرا ڈھانک لیا۔ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ نے سواری قریب کر کے بٹھائی اور عائشہ رضی اللہ عنہا اس پر سوار ہوگئیں۔ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ سواری کی نکیل تھامے آگے آگے پیدل چلتے ہوئے لشکر میں آگئے۔ یہ ٹھیک دوپہر کا وقت تھا اور لشکر پڑاؤ ڈال چکا تھا۔

یہ دیکھ کر اللہ کے دشمن عبد اللہ بن ابی کو نفاق وحسد کے کرب سے ٹھنڈی سانس لینے کا موقع ملا۔ اس نے جھوٹ اور بہتان کے طور پر دونوں کے خلاف بدکاری کی تہمت تراشی، پھر اس میں رنگ بھرنا، پھیلانا، بڑھانا اور ادھیڑنا، بننا شروع کیا۔ اس کے ساتھی بھی اسی کو بنیاد بنا کر اس کا تقرب حاصل کرنے لگے اور جب مدینہ آئے تو اس کا خوب خوب پروپیگنڈا کیا، یہاں تک کہ متعدد اہل ایمان بھی دھوکے میں آگئے۔

ادھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مدینہ آکر بیمار پڑگئیں اور بیماری نے تقریباً ایک مہینہ طول پکڑا۔ اب مدینہ تو تہمت تراشوں کے پروپیگنڈے سے گونج رہا تھا لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کچھ

خبر نہ تھی۔ انھیں صرف یہ بات کھٹکتی تھی کہ وہ اپنی بیماری کے دوران میں رسول اللہ ﷺ کی جو خاص مہربانی دیکھا کرتی تھیں وہ اب کی بار نہیں دیکھ رہی تھیں۔ آپ ﷺ آ کر سلام کرتے اور یہ پوچھ کر واپس ہو جاتے کہ یہ کیسی ہیں، بیٹھتے نہ تھے۔

پھر اس پورے عرصے میں رسول اللہ ﷺ خاموش رہے، کوئی بات نہ کی لیکن جب لمبے عرصے تک وحی نہ آئی تو آپ ﷺ نے اپنے خاص اصحاب سے مشورہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اشاروں اشاروں میں مشورہ دیا کہ انھیں علیحدہ کر دیں لیکن حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ وغیرہ نے مشورہ دیا کہ برقرار رکھیں۔ عائشہ (رضی اللہ عنہا) کھرا سونا ہیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر اس شخص سے نجات دلانے کی طرف توجہ دلائی، جس کی ایذا رسانیاں آپ کے اہل خانہ تک پہنچ چکی تھیں۔ اشارہ عبد اللہ بن ابی کی طرف تھا۔ اس پر اوس کے سردار نے خواہش ظاہر کی کہ اسے قتل کر دیں لیکن خزرج کے سردار پر حمیت غالب آ گئی کیونکہ عبداللہ بن ابی اسی قبیلے سے تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں قبیلے بھڑک اٹھے اور رسول اللہ ﷺ نے انھیں مشکل سے خاموش کیا۔

ادھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیماری سے اٹھ چکیں تو رات کو قضائے حاجت کے لیے نکلیں، ساتھ میں ام مسطح رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ وہ چادر میں پھسلیں تو اپنے بیٹے مسطح رضی اللہ عنہ کو بددعا دی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انھیں ٹوکا تو انھوں نے سارا قصہ کہہ سنایا اور بتلایا کہ ان کا بیٹا مسطح بھی یہی بات کہتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے واپس آ کر رسول اللہ ﷺ سے اجازت لی اور اپنے والدین کے پاس گئیں اور جب یقینی طور سے بات کا علم ہو گیا تو رونے لگیں اور خوب روئیں۔ دو راتیں اور ایک دن روتے روتے گزرا، اس دوران نیند آئی نہ آنسوؤں کی جھڑی رکی۔ انھیں اور ان کے والدین کو محسوس ہوتا تھا کہ روتے روتے کلیجہ شق ہو جائے گا۔

دوسری رات کی صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، بیٹھ کر خطبہ پڑھا، پھر فرمایا:

«أَمَّا بَعْدُ، يَا عَائِشَةُ! فَإِنَّهُ بَلَغَنِي عَنْكِ كَذَا وَ كَذَا، فَإِنْ كُنْتِ بَرِيئَةً فَسَيُبَرِّئُكِ اللّٰهُ، وَ إِنْ كُنْتِ أَلْمَمْتِ بِذَنْبٍ فَاسْتَغْفِرِي اللّٰهَ وَ تُوبِي

إِلَيْهِ، فَإِنَّ الْعَبْدَ إِذَا اعْتَرَفَ بِذَنْبِهِ ثُمَّ تَابَ إِلَى اللّٰهِ، تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ»

''اے عائشہ! مجھے تمھارے متعلق ایسی اور ایسی بات معلوم ہوئی ہے، اگر تم پاک ہو تو اللہ تمھاری براءت ظاہر کر دے گا اور اگر تم نے کسی گناہ کا ارتکاب کیا ہے تو اللہ سے مغفرت مانگو اور توبہ کرو کیونکہ بندہ جب اپنے گناہ کا اقرار کر کے اللہ سے توبہ کرتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔''

اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے آنسو تھم گئے۔ انھوں نے والدین سے کہا کہ جواب دیں مگر اُن کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کہیں، لہٰذا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خود ہی کہا: ''واللہ! میں جانتی ہوں کہ یہ بات سنتے سنتے آپ لوگوں کے دلوں میں اچھی طرح بیٹھ گئی ہے اور آپ لوگوں نے اسے سچ سمجھ لیا ہے، اس لیے اب اگر میں یہ کہوں کہ میں پاک ہوں ...... اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں پاک ہوں...... تو آپ لوگ میری بات سچ نہ مانیں گے اور اگر میں کسی بات کا اعتراف کرلوں ...... اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں اس سے پاک ہوں...... تو آپ لوگ صحیح مان لیں گے، اس لیے میں اپنے اور آپ لوگوں کے لیے وہی مثال پاتی ہوں جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے والد نے کہا تھا:

﴿فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ۝﴾

''سو صبر ہی بہتر ہے اور تم لوگ جو کچھ کہتے ہو اس پر اللہ کی مدد مطلوب ہے۔''[1]

اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پلٹ کر لیٹ گئیں۔ اسی وقت وحی نازل ہوئی۔ جب نزول وحی کی کیفیت ختم ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی بات جو فرمائی وہ یہ تھی:

«يَا عَائِشَةُ! أَمَّا اللّٰهُ فَقَدْ بَرَّأَكِ» ''اے عائشہ! اللہ نے تمھیں پاک قرار دیا ہے۔''

اس پر ان کی ماں نے کہا: ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اٹھو (! شکریہ ادا کرو)''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا'' واللہ! میں ان کی طرف نہیں اٹھتی۔ میں تو صرف اللہ کی

[1] یوسف 18:12.

تعریف کروں گی۔"

اس موقع پر ان کی براءت کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے جو آیات نازل کیں وہ سورۂ نور کی دس آیات ہیں جو ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ ﴾ سے شروع ہو کر بیسویں آیت ﴿ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴾ پر ختم ہوتی ہیں۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس تشریف لائے۔ انھیں خطبہ دیا اور براءت کے سلسلے میں اللہ نے جو آیات نازل فرمائی تھیں، ان کی تلاوت کی۔ اس کے بعد منبر سے اتر کر خالص مؤمنین میں سے دو مردوں اور ایک عورت کے متعلق حکم دیا اور انھیں اَسی اَسی کوڑے مارے گئے اور یہ تھے حضرت حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم۔ ان کے قدم پھسل گئے تھے اور انھوں نے بھی تہمت تراشی میں حصہ لیا تھا۔ باقی رہا اس جھوٹ کا بانی عبداللہ بن ابی اور اس کے رفقا تو انھیں اس دنیا میں سزا نہ دی گئی[1] لیکن وہ قیامت کے روز اللہ کے حضور کھڑے ہوں گے جہاں نہ مال کام آئے گا، نہ اولاد۔ صرف وہ کامیاب ہوں گے جو اللہ کے پاس "قلب سلیم" لے کر جائیں گے۔

عمرہ حدیبیہ (ذی قعدہ 6 ہجری)

عمرہ کے لیے روانگی اور حدیبیہ میں پڑاؤ مدینے میں رسول اللہ ﷺ کو خواب دکھلایا گیا کہ آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ امن کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہوئے اور سروں کو منڈوایا اور قصر کرایا۔ آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس کی اطلاع دی اور یہ بتلایا کہ آپ عمرے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ گرد و پیش میں جو اَعراب تھے، ان میں بھی روانگی کا اعلان کر دیا مگر انھوں نے تاخیر کی۔ ان کا خیال تھا کہ رسول اور مومنین واپس اپنے گھر کبھی نہ آسکیں گے مگر بعد میں عذر یہ تراشا: "ہمیں ہمارے اموال و اولاد نے مشغول کر رکھا تھا، لہٰذا

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے: صحیح البخاري، الشهادات، باب تعدیل النساء بعضهن بعضاً، حدیث:2661، و سیرت ابن ہشام:2/297-307، و زادالمعاد: 2/113-115.

ہمارے لیے دعائے مغفرت کر دیجیے۔“

رسول اللہ ﷺ بروز پیر، یکم ذی قعدہ 6 ہجری کو چودہ سو مہاجرین وانصار کے ساتھ مدینے سے روانہ ہوئے [1] اور اپنے ساتھ قربانی کے جانور بھی لے لیے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ آپ جنگ کے لیے نہیں بلکہ عمرے کے لیے جا رہے ہیں۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر جانوروں کو قلادے پہنائے، کوہان چیر کر نشان بنایا اور عمرے کا احرام باندھا۔ [2]

پھر آپ ﷺ نے سفر جاری رکھا۔ ”عسفان“ پہنچے تو آپ کے جاسوس نے آ کر اطلاع دی کہ قریش جنگ کا اور مسلمانوں کو بیت اللہ سے روکنے کا تہیہ کیے بیٹھے ہیں۔ انھوں نے ”ذِی طُوٰی“ میں پڑاؤ ڈال رکھا ہے اور خالد بن ولید کو دو سو سواروں کے ساتھ ”عسفان“ کے قریب ”کراع الغمیم“ بھیج دیا ہے تاکہ وہ مکہ آنے والا راستہ بند رکھیں، نیز اپنی مدد کے لیے احابیش کو بھی جمع کر لیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مشورہ کیا کہ کیا کریں۔ یہ احابیش جو جمع ہوئے ہیں، ان کے گھروں پر ہلہ بول دیں، یا سیدھے بیت اللہ کا قصد کریں اور جو روکے اس سے لڑیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا:

”ہم عمرہ کرنے آئے ہیں، لڑنے نہیں آئے، لہٰذا جو ہمارے اور بیت اللہ کے درمیان حائل ہو اس سے لڑیں۔“ رسول اللہ ﷺ نے یہ رائے قبول کی۔ [3]

ادھر خالد بن ولید نے ظہر کی نماز میں مسلمانوں کو رکوع اور سجدہ کرتے دیکھا تو کہا:

”یہ لوگ غافل تھے، ہم نے حملہ کیا ہوتا تو انھیں مار لیا ہوتا۔“

پھر طے کیا کہ عصر کی نماز کے دوران میں حملہ کریں گے لیکن اللہ نے ظہر اور عصر کے درمیان صَلٰوۃِ خَوْف (حالت جنگ کی مخصوص نماز) کا حکم نازل کر دیا اور خالد کے ہاتھ سے موقع جاتا رہا۔ [4]

[1] صحیح البخاري، المغازي، باب غزوة الحديبية، حديث: 4154. [2] صحیح البخاري، الحج، باب من أشعر وقلد بذي الحليفة، حديث: 1695,1694. [3] صحیح البخاري، المغازي، باب غزوة الحديبية، حديث: 4178. [4] مسند أحمد: 374/3، وسنن أبي داود، صلاة السفر، باب صلاة الخوف، حديث: 1236 وسنن النسائي، صلاة الخوف، حديث: 1545، وفتح الباري: 488/7.

پھر رسول اللہ ﷺ نے اس راستے کو چھوڑ کر ایک دوسرا راستہ اختیار کیا اور مکہ سے نیچے داہنے ہاتھ چل کر ”ثنیۃ المرار“ پہنچ گئے، جہاں سے حدیبیہ میں اترتے ہیں، وہاں پہنچ کر آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی اور لوگوں نے ڈانٹا بھی تو نہ اٹھی۔ لوگوں نے کہا ”قصواء“ اڑ گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَا خَلَأَتِ الْقَصْوَاءُ، وَ مَا ذَاكَ لَهَا بِخُلُقٍ، وَلٰكِنْ حَسَبَهَا حَابِسُ الْفِيلِ»

”قصواء اڑی نہیں ہے اور نہ یہ اس کی عادت ہے لیکن اسے اس ہستی نے روک رکھا ہے، جس نے ہاتھی کو روک دیا تھا۔“ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«وَاللّٰهِ لَا يَسْأَلُونَنِي خُطَّةً يُعَظِّمُونَ فِيهَا حُرُمَاتِ اللّٰهِ إِلَّا أَعْطَيْتُهُمْ إِيَّاهَا»

”اللہ کی قسم! یہ لوگ مجھ سے کسی بھی ایسے معاملے کا مطالبہ نہ کریں گے، جس میں اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کر رہے ہوں مگر میں اسے ضرور تسلیم کر لوں گا۔“

اس کے بعد آپ ﷺ نے اونٹنی کو ڈانٹا تو وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی، پھر آپ نے آگے بڑھ کر حدیبیہ میں پڑاؤ ڈال دیا۔

اس کے بعد بدیل بن ورقاء خزاعی، خزاعہ کی ایک جماعت کے ساتھ آیا۔ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے خیر خواہ تھے۔ اس نے بتایا کہ قریش آپ سے جنگ کرنے اور آپ کو بیت اللہ سے روکنے کا تہیہ کیے بیٹھے ہیں۔ آپ ﷺ نے اسے بتایا:

”ہم محض عمرے کے لیے آئے ہیں، لڑائی کے لیے نہیں، نیز یہ کہ ہم صلح کے لیے تیار ہیں لیکن اگر قریش نے لڑائی ہی پر اصرار کیا تو ہم اس وقت تک لڑتے رہیں گے، جب تک کہ ہمارا تن سر سے جدا نہ ہو جائے یا اللہ کا حکم نافذ نہ ہو جائے۔“[1]

رسول اللہ ﷺ اور قریش کے مابین گفت وشنید بدیل نے واپس جا کر قریش کو یہ بات سنائی تو انھوں نے مکرز بن حفص کو بھیجا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے بھی وہی بات کہی جو بدیل سے کہی تھی۔ اس کے بعد قریش نے احابیش کے سردار حلیس بن عکرمہ کو بھیجا۔

[1] صحيح البخاري، الشروط، باب الشروط في الجهاد، حديث:2731.

جب وہ نمودار ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام سے فرمایا:«هٰذَا مِنْ قَوْمٍ يُعَظِّمُونَ الْهَدْيَ، فَابْعَثُوهَا لَهُ»

”یہ شخص ایسی قوم سے تعلق رکھتا ہے، جو قربانی کے جانوروں کا بہت احترام کرتی ہے، لہٰذا جانوروں کو کھڑا کر دو۔“

صحابہ ؓ نے جانوروں کو کھڑا کر دیا اور خود بھی لبیک پکارتے ہوئے اس کا استقبال کیا۔ اس نے یہ کیفیت دیکھی تو کہا: ”سبحان اللہ! ان لوگوں کو بیت اللہ سے روکنا ہرگز مناسب نہیں۔ بھلا یہ کیا کہ لَخم و جُذام اور حِمیَر کے لوگ تو حج کریں اور عبد المطلب کا بیٹا بیت اللہ سے روک دیا جائے۔ بیت اللہ کے رب کی قسم! قریش برباد ہوئے۔ یہ لوگ عمرہ کرنے آئے ہیں۔“ قریش نے یہ بات سنی تو کہا کہ بیٹھ جاؤ، تم اَعرابی ہو، تمھیں چالبازیوں کا علم نہیں۔

اس کے بعد قریش نے عروہ بن مسعود ثقفی کو بھیجا، اس نے آکر رسول اللہ ﷺ سے بات کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے بھی وہی کہا جو بدیل سے کہا تھا۔

اس نے کہا: ”اے محمد! (ﷺ) اگر آپ نے اپنی قوم کا صفایا بھی کر دیا تو کیا آپ نے پہلے کسی عرب کے متعلق سنا ہے کہ اس نے اپنی ہی قوم کا صفایا کر دیا ہو۔ اور اگر دوسری صورت پیش آئی، یعنی آپ کو شکست ہوئی تو میں آپ کے گرد ایسے اوباش لوگوں کو دیکھ رہا ہوں، جو اسی لائق ہیں کہ آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں۔“

اس پر حضرت ابوبکر ؓ نے عروہ کو لات کے حوالے سے ذلیل کرتے ہوئے کہا: ”کیا ہم حضور ﷺ کو چھوڑ کر بھاگیں گے۔“ عروہ ابوبکر ؓ کا جواب نہ دے سکا کیونکہ ابوبکر نے اس پر کوئی احسان کیا تھا۔

عروہ بات کرتے کرتے نبی ﷺ کی ڈاڑھی کو ہاتھ لگاتا۔ مُغیرہ بن شُعبہ ؓ اس کے ہاتھ پر تلوار کا دستہ مار کر کہتے ”اپنا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کی ڈاڑھی سے پرے رکھ۔“

عروہ نے کہا: ”او غدار! کیا میں تیری غداری کے سلسلے میں دوڑ دھوپ نہیں کر رہا ہوں؟“

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ عروہ کے بھتیجے تھے۔ کچھ لوگوں کو قتل کر کے ان کا مال لے لیا تھا اور آ کر مسلمان ہو گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا اسلام قبول کر لیا تھا لیکن مال سے براءت اختیار کی تھی۔ عروہ بن مسعود اسی سلسلے میں بھاگ دوڑ کر رہا تھا اور ان کی غداری سے اس نے اسی واقعے کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اس موقع پر عروہ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کا جو منظر دیکھا تو واپس جا کر قریش سے کہنے لگا:

''اے قوم! واللہ! میں قیصر وکسریٰ اور نجاشی جیسے بادشاہوں کے پاس جا چکا ہوں۔ واللہ! میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کے ساتھی اس کی اتنی تعظیم کرتے ہوں، جتنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعظیم کرتے ہیں۔ واللہ! وہ کھنکار بھی تھوکتے تھے تو کسی نہ کسی آدمی کے ہاتھ پر پڑتا تھا اور وہ شخص اسے اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا تھا اور جب وہ حکم دیتے تھے تو اس کی بجا آوری کے لیے سب دوڑ پڑتے تھے اور جب وضو کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ان کے وضو کے پانی کے لیے لوگ لڑ پڑیں گے اور جب کوئی بات کرتے تھے تو سب اپنی آوازیں پست کر لیتے تھے اور فرطِ تعظیم کے سبب انھیں بھرپور نظر سے دیکھتے نہ تھے۔ انھوں نے تم پر ایک اچھی تجویز پیش کی ہے، لہٰذا اسے قبول کر لو۔''[1]

اس ''سلسلۂ گفتگو'' کے دوران قریش کے ستر یا اسّی پُرجوش نوجوان ہنگامہ آرائی کے لیے رات کی تاریکی میں خاموشی کے ساتھ جبلِ تنعیم سے اتر کر مسلمانوں کے کیمپ میں گھس آئے۔ مقصد یہ تھا کہ صلح کی یہ گفتگو ناکام ہو جائے لیکن مسلمانوں نے ان سب کو گرفتار کر لیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں معاف کرتے ہوئے چھوڑ دیا۔ اس سے ایک طرف تو قریش کے دلوں پر خاصا رعب طاری ہوا۔ دوسری طرف ان کے اندر صلح کا رجحان اور بڑھ گیا۔ اسی سلسلے میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ مِن بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ﴾

[1] صحيح البخاري، الشروط، باب الشروط في الجهاد، حديث:2732,2731.

”وہی ہے جس نے بطن مکہ میں ان کے ہاتھ تم سے روکے اور تمھارے ہاتھ ان سے روکے، اس کے بعد کہ تم کو ان پر قابو دے چکا تھا۔“[1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سفارت اور بیعت رضوان اب رسول اللہ ﷺ نے طے کیا کہ قریش کے پاس ایک سفیر روانہ کریں جو انھیں یقینی طور پر بتلائے کہ آپ عمرے ہی کے لیے تشریف لائے ہیں، چنانچہ آپ نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا اور انھیں یہ بھی حکم دیا کہ وہ مکے کے کمزور مومن مردوں اور عورتوں کے پاس جا کر انھیں قریب ہی فتح کی بشارت سنا دیں اور یہ بتلا دیں کہ ”اللہ عزوجل اپنے دین کو مکے میں ظاہر و غالب کرنے والا ہے، یہاں تک کہ کسی کو ایمان چھپانے کی ضرورت نہ ہوگی۔“

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ابان بن سعید اموی کی پناہ میں مکے کے اندر داخل ہوئے اور پیغام پہنچایا، قریش نے پیشکش کی کہ بیت اللہ کا طواف کر لیں مگر انھوں نے اس حالت میں طواف کرنے سے انکار کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ کو روک رکھا گیا ہو۔

پھر قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو روک لیا۔ غالباً وہ چاہتے تھے کہ باہم مشورہ کر لیں، پھر جواب سمیت انھیں روانہ کریں مگر ان کی تاخیر سے مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ انھیں قتل کر دیا گیا ہے۔ چونکہ قاصد کو قتل کرنے کے معنی اعلانِ جنگ ہیں، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے یہ بات سنی تو فرمایا: «لَا نَبْرَحُ حَتّٰی نُنَاجِزَ الْقَوْمَ»

”ہم اس جگہ سے ٹل نہیں سکتے، یہاں تک کہ ان لوگوں سے معرکہ آرائی نہ کر لیں۔“

پھر آپ نے ایک درخت کے نیچے صحابہ رضی اللہ عنہم کو جنگ پر بیعت کرنے کی دعوت دی۔ صحابہ ٹوٹ پڑے اور بڑی گرمجوشی کے ساتھ موت پر اور میدان سے نہ بھاگنے پر بیعت

---

[1] الفتح 48: 24. وصحيح مسلم، الجهاد، باب قوله تعالىٰ: ﴿وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ﴾، حديث: 1808، و مسند أحمد: 122/3، و سنن أبي داود، الجهاد، باب في المنّ على الأسير، حديث: 2688، و جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة الفتح، حديث: 3264، و السنن الكبرىٰ للنسائي، التفسير، باب قوله تعالىٰ: ﴿وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ﴾: 464/6، حديث: 11510.

کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ سے پکڑ کر فرمایا:

«هٰذِهِ يَدُ عُثْمَانَ» ”یہ عثمان کا ہاتھ ہے۔“ ①

لیکن جب بیعت مکمل ہو چکی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی آ گئے۔ اللہ نے اس بیعت کی فضیلت میں یہ آیت نازل فرمائی:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾

”اللہ مومنین سے راضی ہوا، جب وہ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔“ ②

اور یہیں سے اس کا نام ”بیعتِ رضوان“ پڑ گیا۔

اتمامِ صلح قریش نے اس بیعت کا حال سنا تو ان پر زبردست رعب طاری ہوا اور اُنھوں نے صلح کرنے کے لیے سہیل بن عمرو کو بھیجا۔ سہیل نے لمبی گفتگو کی، بالآخر درج ذیل شرطیں طے ہوئیں:

- رسول اللہ ﷺ اس سال مکے میں داخل ہوئے بغیر مسلمانوں کے ساتھ واپس جائیں گے۔ اگلے سال مکہ آئیں گے اور تین روز قیام کریں گے۔ ان کے پاس کوئی ہتھیار نہ ہوگا۔ صرف میان کے اندر تلواریں ہوں گی۔
- فریقین میں دس سال کے لیے جنگ بند رہے گی۔
- جو محمد ﷺ کے ”عہد“ میں داخل ہونا چاہے، داخل ہو سکتا ہے اور جو قریش کے عہد میں داخل ہونا چاہے، داخل ہو سکتا ہے۔
- قریش کا جو آدمی مسلمانوں کی پناہ میں جائے گا، مسلمان اسے قریش کے حوالے کر دیں گے لیکن مسلمانوں کا جو آدمی قریش کی پناہ میں آئے گا قریش اسے واپس نہ کریں گے۔

اس کے بعد آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور املا کرایا: ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ“ لکھیں۔ سہیل نے کہا: ”ہم نہیں جانتے رحمان کیا ہے۔ آپ ”بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ“

① صحيح البخاري، فضائل الصحابة، باب مناقب عثمان بن عفان، حديث: 3699. ② الفتح 18:48.

لکھیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے انھیں یہی لکھنے کا حکم دیا۔

پھر آپ ﷺ نے املا کرایا: ''یہ وہ بات ہے، جس پر محمد رسول اللہ نے مصالحت کی۔''

اس پر سہیل نے کہا: ''اگر ہم جانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو پھر ہم نہ تو آپ کو بیت اللہ سے روکتے اور نہ آپ سے جنگ کرتے۔ آپ محمد بن عبداللہ لکھوائیں۔''

آپ نے فرمایا: «إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ وَ إِنْ كَذَّبْتُمُونِي»

''میں اللہ کا رسول ہوں، اگرچہ تم لوگ جھٹلاؤ۔''

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اسے مٹا کر محمد بن عبداللہ لکھیں لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مٹانا گوارا نہ کیا، لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے مٹایا۔[1] پھر پوری دستاویز کے دو نسخے لکھے گئے۔ ایک نسخہ قریش کے لیے اور ایک نسخہ مسلمانوں کے لیے۔

ابو جندل کا قضیہ صلح نامہ ابھی لکھا ہی جا رہا تھا کہ قریش کے نمائندے سہیل بن عمرو کے صاحبزادے ابوجندل بیڑیاں گھسیٹتے ہوئے پہنچے۔ سہیل نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا۔

نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّا لَمْ نَقْضِ الْكِتَابَ بَعْدُ» ''ابھی نوشتہ مکمل نہیں ہوا ہے۔''

سہیل نے کہا: ''تب میں آپ سے صلح ہی نہیں کرتا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَأَجِزْهُ لِي» ''اچھا تم اس کو میری خاطر چھوڑ دو۔''

اس نے کہا: ''یہ بھی نہیں ہو سکتا۔''

پھر سہیل نے ابوجندل کو مارا۔ ابو جندل نے چیخ کر کہا: ''مسلمانو! کیا میں مشرکین کی طرف واپس کیا جاؤں گا کہ وہ مجھے میرے دین سے فتنے میں ڈالیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اِصْبِرْ وَاحْتَسِبْ، فَإِنَّ اللّٰهَ جَاعِلٌ لَّكَ وَلِمَنْ مَّعَكَ مِنَ الْمُسْتَضْعَفِينَ فَرَجًا وَّمَخْرَجًا»

[1] صحيح البخاري، الشروط، باب الشروط في الجهاد والمصالحة، حديث 2732,2731.

”صبر کرو اور باعث ثواب سمجھو، اللہ تمھارے لیے اور تمھارے علاوہ جو دوسرے کمزور مسلمان ہیں ان سب کے لیے کشادگی اور پناہ کی جگہ بنائے گا۔“

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابو جندل کو بھڑکایا کہ وہ اپنے باپ سہیل کو قتل کر دیں مگر انھوں نے ایسا نہ کیا۔[1]

عمرے سے دستبرداری اور صلح پر مسلمانوں کا غم رسول اللہ ﷺ معاہدۂ صلح لکھوا کر فارغ ہو چکے تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

«قُومُوا فَانْحَرُوا» ”اٹھو اور اپنے اپنے جانور قربان کر دو۔“

مگر کوئی نہ اٹھا، حتیٰ کہ آپ ﷺ نے یہ بات تین بار کہی مگر کوئی نہ اٹھا۔ آپ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور ان سے اس کا ذکر کیا۔ انھوں نے مشورہ دیا کہ آپ اٹھ کر اپنا جانور ذبح کر دیں اور اپنا سر منڈا لیں اور کسی سے کوئی بات نہ کریں۔ آپ نے یہی کیا اور مشرکین کو جلانے، بھنانے کے لیے ابو جہل کا ایک اونٹ بھی ذبح کیا، جس کی ناک میں چاندی کا ایک حلقہ تھا۔ آپ کو دیکھ کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اپنے اپنے جانور ذبح کر دیے اور اپنے سر منڈا لیے مگر غم کے سبب ان کی کیفیت یہ تھی کہ لگتا تھا ایک دوسرے کو قتل کر دیں گے۔ اس موقع پر گائے اور اونٹ سات سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کیے گئے۔[2]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے غم کی دو وجوہ تھیں: ایک یہ کہ وہ عمرہ کیے بغیر واپس ہو رہے تھے، دوسری یہ کہ صلح میں فریقین میں برابری نہ تھی کیونکہ طے یہ ہوا تھا کہ مسلمانوں کے پاس کوئی آئے تو اسے مسلمان واپس کر دیں گے لیکن قریش کے پاس کوئی جائے تو اسے قریش واپس نہ کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں پہلی وجہ کے متعلق مطمئن کیا:

”ہم اگلے سال عمرہ کریں گے، لہٰذا خواب سچا ہے اور صلح کی اس دفعہ میں مسلمانوں کے جذبات کی رعایت کی گئی ہے۔“

[1] صحیح البخاري، الشروط، باب الشروط في الجهاد، حدیث: 27322731، و سیرت ابن هشام: 332/3. [2] صحیح مسلم، الحج، باب جواز الاشتراك في الهدي......، حدیث: 1318.

اور دوسری وجہ کے متعلق (یہ کہہ کر) مطمئن کیا کہ ”ہمارا جو آدمی ان کے پاس چلا گیا، اللہ نے اسے دور کر دیا اور ان کا جو آدمی ہمارے پاس آئے گا، اللہ اس کے لیے کشادگی اور پناہ کی جگہ بنائے گا۔“ ①

آپ کی یہ بات بہت دور اندیشی پر مبنی تھی کیونکہ مسلمانوں کی ایک جماعت ابھی تک حبشہ میں تھی اور ان پر صلح لاگو نہیں ہوتی تھی، لہٰذا مکہ کے قیدیوں کے لیے ان کے پاس پناہ لینی ممکن تھی لیکن بظاہر صلح بہرحال قریش کے حق میں تھی، اس لیے مسلمانوں کے احساسات پر اس کا گہرا اثر تھا، یہاں تک کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خدمتِ نبوی میں آ کر کہا:

”اے اللہ کے رسول! کیا ہم لوگ حق پر اور وہ لوگ باطل پر نہیں؟“

آپ ﷺ نے فرمایا: «بَلٰى» ”کیوں نہیں!“

انھوں نے کہا: ”کیا ہمارے مقتولین جنت میں اور ان کے مقتولین جہنم میں نہیں؟“

آپ ﷺ نے فرمایا: «بَلٰى» ”کیوں نہیں!“

انھوں نے کہا: ”تو پھر ہم کیوں اپنے دین کے بارے میں دباؤ قبول کریں۔ اور ایسی حالت میں پلٹیں کہ ابھی اللہ نے ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ نہیں کیا ہے؟“

آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَا ابْنَ الْخَطَّابِ! إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ، وَ لَسْتُ أَعْصِيهِ، وَ هُوَ نَاصِرِي، وَ لَنْ يُضَيِّعَنِي أَبَدًا»

”خطاب کے صاحبزادے! میں اللہ کا رسول ہوں، اس کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ وہ میری مدد کرے گا اور مجھے ہرگز ضائع نہ کرے گا۔“

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ غصے سے بھرے ہوئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے بھی وہی کہا جو نبی ﷺ سے کہا تھا اور انھوں نے بھی وہی جواب دیا جو رسول اللہ ﷺ نے دیا تھا، پھر مزید کہا: ”آپ ﷺ کی رکاب تھامے رہو، یہاں تک کہ تمھاری

① صحيح مسلم، الجهاد، باب صلح الحديبية، حديث: 1784.

موت آجائے کیونکہ واللہ! آپ حق پر ہیں۔“

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا﴾ کی آیات نازل کیں، جن میں اس صلح کو ”فتح مبین“ قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور پڑھ کر سنایا۔

وہ کہنے لگے: ”یا رسول اللہ! یہ فتح ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: «نَعَمْ» ”ہاں!“

اس سے ان کے دل کو سکون ہو گیا اور وہ واپس چلے گئے۔ بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی اس تقصیر پر سخت ندامت ہوئی اور اس کی تلافی کے لیے انھوں نے بہت سے اعمال کیے، برابر صدقہ وخیرات کیا، روزے رکھے، نماز پڑھی اور غلام آزاد کیے، یہاں تک کہ خیر کی امید بندھی۔[1]

مہاجر عورتوں کا قضیہ صلح مکمل ہو چکی اور لوگوں نے احرام کھول دیے تو کچھ مومن عورتیں آ گئیں، ان کے کافر سرپرستوں نے نبی ﷺ سے مطالبہ کیا کہ انھیں واپس کیا جائے مگر آپ ﷺ نے اس دلیل کی بنا پر واپس کرنے سے انکار کر دیا کہ عورتیں معاہدے میں شامل نہیں ہیں۔ ادھر اللہ نے یہ حکم نازل فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ ۖ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ ۖ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ ۖ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ۖ وَآتُوهُم مَّا أَنفَقُوا ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَن تَنكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۚ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ﴾

”اے اہلِ ایمان! جب تمھارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کا امتحان لو، اللہ ان کے ایمان کو بہتر جانتا ہے۔ پس اگر انھیں مومنہ جانو تو کفار کی طرف نہ پلٹاؤ، نہ وہ کفار کے لیے حلال ہیں، نہ کفار ان کے لیے حلال ہیں، البتہ ان کے کافر شوہروں نے جو مہر اُن کو دیے تھے اسے واپس دے دو اور (پھر) تم پر

① صحيح البخاري، الشروط، باب الشروط في الجهاد والمصالحة، حديث: 2731.

کوئی حرج نہیں کہ ان سے نکاح کر لو، جبکہ انھیں ان کے مہر ادا کرو اور کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ رکھو۔"[1]

یوں ایمان والی عورتوں کو کفار پر اور کافر عورتوں کو مومنین پر حرام کر دیا گیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے آنے والی عورتوں کا امتحان اس آیت کی روشنی میں لیتے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ إِذَا جَآءَكَ ٱلْمُؤْمِنَٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰٓ أَن لَّا يُشْرِكْنَ بِٱللَّهِ شَيْـًٔا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَٰدَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَٰنٍ يَفْتَرِينَهُۥ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِى مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَٱسْتَغْفِرْ لَهُنَّ ٱللَّهَ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ ﴾

"اے نبی! جب تمھارے پاس مومن عورتیں آئیں اور اس بات پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں گی، چوری نہ کریں گی، زنا نہ کریں گی، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی، اپنے ہاتھ پاؤں کے درمیان سے کوئی بہتان گھڑ کر کے نہ لائیں گی اور کسی معروف بات میں تمھاری نافرمانی نہ کریں گی۔ تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت کی دعا کرو، یقیناً اللہ غفور و رحیم ہے۔"[2]

چنانچہ جو عورت ان شرائط کا اقرار کرتی اس سے آپ فرماتے:

«قَدْ بَايَعْتُكِ» "میں نے تم سے بیعت لے لی۔"

صرف زبان سے کہتے، مصافحہ نہ فرماتے اور پھر اسے کفار کو واپس نہ کرتے، نیز مسلمانوں نے اپنی کافرہ بیویوں کو طلاق دے دی اور مسلمان عورتوں کو ان کے کافر شوہروں سے علیحدہ کر دیا۔[3]

مسلمانوں کے معاہدے میں بنوخزاعہ کی شرکت "بنوخزاعہ" نے پسند کیا کہ وہ اس معاہدے میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہیں گے، چنانچہ وہ آپ کے "عہد" میں داخل

[1] الممتحنة 10:60. [2] الممتحنة 12:60. [3] صحيح البخاري، الشروط، باب الشروط في الجهاد، حديث:2732,2731.

ہو گئے۔ یہ لوگ زمانۂ جاہلیت سے بنو ہاشم کے حلیف چلے آ رہے تھے۔ جبکہ ان کے حریف بنو بکر، قریش کے ''عہد'' میں داخل ہو گئے اور وہی فتح مکہ کا سبب بنے، جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔

کمزور مسلمانوں کے قضیے کا حل رہے وہ مسلمان جو مکے میں تعذیب کا شکار تھے تو ان میں سے ابو بصیر رضی اللہ عنہ نامی ایک صاحب چھوٹ کر مدینہ بھاگ آئے۔ قریش نے ان کی واپسی کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو آدمی بھیجے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں واپس کر دیا۔ ذوالحُلَیفہ پہنچ کر ابو بصیر نے ایک کو قتل کر دیا اور دوسرا بھاگ کر سیدھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا، میرا ساتھی قتل کر دیا گیا اور بس میں بھی قتل ہی کیا جانے والا ہوں، اتنے میں ابو بصیر آ گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈانٹا تو سمجھ گئے کہ پھر واپس کیا جاؤں گا، لہٰذا وہ ساحلِ سمندر پر جا رہے۔ ادھر ابو جندل بھی چھوٹ کر ابو بصیر سے آن ملے، اس کے بعد قریش کا جو آدمی بھی اسلام لا کر بھاگتا وہ ابو بصیر سے جا ملتا، یہاں تک کہ ان کی ایک جماعت اکٹھی ہو گئی۔ اس کے بعد قریش کا جو قافلہ بھی ملک شام جاتا اس سے یہ لوگ ضرور چھیڑ چھاڑ کرتے۔ اس پر حملے کرتے اور اس کا مال چھین لیتے۔ اس سے تنگ آ کر قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا اور قرابت کا واسطہ دیا کہ انھیں مدینہ بلا لیں۔ اب جو بھی آپ کے پاس آئے گا محفوظ رہے گا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مدینہ بلا بھیجا۔ وہ آ گئے اور مشکل حل ہو گئی۔[1]

صلح کا اثر اسلامی دعوت کی رفتار پر اس صلح کا بڑا اثر ہوا۔ مسلمانوں کو عام عربوں سے ملنے اور انھیں اللہ کی دعوت دینے کا موقع ملا، چنانچہ لوگ بہ کثرت اسلام میں داخل ہوئے اور صرف دو سال میں مسلمانوں کی تعداد اتنی ہو گئی کہ انیس برسوں میں نہیں ہوئی تھی۔ اکابرِ قریش، جو قریش کا نچوڑ اور عطر تھے، یعنی عمرو بن عاص، خالد بن ولید اور عثمان بن طلحہ اپنی

[1] صحیح البخاري، الشروط، باب الشروط في الجهاد، حدیث:2732,2731، و سیرت ابن هشام:2/308-322، و زادالمعاد:2/122-127، و تاریخ عمر بن الخطاب، ص:40,39.

رغبت اور مرضی سے ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی شہادت دیتے ہوئے خدمت نبوی میں حاضر ہوئے، اسلام پر بیعت کی اور اس کی راہ میں جان و مال اور صلاحیت وقدرت سب کچھ صرف کرنے کا وعدہ کر لیا۔ جب یہ لوگ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ مَكَّةَ قَدْ أَلْقَتْ إِلَيْنَا أَفْلَاذَ كَبِدِهَا»

''مکہ نے اپنے جگر گوشوں کو ہمارے حوالے کر دیا ہے۔''

بادشاہوں اور امرا کے نام خطوط

جب رسول اللہ ﷺ قریش سے معاہدہ کر کے اور ان کی طرف سے مطمئن ہو کر حدیبیہ سے واپس تشریف لائے تو بادشاہوں اور امرا کے نام خطوط لکھ کر انھیں اسلام کی دعوت دی اور ان کی دُہری ذمے داری یاد دلائی۔ ذیل میں اختصار کے ساتھ یہ خطوط نقل کیے جا رہے ہیں:

نجاشی شاہِ حبشہ کے نام خط اس کا نام اصحمہ بن ابجر تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے نام حسب ذیل خط لکھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

«هٰذَا كِتَابٌ مِّنْ مُّحَمَّدٍ رَّسُولِ اللّٰهِ إِلَى النَّجَاشِيِّ الْأَصْحَمِ عَظِيمِ الْحَبَشَةِ.

سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى، وَ آمَنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُولِهِ، وَ شَهِدَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَمْ يَتَّخِذْ صَاحِبَةً وَّ لَا وَلَدًا، وَّ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ، وَ أَدْعُوكَ بِدِعَايَةِ الْإِسْلَامِ، فَإِنِّي أَنَا رَسُولُهُ فَأَسْلِمْ تَسْلَمْ» ﴿يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا

اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝﴾ (آل عمرٰن 64:3) «فَإِنْ أَبَيْتَ فَعَلَيْكَ إِثْمُ النَّصَارٰى مِنْ قَوْمِكَ»

(یہ خط ہے محمد اللہ کے رسول کی طرف سے نجاشی اصحمہ شاہِ حبشہ کی جانب۔)

اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ اور اس بات کی شہادت دے کہ اللّٰہ وحدہ لاشریك کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اس نے نہ کسی کو اپنی بیوی بنایا، نہ لڑکا۔ اور (اس بات کی شہادت دے کہ) محمد اس کا بندہ اور رسول ہے۔ اور میں تمھیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں کیونکہ میں اس کا رسول ہوں، لہٰذا اسلام لاؤ، سلامت رہو گے۔''

''اے اہلِ کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان برابر ہے، (وہ یہ) کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے بعض، بعض کو اللہ کے سوا رب نہ بنائے۔ پس اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دو کہ گواہ رہو ہم مسلمان ہیں۔''

اگر تم نے یہ دعوت قبول نہ کی تو تم پر اپنی قوم کے نصارٰی کا گناہ بھی ہے۔''[1]

یہ خط آپ ﷺ نے عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ روانہ کیا۔ نجاشی نے جب اسے وصول کیا تو اپنی آنکھوں پر رکھا، تخت سے نیچے اتر آیا اور جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا اور نبی ﷺ کو اپنے اسلام اور بیعت کے متعلق خط لکھا اور ام المؤمنین ام حبیبہ بنتِ ابوسفیان رضی اللہ عنہا کی شادی نبی ﷺ سے کر دی اور انھیں اپنی طرف سے چار سو دینار مہر دیا، پھر انھیں اور مہاجرین حبشہ کو عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کے ساتھ دو کشتیوں میں روانہ کر دیا اور وہ انھیں لے کر اس وقت پہنچے جب نبی ﷺ خیبر میں تھے۔[2]

[1] دلائل النبوة للبیهقي: 308/2، و مستدرك للحاكم: 623/2. [2] سیرت ابن هشام: 359/2.

نجاشی نے رجب 9 ہجری میں وفات پائی اور نبی ﷺ نے اس کی وفات ہی کے دن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی موت کی اطلاع دی اور اس کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی۔[1] اس کی وفات کے بعد دوسرا بادشاہ اس کا جانشین ہوا تو آپ ﷺ نے اس کے نام بھی ایک خط روانہ فرمایا اور اسے اسلام کی دعوت دی[2] لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس نے اسلام قبول کیا یا نہیں۔

مقوقس شاہ اسکندریہ ومصر کے نام خط نبی ﷺ نے اس کے نام جو خط لکھا وہ یہ تھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

«مِنْ مُّحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ وَ رَسُولِهٖ إِلَى الْمَقَوْقِسِ عَظِيمِ الْقِبْطِ»

سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى.

أَمَّا بَعْدُ! فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدِعَايَةِ الْإِسْلَامِ، أَسْلِمْ تَسْلَمْ، وَ أَسْلِمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ، فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَإِنَّ عَلَيْكَ إِثْمَ الْقِبْطِ. ﴿يَاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ○﴾ (آل عمرٰن 3:64)

(اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد کی طرف سے مقوقس سربراہِ قبط کی جانب)

اس پر سلام، جو ہدایت کی پیروی کرے، اما بعد!

’’میں تمھیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لاؤ، سلامت رہو گے۔ اسلام لاؤ، اللہ تمھیں دوہرا اجر دے گا لیکن اگر تم نے منہ موڑا تو تم پر اہلِ قبط کا بھی گناہ

[1] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب موت النجاشي، حديث: 3877، و صحيح مسلم، الجنائز، باب في التكبير على الجنائز، حديث: 951. [2] صحيح مسلم، الجهاد، باب كتب النبي إلى ملوك الكفار، حديث: 1774. حضرت انس کی روایت سے اخذ ہو سکتی ہے۔

ہوگا۔"

"اور اے اہلِ کتاب! ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان برابر ہے، (وہ یہ) کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے بعض، بعض کو اللہ کے سوا رب نہ بنائے۔ پس اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دو تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔"[1]

یہ خط آپ ﷺ نے حاطب بن ابوبلتعہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا۔ انھوں نے مقوقس سے گفتگو کی اور اسے خط پہنچایا۔ مقوقس نے ان کی عزت افزائی کی اور خط ہاتھی دانت کے ایک ڈبے میں رکھ کر اس پر مہر لگائی اور اسے محفوظ کر لیا اور نبی ﷺ کو جواب لکھا اور اس میں اقرار کیا کہ "ایک نبی باقی رہ گیا ہے اور میں سمجھتا تھا کہ وہ ملکِ شام میں ظاہر ہوگا۔" لیکن وہ مسلمان نہیں ہوا۔ تحفے میں ماریہ اور سیرین نامی دو لونڈیاں بھیج دیں جن کا قبط میں بڑا مقام تھا۔ کچھ کپڑے اور ایک خچر بھی ہدیہ کیا، جس کا نام دُلدُل تھا۔ نبی ﷺ نے ماریہ کو اپنے لیے اور دُلدُل کو اپنی سواری کے لیے منتخب فرمایا اور سیرین کو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لیے ہبہ کر دیا۔[2]

خسرو پرویز شاہ فارس کے نام خط آپ ﷺ نے اس کے نام یہ خط لکھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

«مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُولِ اللّٰهِ إِلٰى كِسْرٰى عَظِيمِ فَارِسَ:

سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَ آمَنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُولِهِ، وَ شَهِدَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ، وَ أَدْعُوكَ بِدِعَايَةِ اللّٰهِ، فَإِنِّي أَنَا رَسُولُ اللّٰهِ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً، لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا

[1] زادالمعاد: 61/3. ڈاکٹر حمید اللہ نے اس خط کا فوٹو شائع کیا ہے۔ صرف ایک حرف اور ایک لفظ کا فرق ہے۔ دیکھیے رسول اکرم (ﷺ) کی سیاسی زندگی، ص: 137,136. [2] زادالمعاد: 61/3.

وَ يَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ، أَسْلِمْ تَسْلَمْ، فَإِنْ أَبَيْتَ فَعَلَيْكَ إِثْمُ الْمَجُوسِ»

(محمد رسول اللہ کی طرف سے کسریٰ، والیِ فارس کی جانب) ''اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ وہ تنہا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں تمھیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں کیونکہ میں تمام انسانوں کی جانب اس کا فرستادہ ہوں تاکہ جو شخص زندہ ہے اسے انجامِ بد سے ڈرایا جائے اور کافروں پر حق بات ثابت ہو جائے۔ (حجت تمام ہو جائے) پس تم اسلام لاؤ، سالم رہو گے اور اگر اس سے انکار کیا تو تم پر مجوس کا بارِ گناہ ہوگا۔''[1]

یہ خط آپ نے عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے بھیجا اور انھیں حکم دیا کہ اسے ''والیِ بحرین'' کے حوالے کر دیں۔ اور سربراہِ بحرین اسے کسریٰ کے حوالے کرے گا۔ جب یہ خط کسریٰ کے سامنے پڑھا گیا تو اس نے اسے چاک کر دیا[2] اور کہا: ''میری رعایا میں سے ایک حقیر غلام اپنا نام مجھ سے پہلے لکھتا ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو فرمایا:

«مَزَّقَ اللّٰهُ مُلْكَهُ» ''اللہ اس کی بادشاہت کو پارہ پارہ کرے۔''

اور پھر وہی ہوا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، چنانچہ اس کے لشکر نے رومیوں سے بدترین شکست کھائی، پھر خسرو کے بیٹے شیرویہ نے اس کے خلاف بغاوت کی اور اسے قتل کر کے بادشاہت پر قبضہ کر لیا، پھر وہاں افتراق وانتشار کا طویل سلسلہ پھیل گیا تاآنکہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسلامی لشکر نے اس ملک پر قبضہ کر لیا اور یہ بادشاہت ہمیشہ کے لیے ختم ہوگئی۔

① زاد المعاد: 688/3 طبع مؤسسة الرسالة. ② صحيح البخاري، العلم، باب مايذكر في المناولة، حديث: 64.

قیصر شاہِ روم کے نام خط اس کے نام نبی ﷺ نے یہ خط لکھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

«مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُولِ اللّٰهِ إِلٰى هِرَقْلَ عَظِيمِ الرُّومِ:

أَمَّا بَعْدُ! فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدِعَايَةِ الْإِسْلَامِ، أَسْلِمْ تَسْلَمْ، يُؤْتِكَ اللّٰهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ، فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَإِنَّ عَلَيْكَ إِثْمَ الْأَرِيسِيِّينَ» ﴿ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝﴾ (اٰل عمرٰن 64:3)

(اللہ کے رسول محمد کی جانب سے ہرقل سربراہِ روم کی طرف) ''اس شخص پر سلام ہو جو ہدایت کی پیروی کرے۔ تم اسلام لاؤ، سلامت رہو گے۔ اسلام لاؤ، اللہ تمھیں دوہرا اجر دے گا اور اگر تم نے روگردانی کی تو تم پر رعایا کا (بھی) گناہ ہوگا۔''

''اور اے اہلِ کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان برابر ہے (وہ یہ) کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کو نہ پوجیں۔ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں اور اللہ کے سوا ہم ایک دوسرے کو رب نہ بنائیں۔ پس اگر یہ لوگ رخ پھیریں تو کہہ دو کہ تم لوگ گواہ رہو، ہم مسلمان ہیں۔''[1]

آپ نے یہ خط حضرت دِحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا اور اُنھیں حکم دیا کہ یہ خط ''والیٔ بُصریٰ'' کے حوالے کر دیں اور وہ اسے قیصر کے پاس پہنچائے گا۔ قیصر اس وقت اس بات پر اللہ کا شکر بجا لانے کے لیے حمص سے پیدل چل کر بیت المقدس آیا تھا کہ اللہ نے اسے اہل فارس پر فتح ونصرت عطا کی ہے۔ جب یہ خط اسے ملا تو اس نے اپنے ہرکارے دوڑائے کہ عرب کا کوئی ایسا آدمی لائیں جو نبی ﷺ کو پہچانتا ہو۔ انھیں ابو سفیان کی

[1] زاد المعاد: 688/3 طبع مؤسسة الرسالة.

سربراہی میں قریش کا ایک قافلہ مل گیا۔ انھوں نے قافلے کو ہرقل کے پاس حاضر کیا۔ ہرقل نے انھیں اپنے دربار میں بلایا، اس وقت روم کے بڑے بڑے لوگ اس کے گرداگرد موجود تھے۔ اس نے پوچھا کہ نسب کے لحاظ سے کون شخص آپ ﷺ کے زیادہ قریب ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ ابوسفیان، ہرقل نے ابوسفیان کو اپنے قریب کیا اور بقیہ لوگوں کو اس کے پیچھے بٹھایا اور کہا: ''میں اس سے اس شخص (نبی ﷺ) کے بارے میں پوچھوں گا، اگر یہ جھوٹ بولے تو تم اسے جھٹلا دینا۔'' اس پر ابوسفیان کو شرم آئی کہ جھوٹ بولے، اس کے بعد ہرقل اور ابوسفیان میں یہ گفتگو ہوئی۔

ہرقل : ''تم لوگوں میں اس کا نسب کیسا ہے؟''

ابوسفیان : ''وہ اونچے نسب والا ہے۔''

ہرقل : ''کیا یہ بات اس سے پہلے بھی تم میں سے کسی نے کہی تھی؟''

ابوسفیان : ''نہیں۔''

ہرقل : ''کیا اس کے باپ دادا میں سے کوئی بادشاہ گزرا ہے؟''

ابوسفیان : ''نہیں۔''

ہرقل : ''اچھا تو بڑے لوگوں نے اس کی پیروی کی ہے یا کمزوروں نے؟''

ابوسفیان : ''کمزوروں نے۔''

ہرقل : ''یہ لوگ بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں؟''

ابوسفیان : ''بڑھ رہے ہیں۔''

ہرقل : ''کیا اس دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص اس دین سے برگشتہ ہوکر مرتد بھی ہوا ہے؟''

ابوسفیان : ''نہیں۔''

ہرقل : ''جو بات اس نے اب کہی ہے، کیا اس سے پہلے تم نے اسے کبھی جھوٹ کا الزام بھی دیا ہے؟''

ابوسفیان : ''نہیں۔''

ہرقل : ''کیا وہ بدعہدی بھی کرتا ہے؟''

ابوسفیان : ''نہیں۔ اور یہاں ابوسفیان کو ایک مشکوک بات کہنے کا موقع ملا۔ (چنانچہ اس نے مزید کہا) البتہ ہم لوگ اس وقت اس کے ساتھ صلح کی ایک مدت گزار رہے ہیں، معلوم نہیں اس میں وہ کیا کرے گا۔''

ہرقل : ''کیا تم لوگوں نے اس سے جنگ کی ہے؟''

ابوسفیان : ''جی ہاں۔''

ہرقل : ''تو تمھاری اور اس کی جنگ کیسی رہی؟''

ابوسفیان : ''جنگ ہمارے اور اس کے درمیان ڈول ہے۔ وہ ہمیں زک پہنچالیتا ہے اور ہم بھی اسے زک پہنچا لیتے ہیں۔''

ہرقل : ''وہ تمھیں کن باتوں کا حکم دیتا ہے؟''

ابوسفیان : ''وہ کہتا ہے صرف اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو، تمھارے باپ دادا جو کچھ کہتے تھے اسے چھوڑ دو۔ وہ نماز، سچائی، پرہیز گاری، پاکدامنی اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے۔''

اس کے بعد ہرقل نے اس گفتگو پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

- تم نے بتایا کہ وہ اونچے نسب والا ہے تو دستور یہی ہے کہ پیغمبر اپنی قوم کے اونچے نسب سے بھیجے جاتے ہیں۔
- اور تم نے بتایا کہ اس سے پہلے تم میں سے کسی نے یہ بات نہیں کہی تو میں کہتا ہوں کہ اگر ایسا ہوتا تو میں کہتا کہ یہ شخص ایک ایسی بات کی نقل کر رہا ہے جو اس سے پہلے کہی جا چکی ہے۔
- اور تم نے بتایا کہ اس کے باپ دادا میں کوئی بادشاہ نہیں گزرا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس کے باپ دادا میں اگر کوئی بادشاہ گزرا ہوتا تو یہ شخص اپنے باپ دادا کی بادشاہت طلب کر

رہا ہے۔

* اور تم نے بتایا کہ جو بات اس نے کہی ہے، اس سے پہلے تم لوگوں نے اس پر کبھی جھوٹ کا الزام نہیں لگایا تو میں نے یہ جان لیا کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ لوگوں سے تو جھوٹ نہ بولے اور اللہ کے معاملے میں جھوٹ بولے۔
* اور تم نے یہ بھی بتایا کہ کمزور لوگ اس کی پیروی کر رہے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہی لوگ پیغمبروں کے پیروکار ہوتے ہیں۔
* اور تم نے بتایا کہ یہ لوگ زیادہ ہو رہے ہیں، ایمان کا معاملہ ایسا ہی ہے، یہاں تک کہ وہ مکمل ہو جائے۔
* اور تم نے بتایا کہ ان میں سے کوئی آدمی مرتد نہیں ہوتا۔ یقیناً حقیقت یہی ہے کہ ایمان کی بشاشت جب دلوں میں گھر کر جاتی ہے تب ایسا ہی ہوتا ہے۔
* اور تم نے بتایا کہ وہ بدعہدی نہیں کرتا۔ یقیناً پیغمبر ایسے ہی ہوتے ہیں کہ وہ بدعہدی نہیں کرتے۔
* اور تم نے بتایا کہ وہ تمھیں صرف اللہ کی عبادت کرنے اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرانے کا حکم دیتا ہے۔ بت پرستی سے منع کرتا ہے اور نماز، سچائی، پرہیز گاری اور پاکدامنی کا حکم دیتا ہے غرضیکہ جو کچھ تم نے بتایا ہے اگر وہ برحق ہے تو یہ شخص بہت جلد میرے ان دونوں قدموں کی جگہ کا مالک ہو جائے گا۔ میں جانتا تھا کہ یہ نبی آنے والا ہے لیکن میرا یہ گمان نہ تھا کہ وہ تم میں سے ہو گا۔ اور اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں اس کے پاس پہنچ سکوں گا تو اس سے ملاقات کی زحمت اٹھاتا اور اگر اس کے پاس ہوتا تو اس کے پاؤں دھوتا۔

اس کے بعد ہرقل نے آپ کا خط منگوا کر پڑھا تو آوازیں بلند ہو گئیں اور بہت شور مچا، چنانچہ اس نے ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کو باہر نکلوا دیا۔ باہر آ کر ابوسفیان نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

''ابو کبشہ کے بیٹے کا معاملہ بہت زور پکڑ گیا۔ اس سے تو بنو اصفر (رومیوں) کا بادشاہ ڈرتا ہے۔''

اس کے بعد ابوسفیان کو پختہ یقین ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کا دین غالب آ کر رہے گا، یہاں تک کہ اللہ نے اسے اسلام کی توفیق دی۔

ہرقل نے نامہ بر حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ کو مال اور پارچہ جات سے نوازا اور پھر حمص واپس چلا گیا۔ وہاں ایک بڑے ہال میں عظمائے روم کو باریابی بخشی اور ہال کے دروازے بند کر دیے۔

پھر کہا: ''اے جماعتِ روم! کیا تم لوگ فلاح ورشد چاہتے ہو اور یہ چاہتے ہو کہ تمھاری بادشاہت برقرار رہے تو اس نبی کی پیروی کر لو۔''

اس پر وہ لوگ وحشی گدھوں کی طرح بدک کر دروازوں کی طرف بھاگے مگر دروازوں کو بند پایا۔

قیصر نے ان کی یہ نفرت دیکھی تو کہا: ''انھیں میرے پاس پلٹا لاؤ۔''

پھر ان سے کہا: ''میں نے جو بات کہی تھی، اس سے تمھارے دین میں تمھاری پختگی آزما رہا تھا، جسے میں نے آزما لیا۔'' اس پر ان عظماء نے اسے سجدہ کیا اور اس سے خوش ہو گئے۔[1]

اس تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ قیصر نے نبی ﷺ کو اور آپ کی نبوت کی سچائی کو پوری طرح جان اور پہچان لیا تھا لیکن بادشاہت کی محبت غالب آ گئی اور وہ اسلام نہ لایا، چنانچہ اپنا گناہ بھی اٹھایا اور اپنی رعایا کا بارِ گناہ بھی۔ جیسا کہ نبی ﷺ نے نامۂ مبارک میں تحریر فرمایا تھا۔

ادھر دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ مدینہ واپس آتے ہوئے ''حسمی'' سے گزرے تو بنو جذام کے

[1] صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي، حديث:7، و صحيح مسلم، الجهاد، باب كتب النبي إلى هرقل ملك الشام، حديث: 1773.

لوگوں نے ان پر ڈاکہ ڈال کر سب کچھ لوٹ لیا اور ان کے پاس کچھ بھی نہ چھوڑا، چنانچہ انھوں نے مدینہ پہنچ کر نبی ﷺ کو اس کی خبر دی۔ آپ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں پانچ سو سوار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا دستہ روانہ کیا۔ انھوں نے شبخون مار کر لوگوں کو قتل کیا اور غنیمت میں ایک ہزار اونٹ اور پانچ سو بکریاں حاصل کیں اور ایک سو عورتوں اور بچوں کو قید کیا۔

اس واقعے پر قبیلہ جذام کے ایک سردار حضرت زید بن رفاعہ جذامی رضی اللہ عنہ جھٹ پٹ مدینہ آئے۔ وہ اور ان کی قوم کے کچھ لوگ مسلمان ہو چکے تھے اور جب حضرت دحیہ پر ڈاکہ پڑا تھا تو انھوں نے دحیہ کی مدد بھی کی تھی، لہٰذا نبی ﷺ نے غنیمت اور قیدی انھیں واپس کر دیے۔[1]

حارث بن ابوشمر غسانی کے نام خط یہ قیصر کی طرف سے دِمشق کا امیر تھا۔ اس کے نام نبی ﷺ نے جو خط لکھا وہ یہ تھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

«مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُولِ اللّٰهِ إِلَى الْحَارِثِ بْنِ أَبِي شِمْرٍ:

سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى، وَ آمَنَ بِاللّٰهِ وَ صَدَّقَ وَ إِنِّي أَدْعُوكَ إِلٰى أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، يَبْقٰى لَكَ مُلْكُكَ»

(محمد رسول اللہ کی طرف سے حارث بن ابوشمر کی جانب)

”اس پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے اور اللہ پر ایمان لائے اور تصدیق کرے۔ میں تجھے دعوت دیتا ہوں کہ ”اللہ وحدہ لاشریک“ پر ایمان لا! تیرے لیے تیرا ملک باقی رہے گا۔“[2]

یہ خط آپ نے شجاع بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا۔ یہ اسدِ خزیمہ کی طرف منسوب

[1] زادالمعاد: 122/2. [2] زاد المعاد: 697/3. طبع مؤسسہ الرسالۃ.

ہیں۔ حارث نے یہ خط پڑھا تو اسے پھینک دیا اور کہا:

''کون ہے جو مجھ سے میرا ملک چھینے گا!''

پھر مسلمانوں سے جنگ کی تیاری کرنے لگا اور حضرت ابنِ وہب سے کہا: ''جو کچھ دیکھ رہے ہو اپنے صاحب کو اس کی خبر کر دینا۔''

اور قیصر سے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ کی اجازت چاہی مگر قیصر نے اس کو اس عزم سے باز رکھا۔ اس کے بعد اس نے شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ کو کپڑے اور مال سے نوازا اور اچھائی کے ساتھ واپس کیا۔ [1]

ہوذہ بن علی، صاحب یمامہ کے نام خط نبی ﷺ نے اس کی طرف یہ خط لکھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

«مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُولِ اللّٰهِ إِلٰى هَوْذَةَ بْنِ عَلِيٍّ:

سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى، وَاعْلَمْ أَنَّ دِينِي سَيَظْهَرُ إِلٰى مُنْتَهَى الْخُفِّ وَالْحَافِرِ، فَأَسْلِمْ تَسْلَمْ وَ أَجْعَلُ لَكَ مَا تَحْتَ يَدَيْكَ»

(محمد رسول اللہ کی طرف سے ہوذہ بن علی کی جانب)

''اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے۔ تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ میرا دین اونٹوں اور گھوڑوں کی رسائی کی آخری حد تک غالب آ کر رہے گا، لہٰذا اسلام لاؤ، سالم رہو گے اور تمھارے ماتحت جو کچھ ہے اسے تمھارے لیے برقرار رکھوں گا۔'' [2]

یہ خط آپ نے سلیط بن عمرو عامری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا۔ ہوذہ نے ان کی عزت کی، انھیں انعام سے نوازا، ہجر کے کپڑے دیے اور جواب میں لکھا:

''آپ جس چیز کی دعوت دیتے ہیں اس کی بہتری اور عمدگی کا کیا پوچھنا اور میں اپنی قوم کا شاعر اور خطیب ہوں اور عرب پر میری ہیبت بیٹھی ہوئی ہے، اس لیے کچھ کارپردازی

[1] زادالمعاد: 63/3، و تاریخ الخضري: 146/1. [2] زاد المعاد: 696/3 طبع مؤسسة الرسالة.

میرے ذمے کر دیں۔ میں آپ کی پیروی کروں گا۔“

یہ خط رسول اللہ ﷺ کو ملا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَوْ سَأَلَنِي قِطْعَةً مِّنَ الْأَرْضِ مَا فَعَلْتُ، بَادَ وَ بَادَ مَا فِي يَدَيْهِ»

”اگر وہ مجھ سے زمین کا ایک ٹکڑا بھی مانگے گا تو اسے نہ دوں گا۔ وہ خود بھی تباہ ہوگا اور جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے وہ بھی تباہ ہوگا۔“

جب رسول اللہ ﷺ فتح مکہ سے واپس تشریف لائے تو اس کا انتقال ہو چکا تھا۔[1]

مُنذِر بن ساوئی حاکم بحرین کے نام خط اس خط میں آپ ﷺ نے منذر کو اسلام کی دعوت دی اور مکتوب علاء بن الحَضرَمی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا۔ منذر مسلمان ہو گیا۔ کچھ اہلِ بحرین بھی مسلمان ہو گئے۔ جبکہ کچھ دوسرے اپنے دین یہودیت اور مجوسیت پر برقرار رہے۔ منذر نے رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر لکھی اور اس کے بارے میں سوال کیا۔ آپ ﷺ نے اسے لکھا:

«مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُولِ اللّٰهِ إِلَى الْمُنْذِرِ بْنِ سَاوٰى سَلَامٌ عَلَيْكَ:

فَاتْرُكْ لِلْمُسْلِمِينَ، مَا أَسْلَمُوا عَلَيْهِ، وَ عَفَوْتُ عَنْ أَهْلِ الذُّنُوبِ، فَاقْبَلْ مِنْهُمْ، وَ إِنَّكَ مَهْمَا تَصْلُحُ فَلَنْ نَّعْزِلَكَ عَنْ عَمَلِكَ، وَ مَنْ أَقَامَ عَلٰى يَهُودِيَّةٍ أَوْ مَجُوسِيَّةٍ فَعَلَيْهِ الْجِزْيَةُ»

”مسلمان جس حال پر ایمان لائے ہیں، انھیں اسی حال پر چھوڑ دو اور یہود اور مجوس سے جزیہ لو اور تم جب تک درست راہ پر رہو گے، ہم تمھیں تمھارے عہدے سے معزول نہ کریں گے۔“[2]

شاہان عمان جیفر اور اس کے بھائی کے نام خط ان کے نام نبی ﷺ کا خط یہ تھا:

[1] زادالمعاد: 63/3. [2] زادالمعاد: 62,61/3.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

«مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُولِ اللّٰهِ إِلٰى جَيْفَرٍ وَ عَبْدِ ابْنَيِ الْجُلَنْدٰى، سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى:

أَمَّا بَعْدُ: فَإِنِّي أَدْعُوكُمَا بِدِعَايَةِ الْإِسْلَامِ، أَسْلِمَا تَسْلَمَا، فَإِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً، لِأُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّ يَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ، فَإِنَّكُمَا إِنْ أَقْرَرْتُمَا بِالْإِسْلَامِ وَلَّيْتُكُمَا وَ إِنْ أَبَيْتُمَا أَنْ تُقِرَّا بِالْإِسْلَامِ فَإِنَّ مُلْكَكُمَا زَائِلٌ عَنْكُمَا، وَ خَيْلِي تَحُلُّ بِسَاحَتِكُمَا، وَ تَظْهَرُ نُبُوَّتِي عَلٰى مُلْكِكُمَا»

(محمد رسول اللہ کی جانب سے جلنڈی کے دونوں صاحبزادوں جیفر اور عبد کے نام) ''اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے، اما بعد! میں تم دونوں کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اسلام لاؤ، سالم رہو گے کیونکہ میں تمام انسانوں کی جانب اللہ کا رسول ہوں تاکہ جو زندہ ہے اسے انجام کے خطرے سے آگاہ کردوں اور کافروں پر سچی بات واضح ہو جائے۔ اگر تم دونوں اسلام کا اقرار کرلو گے تو تم دونوں ہی کو والی اور حاکم بناؤں گا اور اگر تم دونوں نے اسلام کا اقرار کرنے سے گریز کیا تو تمھاری بادشاہت ختم ہو جائے گی۔ تمھاری زمین پر گھوڑوں کی یلغار ہو گی اور تمھاری بادشاہت پر میری نبوت غالب آجائے گی۔''[1]

یہ خط آپ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا۔ آپ جب عمان تشریف لے گئے تو عبد بن جلنڈی سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ عبد نے پوچھا ''تم کس کی دعوت دیتے ہو؟''

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ہم اللہ کی طرف بلاتے ہیں، جو تنہا ہے جس کا کوئی شریک

① زاد المعاد: 92/3. طبع مؤسسة الرسالة .

نہیں اور ہم کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ جس کی پوجا کی جاتی ہے اسے چھوڑ دو اور یہ گواہی دو کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔"

پھر قدرے گفتگو کے بعد عبد نے پوچھا "آپ ﷺ کس بات کا حکم دیتے ہیں؟

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: "آپ ﷺ اللہ کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں اور نافرمانی سے روکتے ہیں۔ نیکی اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں، ظلم وزیادتی، زنا کاری وشراب نوشی اور پتھر، بت اور صلیب کی عبادت سے منع کرتے ہیں۔"

عبد نے کہا: "یہ کتنی اچھی بات ہے جس کی طرف وہ بلاتے ہیں، اگر میرا بھائی بھی اس بات پر میری پیروی کرتا تو ہم لوگ سوار ہو کر چل پڑتے یہاں تک کہ محمد ﷺ پر ایمان لاتے اور ان کی تصدیق کرتے لیکن میرا بھائی اپنی بادشاہت کا اس سے کہیں زیادہ حریص ہے کہ اسے چھوڑ کر کسی کا تابع فرمان بن جائے۔"

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: "اگر تمھارا بھائی اسلام قبول کر لے تو رسول اللہ ﷺ اس کی قوم پر اس کی بادشاہت برقرار رکھیں گے، البتہ ان کے مالداروں سے صدقہ لے کر فقیروں میں بانٹیں گے۔"

عبد نے کہا: "یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔" پھر پوچھا کہ "صدقہ کیا ہے؟"

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے تفصیل بتائی، جب مویشیوں کا ذکر کیا تو اس نے کہا: "میں نہیں سمجھتا کہ میری قوم اس کو مان لے گی۔"

پھر عبد نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو اپنے بھائی جیفر کے پاس پہنچایا، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے اس کو خط دیا۔ اس نے خط پڑھا، پھر اپنے بھائی کے حوالے کر دیا اور عمرو سے پوچھا کہ "قریش نے کیا کیا؟"

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ "وہ مسلمان ہو گئے ہیں"

اور یہ بھی کہا: "اگر وہ اسلام لائے تو سالم رہے گا ورنہ شہسوار اس کو روندیں گے اور اس کی ہریالی کا صفایا کر دیں گے۔"

جیفر نے کل تک کے لیے اپنا معاملہ مؤخر کر دیا۔ کل ہوئی تو قوت وطاقت کا مظاہرہ کیا لیکن پھر اپنے بھائی سے تنہائی میں مشورہ کیا اور اس کے دوسرے دن دونوں بھائی مسلمان ہو گئے اور حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کو صدقہ وصول کرنے کے لیے آزاد چھوڑ دیا اور جس کسی نے ان کی مخالفت کی وہ اس کے خلاف مددگار ثابت ہوئے۔[1]

عبد اور جیفر کے پاس یہ خط فتح مکہ کے بعد بھیجا گیا۔ جبکہ بقیہ خطوط، حدیبیہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کے بعد بھیجے گئے تھے۔

امیرِ بُصریٰ کے نام خط اس خط میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ''امیرِ بصریٰ'' کو اسلام کی دعوت دی اور یہ مکتوب حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں بھیجا۔ حضرت حارث جنوبی اردن میں علاقہ بلقاء کے ایک مقام مُوتہ پہنچے تو شرحبیل بن عمرو غسانی نے ان پر حملہ کیا اور ان کی گردن مار دی۔

قاصدوں کے سلسلے میں یہ سب سے سخت ظالمانہ قدم تھا۔ ان کے سوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قاصد قتل نہیں کیا گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سخت غم وغصے کا اظہار فرمایا اور یہی غزوۂ موتہ کا سبب بنا۔

غزوۂ غابہ یا غزوۂ ذی قَرَد (محرم 7 ہجری)

حدیبیہ کی صلح میں یہ بات طے ہوئی تھی کہ دس سال جنگ بند رہے گی۔ اس کی بدولت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جزیرۃ العرب میں اپنے سب سے بڑے دشمن قریش سے مطمئن ہو کر مکر و دغا، غداری و بدعہدی اور گروہوں کو بھڑکانے کے لحاظ سے سب سے گندے دشمن یہود سے حساب چکانے کے لیے فارغ ہو چکے تھے۔ یہود، خیبر اور اس کے شمال میں آباد تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف نکلنے کی تیاری فرما رہے تھے کہ ایک حادثہ پیش آ گیا، جسے ''غزوۂ غابہ'' کہتے ہیں۔

[1] زادالمعاد: 3/63,62.

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے اونٹ ''احد'' کے اطراف میں غابہ کے اندر چرنے کے لیے بھیج رکھے تھے۔ ساتھ میں آپ ﷺ کا غلام رباح، اونٹوں کا چرواہا اور سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت سلمہ کے ساتھ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا گھوڑا بھی تھا۔ اچانک عبدالرحمان بن عیینہ فزاری نے اونٹوں پر چھاپہ مارا اور چرواہے کو قتل کر کے سارے اونٹ ہانک لے گیا۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے اپنا گھوڑا رباح کو دیا کہ وہ جلدی سے مدینہ جا کر حادثے کی اطلاع دیں اور خود ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر مدینے کی طرف چہرہ کیا اور تین بار نہایت بلند آواز سے پکارا: «یَا صَبَاحَاہ» ''ہائے صبح کا حملہ!''

پھر حملہ آوروں کے پیچھے چل نکلے۔ وہ تیر برسا رہے تھے اور یہ رجز پڑھ رہے تھے:

خُذْهَا، أَنَا ابْنُ الْأَكْوَعِ
وَالْيَوْمُ يَوْمُ الرُّضَّعِ

''یہ لے! میں اکوع کا بیٹا ہوں اور آج کا دن کمینے کی ہلاکت کا دن ہے۔''

غرض وہ مسلسل تیر برساتے اور زخمی کرتے رہے۔ جب دشمن کا کوئی سوار پلٹ کر آتا تو وہ کسی درخت کی اوٹ میں بیٹھ جاتے اور تیر مارتے، پھر دشمن پہاڑ کے ایک تنگ راستے میں داخل ہوئے تو یہ پہاڑ کے اوپر چڑھ گئے اور اس پر پتھر لڑھکانے لگے۔ یوں اس کا پیچھا کیے رکھا، یہاں تک کہ اس نے سارے اونٹ چھوڑ دیے لیکن حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے پھر بھی اس کا پیچھا کیے رکھا اور اس کو تیر مارتے رہے، یہاں تک کہ بوجھ کم کرنے کے لیے اس نے تیس چادریں اور تیس نیزے پھینک دیے۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ ان پر (بطور نشان) تھوڑے پتھر ڈالتے گئے تاکہ انھیں پہچان لیا جائے۔

پھر وہ لوگ گھاٹی کے ایک تنگ موڑ پر بیٹھ گئے۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ بھی ایک چوٹی پر جا بیٹھے یہ دیکھ کر ان کے چار آدمی چڑھ کر حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کی طرف آئے۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

''تم جانتے ہو میں کون ہوں۔ میں سلمہ بن اَکْوَع ہوں۔ تم میں سے جس کسی کو

دوڑاؤں گا، بے دھڑک پالوں گا اور جو کوئی مجھے دوڑائے گا، ہرگز نہ پاسکے گا۔‘‘

یہ سن کر وہ سب واپس چلے گئے۔

کچھ دیر بعد حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سواروں کو دیکھا کہ وہ درختوں کے درمیان سے چلے آرہے تھے۔ آگے اخرم تھے، پھر ابوقتادہ، پھر مقداد رضی اللہ عنہم حضرت اخرم اور عبدالرحمن میں ٹکر ہوئی، اخرم نے عبدالرحمن کے گھوڑے کو زخمی کیا لیکن عبدالرحمن نے انھیں نیزہ مار کر قتل کر دیا اور ان کے گھوڑے پر پلٹ آیا مگر اتنے میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ عبد الرحمن کے سر پر جا پہنچے اور اسے نیزہ مار کر قتل کر دیا۔ دشمن کے باقی آدمی بھاگ کھڑے ہوئے اور انھیں ان سواروں نے جا کھدیڑا۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ پیدل دوڑ رہے تھے۔ سورج ڈوبنے سے کچھ پہلے دشمن ایک گھاٹی میں پہنچا، جس میں ’’ذی قرد‘‘ نام کا ایک چشمہ تھا۔ دشمن پیاسا تھا اور پانی پینا چاہتا تھا لیکن حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے تیر مار کر اسے پرے رکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور شہسوار صحابہ دن ڈوبنے کے بعد حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔ انھوں نے کہا: ’’یا رسول اللہ! یہ سب پیاسے تھے، اگر آپ مجھے سو آدمی دے دیں تو میں ان کے جانوروں سمیت ان کی گردنیں پکڑ لاؤں۔‘‘ آپ نے فرمایا:

«يَا ابْنَ الْأَكْوَعِ! مَلَكْتَ فَأَسْجِحْ»

’’اکوع کے صاحبزادے! تم قابو پا گئے۔ اب نرمی برتو۔‘‘

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «إِنَّهُمْ لَيُقْرَوْنَ الْآنَ فِي بَنِي غَطَفَانَ»

’’اس وقت بنوغطفان میں ان کی مہمان نوازی کی جارہی ہے۔‘‘

اس غزوے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کو پیدل اور سوار دونوں کے حصے دیے اور ’’عضباء‘‘ اونٹنی پر انھیں اپنے پیچھے بٹھایا اور فرمایا:

«كَانَ خَيْرَ فُرْسَانِنَا الْيَوْمَ أَبُو قَتَادَةَ، وَ خَيْرَ رَجَّالَتِنَا سَلَمَةُ»

’’آج ہمارے بہترین سوار ابوقتادہ اور بہترین پیادہ سلمہ ہیں۔‘‘

یہ غزوہ آپ ﷺ کی خیبر روانگی سے صرف تین روز پہلے پیش آیا۔ اس غزوے کے دوران میں آپ نے مدینے کا انتظام حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو سونپا اور پرچم حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو دیا۔[1]

غزوۂ خیبر (محرم 7 ہجری)

محرم 7 ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے خیبر کا قصد فرمایا۔ اس موقع پر ان لوگوں نے بھی اجازت چاہی، جو حدیبیہ میں پیچھے رہ گئے تھے۔ آپ ﷺ نے اعلان فرمایا:

''میرے ساتھ وہی آدمی روانہ ہو، جسے جہاد کی خواہش ہے۔ رہا مالِ غنیمت تو اس میں سے کچھ نہ ملے گا۔''

نتیجہ یہ ہوا کہ بیعت رضوان والے چودہ سو افراد کے سوا کوئی نہ نکلا۔

آپ ﷺ نے مدینے کا انتظام سباع بن عرفطہ غفاری رضی اللہ عنہ کو سونپا،[2] پھر خیبر جانے والے معروف کاروانی راستے پر چل پڑے۔ تقریباً آدھا راستہ طے کر لینے کے بعد آپ نے ایک دوسرا راستہ منتخب فرمایا، جو ملک شام کی جانب سے خیبر پہنچتا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ اس طرح یہودیوں کے ملک شام بھاگنے کا راستہ بند کر دیں۔

آپ نے آخری رات خیبر کے قریب گزاری مگر یہود بے خبر رہے، پھر صبح فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھی اور سوار ہو کر خیبر کی آبادی کا رخ کیا۔ ادھر یہود بے خبری میں اپنے پھاوڑے اور ٹوکریاں وغیرہ لے کر اپنی زمینوں میں نکلے تو اچانک لشکر دیکھ کر چیختے ہوئے بھاگے کہ ''واللہ! محمد ﷺ لشکر سمیت آگئے ہیں۔'' نبی ﷺ نے فرمایا:

«اَللّٰهُ أَكْبَرُ، خَرِبَتْ خَيْبَرُ، إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ

[1] صحيح البخاري، الجهاد، باب من رأى العدو فنادى بأعلى صوته، حديث:3041، وصحيح مسلم، الجهاد، باب غزوة ذي قرد وغيرها، حديث:1807،1806، و زادالمعاد: 2/120.
[2] زادالمعاد:2/133، و فتح الباري:7/465.

الْمُنْذَرِينَ»

''اللہ اکبر! خیبر تباہ ہوا۔ جب ہم کسی قوم کے میدان میں اتر پڑتے ہیں تو ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بری ہو جاتی ہے۔''[1]

خیبر مدینے سے 171 کلومیٹر شمال میں ہے۔ اس وقت اس کی آبادی تین حصوں میں بٹی ہوئی تھی: ایک نطاۃ دوسرے کتیبہ، تیسرے شق۔

''نطاۃ'' میں تین قلعے تھے: حصن ناعم، حصن صعب بن معاذ، حصن زبیر۔

''شق'' میں دو قلعے تھے۔ حصن ابی، حصن نزار۔

اور ''کتیبہ'' میں تین قلعے تھے۔ حصن قموص، حصن وطیح، حصن سلالم۔

ان کے علاوہ خیبر میں مزید قلعے اور گڑھیاں بھی تھیں مگر وہ چھوٹی تھیں اور قوت و حفاظت میں ان قلعوں کے ہم پلہ نہ تھیں۔

نطاۃ کی فتح رسول اللہ ﷺ نے ''نطاۃ'' کے قلعوں کے مشرق میں تیروں کی پہنچ سے دور پڑاؤ ڈالا اور ''حصن ناعم'' کے محاصرے سے جنگ کا آغاز کیا۔ یہ بہت محفوظ، بلند اور مشکل چڑھائی والا قلعہ تھا اور یہود کی پہلی دفاعی لائن کی حیثیت رکھتا تھا۔ اسی میں ان کا شہ زور بہادر مرحب بھی تھا، جو ہزار مرد کے برابر مانا جاتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ چند روز فریقین میں تیراندازی ہوئی، پھر رسول اللہ ﷺ نے فتح کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا:

«لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَ يُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ»

''کل میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا، جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور جس سے اللہ اور اس کے رسول محبت کرتے ہیں۔''

یہ سن کر انصار ومہاجرین سب نے اسی آرزو کے ساتھ رات گزاری کہ جھنڈا اسے دیا جائے، صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: «أَيْنَ عَلِيٌّ؟» ''علی کہاں ہیں؟''

[1] صحيح البخاري، الصلاة، باب ما يذكر في الفخذ، حديث:371 و4197، 4198.

صحابہ نے کہا: ”ان کی آنکھ دکھ رہی ہے۔“

آپ ﷺ نے انھیں بلا بھیجا اور وہ لائے گئے۔ آپ نے ان کی آنکھوں میں لعابِ دہن لگایا اور دعا فرمائی، وہ اس طرح شفایاب ہو گئے، گویا انھیں کوئی تکلیف تھی ہی نہیں، پھر انھیں جھنڈا دیا اور فرمایا: «اُدْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ قَبْلَ أَنْ تُقَاتِلَهُمْ»

”جنگ سے پہلے انھیں اسلام کی دعوت دو۔“ [1]

ادھر یہود نے اپنی عورتیں اور بچے ”شق“ کے قلعے میں منتقل کر دیے تھے اور اسی صبح طے کیا کہ کھلے میدان میں جنگ کریں گے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے پاس پہنچے تو انھیں جنگ کے لیے بالکل تیار پایا۔ آپ نے انھیں اسلام کی دعوت دی۔ انھوں نے صاف انکار کر دیا اور مرحب نے اپنی تلوار لے کر ناز و تکبر سے اٹھلاتے ہوئے دعوتِ مبارزت دی، وہ کہتا تھا:

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ أَنِّي مَرْحَبُ
شَاكِي السِّلَاحِ بَطَلٌ مُجَرَّبُ
إِذَا الْحُرُوبُ أَقْبَلَتْ تَلَهَّبُ

”خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں، ہتھیار پوش، بہادر اور تجربہ کار، جب جنگ و پیکار شعلہ زن ہو۔“

اس کے مقابل حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ نمودار ہوئے، وہ کہہ رہے تھے:

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ أَنِّي عَامِرُ
شَاكِي السِّلَاحِ بَطَلٌ مُغَامِرُ

”خیبر جانتا ہے کہ میں عامر ہوں، ہتھیار پوش، شہ زور اور جنگ جُو۔“

پھر دونوں نے ایک دوسرے پر وار کیا۔ مرحب کی تلوار حضرت عامر کی ڈھال میں پھنس

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة خيبر، حديث: 4210.

گئی اور حضرت عامر نے چاہا کہ اپنی تلوار سے یہودی کی پنڈلی کاٹ دیں مگر ان کی تلوار چھوٹی تھی۔ اس کی پنڈلی تک پہنچنے کے بجائے پلٹ کر حضرت عامر کے گھٹنے میں آ لگی اور بعد میں وہ اسی چوٹ سے انتقال کر گئے۔ نبی ﷺ نے ان کے متعلق فرمایا:

«إِنَّ لَهُ لَأَجْرَيْنِ ، إِنَّهُ لَجَاهِدٌ مُجَاهِدٌ قَلَّ عَرَبِيٌّ مَشٰى بِهَا مِثْلَهُ»

''ان کے لیے دوگنا اجر ہے، وہ بڑے جانباز مجاہد تھے، کم ہی ان جیسا کوئی عرب رُوئے زمین پر چلا ہوگا۔''

اب مرحب کے مدّ مقابل حضرت علی رضی اللہ عنہ نکلے، وہ یہ رَجز کہہ رہے تھے:

أَنَا الَّذِي سَمَّتْنِي أُمِّي حَيْدَرَهْ
كَلَيْثِ غَابَاتٍ كَرِيهِ الْمَنْظَرَهْ
أُوفِيهِمْ بِالصَّاعِ كَيْلَ السَّنْدَرَهْ

''میں وہ شخص ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر (شیر) رکھا ہے۔ جنگل کے شیر کی طرح خوفناک۔ میں انھیں صاع کے بدلے نیزے کی ناپ پوری کروں گا۔''

اس کے بعد مرحب کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔[1] پھر مرحب کے بھائی یاسر نے نکل کر دعوتِ مبارزت دی۔ اس کے مقابل زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نمودار ہوئے اور اسے اس کے بھائی کے پاس پہنچا دیا۔[2] اس کے بعد گھمسان کا رن پڑا اور کئی یہودی مارے گئے جس سے ان کے حوصلے ٹوٹ گئے اور وہ اپنے مورچے چھوڑ کر بھاگ نکلے، مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا اور قلعہ میں داخل ہو گئے۔ یہود نے بھاگ کر اس سے متصل ''حِصْنِ الصَّعْب'' میں مورچہ بندی کی۔ مسلمانوں کو ''حِصنِ ناعم'' میں بہت سا غلّہ، کھجور اور ہتھیار ہاتھ آئے۔

اس کے بعد مسلمانوں نے حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کی زیرِ قیادت ''حصن صعب'' کا

① صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة خيبر، حديث: 4196، وصحيح مسلم، الجهاد، باب غزوة ذي قرد وغيرها، حديث: 1807، باب غزوة خيبر: 122/2. ② سیرت ابن هشام: 332/2.

محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ تین دن جاری رہا۔ تیسرے روز رسول اللہ ﷺ نے فتح وغنیمت کی دعا کی، پھر مسلمانوں کو حملے کی دعوت دی۔ مسلمانوں نے شدت سے حملہ کیا۔ جنگ و مبارزت پیش آئی اور گھمسان کا رن پڑا جو یہود کی شکست پر ختم ہوا اور مسلمانوں نے سورج ڈوبنے سے پہلے قلعہ فتح کر لیا۔ یہاں غنیمت میں بہت سا غلہ ہاتھ آیا۔ اس قلعے میں سب سے زیادہ خوراک اور چربی تھی اور یہ مسلمانوں کے لیے سب سے زیادہ کار آمد قلعہ تھا۔ مسلمان اس سے پہلے سخت بھوک کا شکار تھے، چنانچہ بہت سے لوگوں نے گدھے ذبح کر دیے لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کا گوشت کھانے سے منع کر دیا، چنانچہ آپ ﷺ کے حکم سے ہانڈیاں، جو آگ پر چڑھی تھیں اور جن میں یہ گوشت پک رہا تھا، الٹ دی گئیں۔[1]

یہود نے یہاں سے بھاگ کر قلعۃ الزبیر میں پناہ لی اور وہاں قلعہ بند ہو گئے۔ یہ ''نطاۃ'' کا تیسرا اور آخری قلعہ تھا۔ مسلمانوں نے آگے بڑھ کر اس کا بھی محاصرہ کر لیا۔ چوتھے دن ایک یہودی نے آ کر پانی کی بعض نالیوں کی نشاندہی کر دی، جس سے یہود پانی لیا کرتے تھے، چنانچہ مسلمانوں نے یہ نالیاں کاٹ دیں۔ اس پر یہود نے باہر نکل کر سخت لڑائی کی۔ لیکن شکست کھا کر ''شق'' کی جانب پسپا ہو گئے۔ اور ''حصن ابي'' میں قلعہ بندی اختیار کر لی۔

شق کی فتح مسلمانوں نے پیچھا کر کے وہاں بھی ان کا محاصرہ کر لیا، چنانچہ وہ نہایت سخت لڑائی کے لیے تیار ہو کر نکلے۔ ان کے ایک بہادر نے نکل کر دعوتِ مبارزت دی اور مارا گیا، پھر دوسرا نکلا اور وہ بھی مارا گیا۔ اسے حضرت ابو دجانہ سماک بن خرشہ انصاری رضی اللہ عنہ نے قتل کیا اور اسے قتل کرتے ہی وہ تیزی سے قلعے میں گھسے اور ان کے ساتھ ہی مسلمان بھی گھس گئے۔ کچھ دیر قلعے کے اندر لڑائی ہوئی، پھر یہود نے راہِ فرار اختیار کی اور اس علاقے کے دوسرے اور آخری قلعے ''حصن نزار'' میں قلعہ بند ہو گئے۔ مسلمانوں کو ''حصن ابي'' میں بہت سا سامان، بھیڑ بکریاں اور غلہ ہاتھ آیا۔

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة خيبر، حديث:4220.

اس کے بعد مسلمانوں نے آگے بڑھ کر ''حِصنِ نزار'' کا محاصرہ کرلیا۔ مگر یہ پہاڑ کی چوٹی پر تھا۔ جہاں پہنچنے کی کوئی سبیل نہ تھی اور یہاں یہود نے اپنی حفاظت کا بڑا سخت انتظام کیا تھا۔ انھیں یقین تھا کہ اس میں مسلمان داخل نہیں ہو سکتے، اس لیے اس میں عورتوں اور بچوں سمیت قیام کیا۔ تیر اور پتھر برسا برسا کر سخت ترین جوابی کاروائی کی۔ جواب میں مسلمانوں نے منجنیق نصب کیا جس سے ان کے دلوں پر رعب چھا گیا اور وہ کوئی قابل ذکر سختی جھیلے بغیر ''کتیبہ'' کے علاقے کی طرف بھاگ نکلے، مسلمانوں نے اس قلعے میں تانبے اور مٹی کے برتن پائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اِغْسِلُوهَا وَاطْبَخُوا فِيهَا» ''انھیں دھولو اور ان میں پکاؤ۔''

کتیبہ کی فتح اس کے بعد مسلمان ''قلعۂ قموص'' کی طرف بڑھے۔ یہ کتیبہ کا پہلا قلعہ تھا۔ چودہ دن یا بیس دن تک اس کا محاصرہ جاری رکھا۔ اس کے بعد کہا جاتا ہے کہ یہود نے پناہ طلب کر لی [1] اور کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے بزورِ طاقت قلعہ فتح کیا۔ اور یہود باقی دو قلعے ''وطیح'' اور ''سلالم'' کی طرف بھاگے [2] لیکن جب مسلمانوں نے ان کے محاصرے کے لیے پیش قدمی کی تو یہود نے اس شرط پر امان طلب کر لی کہ وہ عورتوں اور بچوں سمیت خیبر کی سرزمین سے جلا وطن ہو جائیں گے۔ آپ ﷺ نے یہ شرط منظور فرمائی اور یہ بھی اجازت دے دی کہ سونے، چاندی، گھوڑے اور ہتھیار کے علاوہ وہ اپنی سواریوں پر جو کچھ اور جتنا کچھ لاد سکتے ہیں، لے جائیں [3] اور اگر کچھ چھپایا تو ذمہ ختم سمجھا جائے گا۔ اس کے بعد انھوں نے دونوں یا تینوں قلعے مسلمانوں کے حوالے کر دیے۔ مسلمانوں کو ایک سو زرہیں، چار سو تلواریں، ایک ہزار نیزے اور پانچ سو عربی کمانیں ہاتھ آئیں۔ تورات کے کچھ صحیفے بھی ملے لیکن یہ مانگنے والوں کو واپس دے دیے گئے۔

کِنانہ بن ابوالحقیق اور اس کے بھائی نے بدعہدی کی اور بہت سا سونا چاندی اور

[1] یہ واقدی کا قول ہے۔ [2] یہ ابنِ اسحاق کا قول ہے۔ [3] سنن أبي داود، الخراج، باب ما جاء في حكم أرض خيبر، حديث:3006.

جواہرات چھپا دیے، لہٰذا ان سے ذمہ ختم ہو گیا اور بدعہدی کی سزا میں ان دونوں کو قتل کر دیا گیا۔ حُیَیّ بن اخطب کی صاحبزادی حضرت صفیہ کنانہ کے نکاح میں تھیں۔ انھیں قیدیوں میں شامل کر لیا گیا۔①

فریقین کے مقتولین اس غزوے میں کل 93 یہودی مارے گئے اور مسلمان شہدا کی تعداد 15 یا 16 یا 18 تھی۔

مہاجرینِ حبشہ، ابوہریرہ اور ابان بن سعید رضی اللہ عنہم کی آمد: حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ جو نجاشی کے پاس رسول اللہ ﷺ کا خط لے کر گئے تھے، جب وہ مہاجرینِ حبشہ کو ساتھ لے کر واپس ہوئے تو ان میں سے ایک جماعت نے خیبر کا رخ کیا، جس میں جعفر بن ابوطالب اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے تو خیبر فتح ہو چکا تھا اور ابھی مالِ غنیمت تقسیم نہیں ہوا تھا۔ نبی ﷺ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو بوسہ دیا اور فرمایا:

«وَاللّٰهِ! مَا أَدْرِي بِأَيِّهِمَا أَفْرَحُ؟ بِفَتْحِ خَيْبَرَ أَمْ بِقُدُومِ جَعْفَرٍ؟»

''واللہ! میں نہیں جانتا کہ مجھے کس بات کی زیادہ خوشی ہے۔ خیبر کی فتح کی یا جعفر کی آمد کی؟''②

اور جب مالِ خیبر تقسیم فرمایا تو انھیں بھی مالِ غنیمت سے حصہ دیا۔③ باقی مہاجرین، حبشہ سے بچوں اور عورتوں سمیت سیدھے مدینہ تشریف لے آئے تھے۔④

فتح خیبر کے بعد آپ ﷺ کی خدمت میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی حاضر ہوئے۔ وہ آپ کے خیبر روانہ ہونے کے بعد مدینہ آ کر مسلمان ہوئے تھے، پھر اجازت لے کر خیبر روانہ ہو گئے تھے، رسول اللہ ﷺ نے انھیں بھی خیبر کی غنیمت میں سے حصہ دیا۔

① سیرت ابن هشام: 2/331,336,337- زادالمعاد: 2/136. ② المستدرك للحاكم: 3/211، و دلائل النبوة للبيهقي: 4/246، و زادالمعاد: 2/139. ③ صحيح البخاري، فرض الخمس، باب ومن الدليل على أن الخمس لنوائب المسلمين، حديث: 3136. ④ محاضرات خضرى: 1/28.

فتح خیبر کے بعد آپ ﷺ کی خدمت میں حضرت اَبان بن سعید رضی اللہ عنہ بھی حاضر ہوئے۔ وہ ایک ''سریہ'' لے کر نجد تشریف لے گئے تھے اور اپنی مہم پوری کر کے خیبر آ گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے مال غنیمت میں ان کا اور ان کے ساتھیوں کا حصہ نہ رکھا۔ ①

خیبر کی تقسیم جب یہود نے امان حاصل کر لی تو جلا وطنی سے پہلے ایک نئی تجویز پیش کی۔ انھوں نے کہا:

''اے محمد ﷺ! ہمیں اسی سرزمین میں رہنے دیں۔ ہم اس کی دیکھ بھال کریں گے کیونکہ ہمیں آپ لوگوں سے زیادہ اس کی معلومات ہیں اور پھل اور غلے کی جو پیداوار ہوگی اس کا آدھا آپ ہمیں دے دیا کریں گے۔''

آپ ﷺ نے اس شرط پر اسے منظور کر لیا کہ آپ جب چاہیں گے، انھیں خیبر سے جلا وطن کر دیں گے، چنانچہ اس شرط پر وہ مقیم رہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ...... جب انھوں نے شر اور خباثت کی راہ اختیار کر لی تھی...... انھیں جلا وطن کر دیا گیا۔ ②

پھر رسول اللہ ﷺ نے خیبر کو چھتیس حصوں میں تقسیم کیا۔ ہر حصہ ایک سو حصوں کا مجموعہ تھا۔ اس میں سے نصف، یعنی اٹھارہ حصے مسلمانوں کی اجتماعی ضروریات وحوادث کے لیے الگ کر لیے اور باقی نصف، یعنی اٹھارہ حصے اس طرح غازیوں میں تقسیم کیے کہ پیادہ کو ایک حصہ اور گھڑ سوار کو تین حصے دیے۔ ایک حصہ اس کا اپنا اور دو حصے اس کے گھوڑے کے۔ اس غزوے میں دو سو شہسوار تھے، ان کے چھ حصے ہوئے اور بارہ سو پیدل تھے۔ ان کے بارہ حصے ہوئے۔ ③

خیبر کھجور اور غلوں سے بھرا پڑا تھا، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جب خیبر فتح ہوا تو ہم نے کہا: ''اب ہمیں پیٹ بھر کر کھجور ملے گی ④ اور خیبر سے مدینہ واپس آ کر مہاجرین

① صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة خيبر، حديث 4238. ② صحيح البخاري، الحرث والمزارعة، باب إذا قال رب الأرض: أقرك ما أقرك الله، حديث: 2338. ③ زادالمعاد: 138,137/2. ④ صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة خيبر، حديث:4242.

نے انصار کو کھجوروں کے وہ درخت واپس کر دیے، جو انصار نے بطور امداد انھیں دے رکھے تھے۔“[1]

زہریلی بکری جب حالات پُر سکون ہوئے اور خوف جاتا رہا تو یہود اپنی خباثت پر پلٹ آئے اور انھوں نے نبی ﷺ کے قتل کی سازش کی، چنانچہ اپنے اکابر میں سے ایک شخص سلام بن مشکم کی بیوی کے ذریعے سے رسول اللہ ﷺ کو ایک زہر آلود بکری ہدیہ کی۔ اسے معلوم تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو بازو پسند ہے، لہٰذا اس نے بازو میں زیادہ زہر ڈالا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بکری کا ایک لقمہ لے کر چبایا، پھر اسے تھوک دیا اور فرمایا:

«إِنَّهَا شَاةٌ مَّسْمُومَةٌ» ”یہ زہر آلود بکری ہے۔“

پھر آپ ﷺ نے اس عورت اور یہود سے دریافت کیا تو انھوں نے اپنے جرم کا اقرار کیا اور کہا: ”ہم نے سوچا کہ اگر یہ بادشاہ ہے تو ہم اس سے راحت پا جائیں گے اور اگر نبی ہے تو اسے زہر نقصان نہ پہنچا سکے گا۔“

اس پر آپ ﷺ نے یہود اور اس عورت کو معاف کر دیا لیکن بعد میں بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہ اسی زہر کی وجہ سے انتقال کر گئے تو آپ ﷺ نے عورت کو قصاص میں قتل کرا دیا۔[2]

اہلِ فدک کی سپردگی فدک، خیبر کے مشرق میں دو دن کے فاصلے پر ایک بستی تھی۔ جو آج کل ”حائل“ کے علاقے میں ”حائط“ کے نام سے معروف ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خیبر پہنچ کر محیصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ”یہودِ فدک“ کے پاس بھیجا کہ انھیں اسلام کی دعوت دیں مگر انھوں نے تاخیر کی لیکن جب خیبر کی فتح کا حال سنا تو ان پر رعب طاری ہو گیا اور انھوں نے پیغام دیا کہ ان کے ساتھ بھی اہل خیبر جیسا معاملہ کیا جائے۔ نبی ﷺ نے اسے منظور فرما لیا،

[1] صحیح البخاري، الهبة، باب فضل المنيحة، حديث:2630، وسیرت ابن ہشام:2/338,337، وزادالمعاد: 2/140,139. [2] صحیح البخاري، كتاب الجزية والموادعة، باب إذا غدر المشركون ......، حديث:3169.

چنانچہ فدک کی زمین صرف نبی ﷺ کے لیے مخصوص تھی۔ اس میں سے آپ اپنے اوپر خرچ فرماتے تھے۔ بنو ہاشم کے بچوں کی عیالداری کرتے تھے اور ان میں سے غیر شادی شدہ ضرورت مندوں کی شادی فرماتے تھے۔[1]

وادی القُریٰ رسول اللہ ﷺ خیبر کے بعد ''وادی القُریٰ'' تشریف لے گئے اور وہاں کے باشندوں کو جو یہودی تھے، اسلام کی دعوت دی مگر انھوں نے نہ اسلام قبول کیا، نہ آپ کے تابع فرمان ہوئے بلکہ جنگ کے لیے نکل آئے۔ ان کا ایک آدمی میدان میں آیا، اسے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا، پھر دوسرا آیا، اسے بھی انھوں نے قتل کیا، پھر تیسرا آیا، اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ اس طرح ان کے گیارہ آدمی قتل ہوئے۔ جب بھی کوئی مارا جاتا تو آپ ﷺ باقی یہود کو اسلام کی دعوت دیتے اور جب بھی کوئی نماز پڑھتے تو انھیں اسلام کی دعوت دیتے۔ غرض اسی طرح شام ہو گئی۔ دوسرے دن صبح آپ پھر تشریف لے گئے لیکن سورج ابھی نیزہ برابر بھی بلند نہ ہوا تھا کہ یہود شکست کھا گئے اور مسلمانوں نے بہت سا مالِ غنیمت حاصل کیا، پھر یہود نے گزارش کی کہ ان کے ساتھ بھی اہل خیبر جیسا معاملہ کیا جائے۔ آپ ﷺ نے منظور فرما لیا۔ اور ان کے لیے یہ بات تحریر فرما دی۔[2]

اہل تیماء کی مصالحت ''تیماء'' کے یہود کو خیبر، فدک اور وادی القُریٰ کی خبریں موصول ہوئیں تو انھوں نے جزیے کی ادائی پر مصالحت کر لی اور اپنے علاقے میں امن کے ساتھ برقرار رہے۔[3]

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے شادی حضرت صفیہ بنت حُیَیّ بن اخطب کو جب قیدیوں میں شامل کیا گیا تو انھیں رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ نے لے لیا لیکن صحابہ نے آ کر رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ وہ صرف آپ ﷺ کے شایان شان ہیں۔ وہ قریظہ اور نضیر کی سردار ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں بلا کر ان پر اسلام پیش کیا،

[1] سیرت ابن ہشام: 2/337-353. [2] زادالمعاد: 2/146,147، و طبقات ابن سعد: 1/279.
[3] زادالمعاد: 2/147.

انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اس پر آپ نے انھیں آزاد کر کے ان سے شادی کر لی اور ان کی آزادی ہی کو مہر قرار دیا اور انھیں بعض عورتوں کے حوالے کر دیا۔

جب خیبر اور وادی القریٰ فتح ہو گئے، فدک اور تیماء کے باشندوں نے اطاعت قبول کر لی اور آپ ﷺ نے مدینہ واپسی کی راہ لی تو ''وادیٔ صہباء'' میں پہنچ کر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حلال ہو گئیں، چنانچہ انھیں آپ کے پاس رخصت کر دیا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے دولہا کی حیثیت سے ان کے ہمراہ صبح کی اور کھجور، پنیر اور گھی پر مشتمل ولیمہ کھلایا اور تین روز شب ہائے عروسی کے طور پر ان کے ساتھ قیام فرمایا، پھر روانہ ہو گئے۔[1] اور صفر 7 ہجری کے آخر یا ربیع الاول 7 ہجری کے اوائل میں مدینہ تشریف لائے۔

غزوۂ ذات الرّقاع (جمادی الاولیٰ 7 ہجری)

خیبر سے مدینہ آ کر رسول اللہ ﷺ مطمئن ہو چکے تو سنا کہ بنوانمار، ثعلبہ اور مُحارب کے بدو اکٹھے ہو رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے مدینے کا انتظام حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو سونپا اور سات سو صحابہ کی معیت میں مدینے سے دو دن کے فاصلے پر واقع مقام ''نخل'' کا رخ کیا۔ وہاں بنوغطفان کی ایک جمعیت سے آمنا سامنا ہوا، دونوں فریق ایک دوسرے کے قریب آئے اور بعض نے بعض کو خوف زدہ کیا لیکن جنگ نہیں ہوئی۔ نماز کی اقامت کہی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے صلاۃِ خوف پڑھائی[2] یعنی ایک گروہ کو دو رکعت نماز پڑھائی، پھر وہ لوگ پیچھے چلے گئے تو دوسرے گروہ کو دو رکعت نماز پڑھائی، اس طرح آپ ﷺ کی چار رکعت نماز ہوئی اور لشکر کی دو دو رکعت۔ یہی صلاۃِ خوف ہے اور اس کی اور بھی صورتیں ہیں جو احادیث میں مروی ہیں۔[3]

[1] صحيح البخاري، الصلاة، ما يذكر في الفخذ، حديث:371. [2] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة ذات الرقاع، حديث:4125. [3] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة ذات الرقاع، حديث:4131 و4127 و4129 و4131 و4133، و صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الخوف، حديث:740.

پھر اللہ نے دشمن کے دل میں رعب ڈال دیا۔ اس کی جمیعت پراگندہ ہوگئی۔ اور رسول اللہ ﷺ مدینہ واپس آ گئے۔

اس غزوے کا نام اس لیے ''ذات الرقاع'' پڑ گیا کہ مسلمانوں کے قدم پیدل چلنے کی وجہ سے زخمی ہو گئے تھے اور انھوں نے ان پر چیتھڑے لپیٹ لیے تھے۔[1] چیتھڑوں کو عربی میں ''رِقاع'' کہتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ اس کی زمین اور پہاڑ مختلف رنگ کے تھے، گویا وہ ''رقاع'' یعنی پیوند تھے۔ کہا جاتا ہے کہ غزوے کی جگہ کا نام ہی یہی ہے۔

تمھیں مجھ سے کون بچائے گا؟ اس غزوے میں سب سے دلچسپ بات یہ پیش آئی کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ایک سایہ دار درخت کے نیچے پڑاؤ ڈالا اور اس پر اپنی تلوار لٹکا کر سو گئے۔ بقیہ لوگ مختلف درختوں کے نیچے جا کر سو گئے۔ ایک مشرک نے آ کر رسول اللہ ﷺ کی تلوار سونت لی۔ آپ بے خبر سو رہے تھے مگر اتنے میں آپ جاگ گئے تو مشرک کو شمشیر بدست پایا۔

اس نے کہا: ''تم مجھ سے ڈرتے ہو؟''

آپ ﷺ نے فرمایا: «لَا» ''نہیں''

اس نے کہا: ''تو تم کو مجھ سے کون بچائے گا؟''

آپ ﷺ نے فرمایا: «اَللّٰهُ!»

''یہ سن کر تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ وہ تلوار رسول اللہ ﷺ نے اٹھا لی اور فرمایا:

«مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّي؟» ''اب تم کو مجھ سے کون بچائے گا؟''

اس نے کہا: ''آپ اچھے پکڑنے والے ہیں'' (یعنی احسان کیجیے)

آپ ﷺ نے اُسے اسلام کی دعوت دی۔ وہ مسلمان تو نہ ہوا لیکن یہ عہد کیا کہ وہ آپ سے لڑائی کرے گا، نہ لڑنے والوں کے ساتھ ہوگا۔ آپ نے اس کی راہ چھوڑ دی۔ اس نے

[1] صحیح البخاري، المغازي، باب غزوة ذات الرقاع، حدیث: 4128، و صحیح مسلم، الجهاد، باب غزوة ذات الرقاع، حدیث: 1816.

اپنی قوم میں واپس جا کر کہا: ''میں سب سے اچھے انسان سے ملاقات کر کے تمھارے پاس آیا ہوں۔''[1]

عام اہلِ مغازی کہتے ہیں کہ یہ غزوہ 4 ہجری میں پیش آیا،[2] مگر صحیح یہ ہے کہ یہ 7 ہجری میں غزوۂ خیبر کے بعد پیش آیا کیونکہ ابوہریرہ اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما اس غزوے میں موجود تھے اور یہ دونوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غزوۂ خیبر کے بعد آئے تھے۔

اس غزوے سے پہلے اور اس کے بعد راستوں کے امن، دہشت گردوں کی سرکوبی اور (تخریبی) مجمعوں کو منتشر کرنے کے لیے متعدد ''سرایا'' روانہ کیے گئے۔ لیکن طوالت سے بچنے کے لیے ان کا ذکر موقوف کیا جاتا ہے۔

عمرۂ قضا (ذی قعدہ 7 ہجری)

ذی قعدہ 7 ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ عمرہ ادا کرنے روانہ ہوئے، جس پر حدیبیہ کی صلح میں اتفاق ہوا تھا، چنانچہ مدینے کا انتظام حضرت ابورہم غفاری رضی اللہ عنہ کو سونپا، قربانی کے ساٹھ اونٹ ساتھ لیے اور ان پر ناجیہ بن جندب اسلمی رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ ایک سو گھوڑے بھی ہمراہ تھے جن کی نگرانی پر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔

پھر ذوالحلیفہ پہنچ کر احرام باندھا اور لبیک کہا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی آپ کے ساتھ لبیک کہا، پھر اپنا سفر جاری رکھا۔ جب ''وادیٔ یاجج'' پہنچے تو سارے ہتھیار رکھ دیے اور ان کی حفاظت کے لیے حضرت اوس بن خولی انصاری رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں دو سو آدمی وہیں چھوڑ دیے۔ صرف سوار کا ہتھیار، یعنی میان میں رکھی ہوئی تلواریں[3] لے کر ''کداء'' کے راستے سے جو ''حجون'' پر نکلتا ہے، مکے میں داخل ہوئے۔[4] اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی قصواء پر

[1] صحيح البخاري، الجهاد، باب من علق سيفه بالشجر في السفر عند القائلة، حديث:2910.
[2] سيرت ابن هشام: 2/203-209، وزادالمعاد: 2/110-112، وفتح الباري: 7/417-428.
[3] فتح الباري:7/500، وزادالمعاد: 2/151. [4] صحيح البخاري، الحج، باب من أين يدخل ◄◄

سوار تھے اور صحابۂ کرام تلواریں حمائل کیے آپ کو گھیرے میں لیے ہوئے تھے۔ آپ بھی لبیک پکار رہے تھے اور وہ بھی لبیک پکار رہے تھے، اس طرح آپ ﷺ مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ چھڑی سے حجرِ اسود کو چھوا، پھر سواری ہی پر طواف کیا۔[1] مسلمانوں نے بھی طواف کیا۔ وہ قوت وجوانمردی کی شان کے مطابق داہنے کندھے کھولے خانہ کعبہ کے گرد دوڑ رہے تھے اور عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے آگے آگے تلوار حمائل کیے ہوئے یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

خَلُّوا بَنِي الْكُفَّارِ عَنْ سَبِيلِهِ
خَلُّوا، فَكُلُّ الْخَيْرِ فِي رَسُولِهِ
اَلْيَوْمَ نَضْرِبُكُمْ عَلٰى تَأْوِيلِهِ
كَمَا ضَرَبْنَاكُمْ عَلٰى تَنْزِيلِهِ
ضَرْبًا يُزِيلُ الْهَامَ عَنْ مَقِيلِهِ
وَيُذْهِلُ الْخَلِيلَ عَنْ خَلِيلِهِ

”کفار کے پوتو! ان کا راستہ چھوڑ دو۔ راستہ چھوڑ دو کہ ساری بھلائی اللہ کے پیغمبر ہی میں ہے۔ آج ہم اس کی تاویل پر تمھیں ماریں گے، جیسے اس کی تنزیل پر تمھیں مار چکے ہیں اور مار بھی ایسی ماریں گے کہ کھوپڑی اپنی جگہ سے چھٹک جائے گی اور دوست کو دوست سے بے خبر کر دے گی۔“[2]

مشرکین کعبہ کے شمال میں ”قُعَیْقِعَان“ پہاڑ پر بیٹھے تھے۔ انھوں نے آپس میں باتیں کرتے ہوئے کہا:

”تمھارے پاس ایک ایسی جماعت آ رہی ہے، جسے یثرب کے بخار نے توڑ ڈالا ہے۔“

« مكة، حديث: 1575. [1] صحيح البخاري، الحج، باب من يدخل الكعبة، حديث: 1600.
[2] جامع الترمذي، أبواب الاستيذان، باب إنشاد الشعر، حديث: 2847.

لیکن جب مسلمانوں کو دیکھا کہ دوڑ رہے ہیں تو کہنے لگے کہ یہ تو طاقتور لوگوں سے بھی زیادہ تگڑے ہیں۔ درحقیقت رسول اللہ ﷺ نے انھیں حکم دیا تھا کہ پہلے تین چکروں میں دوڑ لگائیں تاکہ مشرکین کو اپنی قوت دکھلائیں، البتہ رکنِ یمانی اور حجرِ اسود کے درمیان نہ دوڑیں، [1] کیونکہ یہ حصہ جنوب میں تھا جسے مشرکین دیکھ نہیں رہے تھے۔

طواف سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے صفا مروہ کی ''سعی'' کی اور ان کے سات پھیرے لگا کر [2] مروہ کے پاس قربانی کے جانور ذبح کیے اور وہیں اپنا سر منڈوایا۔ مسلمانوں نے بھی یہی کیا۔ اس کے بعد کچھ لوگوں کو ''یاجج'' بھیج دیا کہ وہ ہتھیاروں کی حفاظت کریں اور جو لوگ حفاظت پر مامور تھے وہ آکر اپنا عمرہ ادا کرلیں۔

مکے میں آپ ﷺ نے تین روز قیام فرمایا اور اس دوران میں حضرت میمونہ بنت الحارث ہلالیہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ [3] وہ سید الشہداء حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی بیوی اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں۔ انھیں شادی کا پیغام ملا تو انھوں نے اپنا معاملہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو سونپ دیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے ان کی شادی کرا دی۔ اس وقت نبی ﷺ ''حلال'' تھے کیونکہ مکہ میں داخل ہو کر سب سے پہلے آپ ﷺ نے عمرہ کیا، پھر ''حلال'' ہوئے تو حلال ہی باقی رہے۔

چوتھے دن صبح رسول اللہ ﷺ نے مکہ چھوڑ کر مدینے کی راہ لی۔ [4] مکے سے نو میل دور مقام ''سَرِف'' پہنچے تو پڑاؤ ڈال کر قیام فرمایا اور وہیں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی عمل میں آئی اور وہ آپ کی خدمت میں آگئیں، پھر اللہ نے آپ کے خواب کی جو تصدیق فرمائی تھی اور اپنے گھر کے طواف کا جو شرف بخشا تھا، اس پر خوش خوش مدینہ واپس تشریف لائے۔ [5]

اللہ کی تقدیر کا یہ پہلو بھی عجیب ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی وفات بھی مقام ''سرف'' ہی

[1] صحيح البخاري، الحج، باب كيف كان بدء الرمل، حديث: 1602. [2] صحيح البخاري، المغازي، باب عمرة القضاء، حديث: 4257. [3] صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب تزويج المحرم، حديث: 1837. [4] صحيح البخاري، المغازي، باب عمرة القضاء، حديث: 4251.
[5] زاد المعاد: 2/252,251.

میں ہوئی اور وہیں انھیں سپرد خاک کیا گیا۔[1]

عمرۂ قضا سے واپس آ کر رسول اللہ ﷺ نے مختلف جہات میں چند ''سرایا'' روانہ فرمائے، ان میں سے سب سے زیادہ اہمیت سریۂ مُوتہ کو حاصل ہے، پھر سریۂ ذات السلاسل کو۔

معرکۂ مُوتہ (جمادی الاولیٰ 8 ہجری)

امرا اور بادشاہوں کو رسول اللہ ﷺ نے جو خطوط لکھے تھے، ان کے ذکر میں یہ بات گزر چکی ہے کہ شرحبیل بن عمرو غسانی نے حضرت حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کو، جو رسول اللہ ﷺ کا خط لے کر امیر بصریٰ کے پاس گئے تھے، قتل کر دیا تھا۔ یہ حرکت اعلانِ جنگ کے مترادف تھی، اس لیے جب رسول اللہ ﷺ کو اس واقعے کی اطلاع ہوئی تو آپ پر یہ بات سخت گراں گزری، چنانچہ آپ ﷺ نے تین ہزار افراد[2] کا ایک لشکر تیار کر کے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اس کا سپہ سالار مقرر کیا اور فرمایا:

«إِنْ قُتِلَ زَيْدٌ فَجَعْفَرٌ، وَّ إِنْ قُتِلَ جَعْفَرٌ فَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَوَاحَةَ»

''اگر زید قتل کر دیے جائیں تو جعفر اور جعفر قتل کر دیے جائیں تو عبداللہ بن رواحہ امیر ہوں گے۔''[3]

اس لشکر کے لیے آپ ﷺ نے سفید پرچم باندھا اور اسے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا اور وصیت فرمائی کہ جہاں حضرت حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ قتل کیے گئے تھے، وہاں پہنچ کر اس مقام کے باشندوں کو اسلام کی دعوت دیں اور اگر وہ انکار کریں تو لڑائی کریں۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

«اُغْزُوا بِاسْمِ اللّٰهِ، فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، قَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ، لَا تَغْدِرُوا، وَلَا تَغُلُّوا، وَلَا تَقْتُلُوا وَلِيدًا، وَّلَا امْرَأَةً، وَّلَا شَيْخًا فَانِيًا، وَلَا مُنْعَزِلًا

[1] صحيح البخاري، النكاح، باب كثرة النساء، حديث: 5067. [2] زادالمعاد: 155/2، وفتح الباري: 511/7. [3] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة موتة، حديث: 4261.

بِصَوْمَعَةٍ، وَلَا تَقْطَعُوا نَخْلًا، وَلَا شَجَرَةً، وَلَا تَهْدِمُوا بِنَاءً»

''اللہ کے نام سے، اللہ کی راہ میں، اللہ کے ساتھ کفر کرنے والوں سے غزوہ کرو اور دیکھو! بدعہدی نہ کرنا، خیانت نہ کرنا، کسی بچے، عورت اور قریب المرگ بڈھے کو اور گرجے میں رہنے والے تارک الدنیا کو قتل نہ کرنا، کھجور اور کوئی درخت نہ کاٹنا اور نہ کسی عمارت کو منہدم کرنا۔''[1]

آپ ''ثنیۃ الوداع'' تک لشکر کے ساتھ تشریف لے گئے، پھر اسے الوداع کہا۔[2] اس لشکر نے جنوبی اُرْدُن پہنچ کر معان کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ وہاں اسے معلوم ہوا کہ ہرقل ایک لاکھ کا لشکر لے کر ''مآب'' میں خیمہ زن ہے اور اس کے ساتھ مزید ایک لاکھ نصرانی عرب بھی شامل ہو گئے ہیں۔ اس اطلاع پر مسلمانوں نے دو رات مشورہ کیا کہ آیا رسول اللہ ﷺ کو لکھ کر آپ سے کمک طلب کریں یا جنگ میں کود پڑیں۔ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر انھیں گرما دیا کہ ''اب آپ لوگ جس بات سے کترا رہے ہیں، یعنی شہادت، یہ وہی چیز ہے، جس کی طلب میں ہم نکلے ہیں۔'' انھوں نے کہا:

''ہم تعداد اور قوت وکثرت کے بل پر نہیں لڑتے بلکہ ہماری لڑائی اس دین کے بل بوتے پر ہے جس سے اللہ نے ہمیں نوازا ہے۔ ہمارے سامنے دو خوبیاں ہیں، غلبہ یا شہادت۔''

لوگوں نے کہا: ''واللہ! ابنِ رواحہ سچ کہتے ہیں۔''

چنانچہ اُنھوں نے آگے بڑھ کر ''مُوتہ'' میں پڑاؤ ڈال دیا، پھر وہیں لشکر کو ترتیب دیا اور لڑائی کے لیے تیار ہو گئے۔[3]

[1] مختصر السیرۃ، ص: 327، واقعے کی تعیین کے بغیر یہ حدیث: صحیح مسلم، الجهاد، باب تأمیر الإمام الأمراء علی......، حدیث: 1731، و سنن أبي داود، الجهاد، باب في دعاء المشرکین، حدیث: 2614,2631، و جامع الترمذي، الدیات، باب ما جاء في النهي عن المثلة، حدیث: 1408، و حدیث: 1617، و سنن ابن ماجه، الجهاد، باب وصیة الإمام، حدیث: 2858، وغیرہ میں بھی مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ [2] زادالمعاد: 2/156. [3] سیرت ابن ہشام: 2/374,373.

اب کیا تھا، ایک خوفناک اور سنگین معرکہ شروع ہو گیا، جو تاریخِ انسانی کا عجیب ترین معرکہ تھا۔ تین ہزار جانباز، دو لاکھ کے لشکرِ جرار کا مقابلہ کر رہے تھے اور دو بدو ڈٹے ہوئے تھے۔ ہتھیاروں سے لیس یہ بھاری بھرکم لشکر دن بھر حملے کرتا اور اپنے بہت سے بہادر گنوا بیٹھتا تھا لیکن اس مختصر سی نفری کو پسپا کرنے میں کامیاب نہیں ہوتا تھا۔

مسلمانوں کا ''علم'' پہلے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے لیا، پھر وہ لڑتے رہے، یہاں تک کہ دشمن کے نیزوں میں گھس گئے اور خلعتِ شہادت سے مشرف ہو کر زمین پر آ رہے۔ ان کے بعد حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے ''علم'' سنبھالا اور خوب ڈٹ کر جنگ کی۔ جب لڑائی کی شدت شباب کو پہنچی تو اپنے سرخ و سیاہ گھوڑے کی پشت سے کود پڑے، کوچیں کاٹ دیں اور وار پر وار کیے، یہاں تک کہ ان کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ انھوں نے جھنڈا بائیں ہاتھ میں لے لیا اور بلند رکھا، یہاں تک کہ ان کا بایاں ہاتھ بھی کاٹ دیا گیا، پھر دونوں باقی ماندہ بازوؤں کی مدد سے جھنڈا آغوش میں لے لیا اور وہ فضا میں لہراتا رہا، یہاں تک کہ وہ نیزوں اور تیر کے نوے سے زیادہ زخم کھا کر خلعتِ شہادت سے سرفراز ہو گئے۔ یہ سارے زخم ان کے جسم کے اگلے حصے میں آئے تھے۔[1] ان کے بعد حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی باری تھی۔ انھوں نے جھنڈا لیا، آگے بڑھے، پھر اپنے مُعَمّہ نامی گھوڑے سے اتر کر لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

ان کی شہادت پر جھنڈا حضرت ثابت بن ارقم رضی اللہ عنہ نے تھام لیا تاکہ گرنے نہ پائے اور مسلمانوں سے کہا: ''کہ آپ لوگ کسی آدمی پر اتفاق کر لیں۔''

لوگوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پر اتفاق کر لیا اور اس طرح ''جھنڈا'' اللہ کی تلواروں میں سے ایک ''تلوار'' کی طرف منتقل ہو گیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر اتنی پُر زور اور بے نظیر جنگ کی کہ ان کے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹ گئیں، ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو مدینے میں اسی دن تینوں سپہ سالاروں کی شہادت کی خبر دی اور بتلایا کہ اب کمان خالد

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة موتة من أرض الشام، حديث: 4245,4244، وسیرت ابن هشام: 20/4، و زادالمعاد: 569/2.

بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آ گئی ہے اور انھیں اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار قرار دیا۔[1]

دن ختم ہوا تو دونوں فریق اپنے اپنے کیمپوں میں واپس چلے گئے۔ صبح ہوئی تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے لشکر کی ترتیب بدل دی، پیچھے کو آگے اور آگے کو پیچھے، دائیں کو بائیں اور بائیں کو دائیں کر دیا۔ دشمن سمجھا مسلمانوں کے پاس کمک آ گئی ہے، اس پر رعب چھا گیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ہلکی سی جھڑپ کے بعد لشکر کو پیچھے ہٹانا شروع کیا لیکن دشمن کو آگے بڑھنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اسے خطرہ تھا کہ یہ کوئی چال نہ ہو۔ اس طرح مسلمان ''مُوتہ'' کی طرف سمٹ آئے اور سات دن تک دشمن سے جھڑپ کرتے رہے، پھر دونوں فریق رک گئے اور لڑائی ختم ہو گئی کیونکہ رومیوں نے سمجھا کہ مسلسل کمک پہنچ رہی ہے اور وہ چال چل کر رومیوں کو صحرا میں گھسیٹ لے جانا چاہتے ہیں، جہاں سے بچ نکلنا آسان نہیں۔ اس طرح اس جنگ میں مسلمانوں کا پلڑا بھاری رہا۔[2]

اس غزوے میں بارہ مسلمان شہید ہوئے۔ دشمن خاصی تعداد میں مارے گئے مگر ان کی تعداد معلوم نہ ہو سکی۔

سریہ ''ذات السلاسل'' (جمادی الآخرۃ سنہ 8 ہجری) معرکہ ''موتہ'' میں شامی عربوں کا جو موقف تھا اس کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسے حکیمانہ اقدام کی ضرورت محسوس کی جو انھیں رومیوں کی مدد سے باز رکھ سکے، چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو تین سو صحابہ اور تیس گھوڑوں کے ساتھ روانہ کیا۔ چونکہ حضرت عمرو کی دادی، ان کے قبائل میں سے ایک قبیلہ بَلِی سے تعلق رکھتی تھیں، اس لیے مقصود یہ تھا کہ ان کی تالیفِ قلب کی جائے لیکن اگر وہ انکار کریں تو روم کی تائید میں کھڑے ہونے پر انھیں سبق سکھایا جائے۔ حضرت عمرو قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ انھوں نے بڑی فوج فراہم کر رکھی ہے، چنانچہ حضرت عمرو نے رسول اللہ ﷺ سے کمک طلب کی۔ آپ ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ

[1] صحیح البخاري، المغازي، باب غزوة موته من أرض الشام، حدیث:4262. [2] فتح الباري: 514,513/7، وزادالمعاد: 156/2.

کی قیادت میں دو سو سر برآوردہ مہاجرین وانصار کی کمک بھیجی لیکن امیرِ عام اور نماز کے امام حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ کمک آجانے کے بعد انھوں نے قُضاعہ کے علاقوں کو دور تک روندا۔ ایک لشکر سے سامنا ہوا لیکن جب مسلمانوں نے حملہ کیا تو وہ ادھر ادھر بھاگ کر بکھر گیا۔

سلاسل، وادی القُریٰ سے آگے ایک خطۂ زمین اور ایک چشمے کا نام ہے۔ اسی کی طرف یہ ''سریّہ'' منسوب ہے کیونکہ مسلمانوں نے یہیں پڑاؤ ڈالا تھا۔ یہ ''سریّہ'' جمادی الآخرہ سنہ 8 ہجری میں، یعنی غزوۂ موتہ کے ایک مہینے بعد بھیجا گیا۔[1]

غزوۂ فتح مکہ (رمضان 8 ہجری)

رمضان 8 ہجری میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مکۂ مکرمہ کی فتح کا شرف بخشا۔ یہ سب سے عظیم فتح تھی، جس سے اللہ نے اپنے دین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت بخشی، اپنے گھر اور اپنے شہر کو غلط ہاتھوں سے آزاد کیا۔ اس فتح پر آسمان والوں نے خوشی منائی اور کفار، اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوئے۔

اس کا سبب یہ ہوا کہ بنو بکر، حدیبیہ کے معاہدے میں قریش کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ ان کی بنو خزاعہ کے ساتھ دورِ جاہلیت سے خونریزی اور کشاکش چلی آرہی تھی جس کی آگ اسلام کی آمد آمد کے سبب وقتی طور پر بجھ گئی تھی۔ جب حدیبیہ کی صلح ہو چکی تو بنو بکر نے اسے غنیمت جانا اور موقع پا کر شعبان 8 ہجری میں رات کے وقت بنو خزاعہ پر چھاپہ مارا۔ اس وقت بنو خزاعہ ''وتیر'' نامی ایک چشمے پر تھے۔ بنو بکر نے ان کے بیس سے زیادہ آدمی قتل کیے اور انھیں مکے تک دھکیل لائے بلکہ مکے کے اندر بھی ان سے لڑائی کی۔ قریش نے بھی پس پردہ ہتھیاروں اور جنگجوؤں سے ان کی مدد کی۔

بنو خزاعہ چونکہ صلحِ حدیبیہ میں مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو گئے تھے اور ان کے متعدد

[1] سیرت ابن ہشام: 2/623-626، وزادالمعاد: 2/157.

افراد مسلمان بھی ہو چکے تھے، اس لیے انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو اس واقعے کی اطلاع دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «وَاللّٰهِ لَأَمْنَعَنَّكُمْ مِمَّا أَمْنَعُ نَفْسِي مِنْهُ»

''واللہ! میں جس چیز سے اپنی حفاظت کرتا ہوں، اس سے تمھاری بھی ضرور حفاظت کروں گا۔''

ادھر قریش نے اپنی غلط کاری محسوس کی اور اس کے نتائج سے خوفزدہ ہوئے، اس لیے جھٹ ابوسفیان کو مدینے بھیجا کہ وہ عہد کو پختہ کرے اور مدت اور بڑھا دے۔ ابوسفیان مدینے پہنچا تو اپنی صاحبزادی ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے گھر آیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کے بستر پر بیٹھنا چاہا تو انھوں نے بستر لپیٹ دیا۔

ابوسفیان نے کہا: ''بیٹی! کیا تم نے اس بستر کو میرے لائق نہیں سمجھا یا مجھے اس بستر کے قابل نہیں گردانا؟''

انھوں نے کہا: ''یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے اور آپ ناپاک مشرک ہیں۔''

ابوسفیان نے کہا: ''واللہ! میرے بعد تمھیں شر پہنچ گیا ہے۔''

پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور آپ سے گفتگو کی۔ آپ نے کوئی جواب نہ دیا، پھر وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے بات کریں۔ انھوں نے کہا: ''میں نہیں کر سکتا۔'' اس کے بعد وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ انھوں نے سختی سے انکار کیا۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ انھوں نے معذرت کی اور مشورہ دیا کہ وہ خود لوگوں کے درمیان امان کا اعلان کرے اور واپس چلا جائے۔ اس نے ایسا ہی کیا۔

ادھر رسول اللہ ﷺ نے غزوے کی تیاری شروع کر دی۔ صحابہ کو بھی اس کا حکم دیا اور مدینے کے گردو پیش جو ''اَعراب'' تھے انھیں بھی تیاری کے لیے کہا لیکن خبر چھپائے رکھی اور دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ خُذِ الْعُيُونَ وَالْأَخْبَارَ عَنْ قُرَيْشٍ، حَتّٰى نَبْغَتَهَا فِي بِلَادِهَا»

''اے اللہ! جاسوسوں اور خبروں کو قریش تک پہنچنے سے روک لے تا کہ ہم ان کے

علاقے میں اچانک ان کے سروں پر پہنچ جائیں۔‘‘

مزید رازداری کے لیے آپ نے اوائلِ رمضان میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کو مدینے سے 36 میل دور ’’بطن اِضم‘‘ کی طرف روانہ فرمایا تاکہ سمجھنے والا یہ سمجھے کہ آپ اسی علاقے کا رخ کریں گے۔[1]

ادھر حضرت حاطب بن ابوبلتعہ رضی اللہ عنہ نے قریش کو ایک رقعہ لکھ کر یہ اطلاع بھیجی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حملہ کرنے والے ہیں۔ انھوں نے یہ رقعہ ایک عورت کو دیا اور اسے قریش تک پہنچانے کا معاوضہ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آسمان سے خبر آ گئی اور آپ نے حضرت علی، حضرت مقداد، حضرت زبیر اور حضرت ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہم کو یہ کہہ کر بھیجا کہ ’’روضۂ خاخ‘‘ جاؤ، وہاں ایک ہودج نشین عورت ہوگی، جس کے پاس ایک رقعہ ہوگا، وہ اس سے لے لینا۔ انھوں نے جا کر رقعہ طلب کیا۔

عورت نے کہا: ’’میرے پاس کوئی رقعہ نہیں۔‘‘

ان لوگوں نے کہا: ’’یا تو رقعہ نکالو، ورنہ ہم تمھیں ننگا کر دیں گے۔‘‘

اس پر اس نے اپنے جوڑے سے رقعہ نکالا۔ یہ لوگ اسے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔

آپ نے دریافت فرمایا: ’’حاطب یہ کیا ہے؟‘‘

حاطب نے معذرت کی کہ مکہ میں میرے اہل وعیال اور بال بچے ہیں اور قریش میں میری کوئی قرابت داری نہیں کہ اس کی وجہ سے وہ میرے بال بچوں کی حفاظت کریں تو میں نے چاہا کہ ان پر کوئی احسان کروں کہ اس کے بدلے وہ میرے اہل وعیال کی حفاظت کریں۔ ورنہ میں نے یہ کام اسلام سے مرتد ہونے کے سبب کیا ہے، نہ کفر سے راضی ہونے کے سبب۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ’’اللہ کے رسول! مجھے چھوڑیے میں اس کی گردن مار دوں کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کی خیانت کی ہے اور منافق ہو گیا ہے۔‘‘

[1] سیرت ابن ہشام: 2/226-228، وزادالمعاد: 2/150۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّهُ شَهِدَ بَدْرًا، وَ مَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ اللّٰهَ اطَّلَعَ عَلٰى أَهْلِ بَدْرٍ، فَقَالَ: اِعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ»

''یہ جنگِ بدر میں حاضر ہو چکا ہے اور تمھیں کیا پتہ۔ ہوسکتا ہے اللہ نے اہلِ بدر پر جھانک کر کہا ہو، تم لوگ جو چاہو کرو، میں نے تمھیں بخش دیا۔''

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھیں نم ہو گئیں اور کہا: ''اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔''[1]

مکے کی راہ میں 10 رمضان سنہ 8 ہجری کو رسول اللہ ﷺ نے مدینہ چھوڑ کر مکے کا رخ کیا۔ آپ کے ساتھ دس ہزار صحابۂ کرام تھے۔ مدینے پر (بطور منتظم) ابو رہم غفاری رضی اللہ عنہ کا تقرر فرمایا۔

''جُحفہ'' پہنچے تو آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ ملے، وہ مسلمان ہو کر اپنے بال بچوں سمیت ہجرت کرتے ہوئے آ رہے تھے۔ ''ابواء'' میں آپ کے چچیرے بھائی ابوسفیان بن حارث اور پھوپھی زاد بھائی عبد اللہ بن ابو امیہ ملے۔ آپ نے ان دونوں سے منہ پھیر لیا کیونکہ یہ دونوں آپ کو سخت اذیت پہنچاتے اور ہجو کرتے رہے تھے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: ''ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ آپ کے چچا زاد اور پھوپھی زاد بھائی ہی آپ کے یہاں سب سے بدبخت ہوں۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان بن حارث کو سکھایا کہ تم رسول اللہ ﷺ کے سامنے جاؤ اور ان سے وہی کہو جو برادرانِ یوسف نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا تھا: ﴿تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ ۝﴾

''اللہ کی قسم! اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت بخشی اور یقیناً ہم ہی خطا کار تھے۔''[2]

انھوں نے ایسا ہی کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

① صحيح البخاري، الجهاد، باب الجاسوس والتجسس، حديث :3007. ② يوسف 91:12.

﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝﴾

''آج تم پر کوئی سرزنش نہیں ہے۔ اللہ تمھیں بخش دے گا اور وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔''[1]

اس پر ابوسفیان نے آپ کو چند اشعار سنائے اور اپنی سابقہ حرکت پر معذرت کی۔[2]

جب آپ ''کدید'' پہنچے اور دیکھا کہ لوگوں پر روزہ گراں گزر رہا ہے تو روزہ کھول دیا اور لوگوں کو بھی کھولنے کا حکم دیا۔[3] پھر سفر جاری رکھا، یہاں تک کہ عشاء کے وقت ''مرالظہران'' میں نزول فرمایا۔ آپ کے حکم سے لشکر نے الگ الگ آگ جلائی۔ یوں آگ کے دس ہزار الاؤ روشن کیے گئے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پہرے پر مقرر فرمایا۔

ادھر ابوسفیان خوف اور اندیشے کے عالم میں نکلا۔ اسے کچھ پتہ نہ تھا۔ اس کے ساتھ حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء بھی تھے۔ آگ دیکھی تو کہنے لگا: ''آج جیسی آگ اور لشکر تو میں نے کبھی دیکھا ہی نہیں۔''

بدیل نے کہا: ''یہ خزاعہ ہیں۔''

ابوسفیان نے کہا: ''خزاعہ اس سے کہیں کم اور ذلیل ہیں کہ یہ ان کی آگ اور ان کا لشکر ہو۔''

ابوسفیان دربارِ نبوت میں اس وقت حضرت عباس رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر پر چکر لگا رہے تھے۔ آواز سنی تو پہچان گئے اور کہا: ''ابوحنظلہ!'' اس نے کہا: ''ابوالفضل!''

کہا: ''ہاں۔'' اس نے کہا: ''کیا بات ہے؟ میرے ماں باپ تجھ پر قربان!''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لشکر سمیت۔ ہائے قریش کی تباہی، واللہ!'' اس نے کہا: ''اب کیا ترکیب ہے؟ میرے ماں باپ تجھ پر قربان!''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اگر وہ تمھیں پاگئے تو تمھاری گردن مار دیں گے، لہٰذا

[1] یوسف 92:12. [2] زادالمعاد: 163,162/2. [3] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الفتح في رمضان، حديث: 4275.

اس خچر پر پیچھے بیٹھ جاؤ، میں تمھیں رسول اللہ ﷺ کے پاس لے چلتا ہوں۔"

چنانچہ وہ پیچھے بیٹھ گیا۔ جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزر ہوا اور انھوں نے دیکھا تو کہا: "ابو سفیان! اللہ کا دشمن۔ اللہ کی تعریف ہے کہ اس نے بغیر کسی عہد و پیمان کے تجھے (ہمارے) قابو میں دے دیا۔"

اس کے بعد انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف دوڑ لگائی۔ ادھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے خچر کو ایڑ ماری، چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہلے پہنچ گئے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ داخل ہوئے۔ انھوں نے پہنچتے ہی آپ سے ابوسفیان کی گردن مارنے کی اجازت چاہی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: "میں نے اسے پناہ دے رکھی ہے۔" اور رسول اللہ ﷺ کا سر مبارک پکڑ لیا اور کہا: "آج رات میرے سوا کوئی اور آپ سے سرگوشی نہ کرے گا۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بار بار اجازت چاہی لیکن رسول اللہ ﷺ خاموش رہے، پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا: "اسے اپنے ڈیرے پر لے جاؤ، صبح میرے پاس لے آنا۔"

پھر جب صبح خدمت نبوی میں حاضر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«وَيْحَكَ يَا أَبَا سُفْيَانَ! أَلَمْ يَأْنِ لَكَ أَنْ تَعْلَمَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ»

"ابوسفیان! تم پر افسوس، کیا اب بھی تمھارے لیے وقت نہیں آیا کہ تم جان سکو کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔"

ابوسفیان نے کہا: "میرے ماں باپ آپ پر فدا۔ آپ کتنے بردبار، کتنے کریم اور کتنے خویش پرور ہیں! اگر اللہ کے ساتھ کوئی "الٰہ" ہوتا تو اب تک تو میرے کچھ کام آیا ہوتا۔" آپ ﷺ نے فرمایا:

«وَيْحَكَ يَا أَبَا سُفْيَانَ! أَلَمْ يَأْنِ لَكَ أَنْ تَعْلَمَ أَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ»

"ابوسفیان! تم پر افسوس، کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ تم جان سکو کہ میں اللہ کا

رسول ہوں۔‘‘

ابوسفیان نے کہا: ’’اس بات کے متعلق تو اب بھی دل میں کچھ نہ کچھ کھٹک ہے۔‘‘

اس پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ’’اس سے پہلے کہ تمھاری گردن ماری جائے، اسلام لاؤ۔‘‘

چنانچہ ابوسفیان مسلمان ہوگیا اور حق کی شہادت دی۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ’’اے اللہ کے رسول! ابوسفیان اعزاز پسند ہے، اسے کوئی اعزاز دے دیجیے۔‘‘ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«نَعَمْ، مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِي سُفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ»

’’ہاں! جو ابوسفیان کے گھر میں گھس جائے، اسے امان ہے۔‘‘

مکہ مکرمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا داخلہ اسی صبح رسول اللہ مکہ روانہ ہوئے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ابوسفیان کو وادی کی تنگنائے پر پہاڑ کے ناکے کے پاس روکے رکھیں تاکہ وہاں سے گزرنے والی خدائی فوجوں کو ابوسفیان دیکھ سکے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا۔ ادھر قبائل اپنے اپنے پرچم لیے گزرنے لگے، جب کوئی قبیلہ گزرتا تو ابوسفیان پوچھتا کہ ’’عباس! یہ کون لوگ ہیں؟‘‘

جواب میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے: ’’بنوفلاں (مثلاً بنوسلیم)۔‘‘

ابوسفیان کہتا ’’مجھ کو بنوفلاں سے کیا واسطہ۔‘‘

یہاں تک کہ انصار کا دستہ گزرا، جس کا پرچم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اٹھائے ہوئے تھے۔ انھوں نے کہا: ’’ابوسفیان! آج خونریزی اور مار دھاڑ کا دن ہے۔ آج کعبہ کی حرمت اُٹھالی گئی ہے۔‘‘

ابوسفیان نے کہا: ’’عباس! پامالی کا دن مبارک ہو۔‘‘

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ’’سبز‘‘ دستے میں تشریف لائے۔ آپ مہاجرین وانصار کے درمیان فروکش تھے۔ یہاں صرف لوہے کی باڑھ دکھائی پڑ رہی تھی۔ ابوسفیان نے

کہا: ”سبحان اللہ! عباس! یہ کون لوگ ہیں؟“

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ”یہ انصار ومہاجرین کے جلو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔“

ابوسفیان نے کہا: ”بھلا ان سے محاذ آرائی کی کسے طاقت ہے۔ تمھارے بھتیجے کی بادشاہت تو بڑی زبردست ہوگئی۔“

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ”یہ نبوت ہے۔“

اس نے کہا: ”جی ہاں، فی الواقع!“

پھر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بات بتلائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كَذَبَ سَعْدٌ، هٰذَا يَوْمٌ يُعَظِّمُ اللّٰهُ فِيهِ الْكَعْبَةَ، وَ يَوْمٌ تُكْسٰى فِيهِ الْكَعْبَةُ»

”سعد نے غلط کہا۔ آج کعبہ کی تعظیم کی جائے گی۔ آج کعبہ کو غلاف پہنایا جائے گا“

اور پرچم حضرت سعد سے لے کر ان کے صاحبزادے قیس رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گزرنے کے بعد ابوسفیان تیزی سے مکہ پہنچا اور نہایت بلند آواز سے پکارا:

”قریش کے لوگو! یہ محمد ہیں۔ تمھارے پاس اتنا بڑا لشکر لے کر آئے ہیں کہ مقابلے کی تاب نہیں، لہٰذا جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے، اسے امان ہے۔“

لوگوں نے کہا: ”تجھ پر اللہ کی لعنت! تیرا گھر ہمارے کتنے آدمیوں کے کام آسکتا ہے۔“

ابوسفیان نے کہا: ”اور جو اپنا دروازہ اندر سے بند کر لے اسے بھی امان ہے اور جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے اسے بھی امان ہے۔“

یہ سن کر لوگ تیزی سے اپنے اپنے گھروں اور مسجد حرام کی طرف بھاگے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذی طُویٰ پہنچے تو میسرہ کے سالار حضرت خالد بن ولید کو حکم دیا کہ وہ ”کدیٰ“ کے راستے مکہ میں زیریں حصے سے داخل ہوں اور کوئی آڑے آئے تو اسے کاٹ کر رکھ دیں، یہاں تک کہ صفا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آملیں اور میمنہ کے قائد اور رسول

اللہ ﷺ کے علمبردار حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ کداء کے راستے بالائی حصے سے مکہ میں داخل ہوں اور حجون میں آپ کا پرچم گاڑ دیں، نیز رسول اللہ ﷺ کی آمد تک وہیں ٹھہرے رہیں جبکہ پیادہ اور بے ہتھیار لوگوں کے قائد حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ ''بطنِ وادی'' کا راستہ پکڑیں اور مکے میں رسول اللہ ﷺ سے آگے اتریں۔

اس موقع پر قریش نے خندمہ میں کچھ اوباشوں کو جمع کیا اور کہا کہ اگر انھیں کچھ کامیابی ہوئی تو ان کے ساتھ ہو رہیں گے، ورنہ جو کچھ مطالبہ کیا جائے گا منظور کر لیں گے۔ جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے گزرے تو ایک معمولی سی جھڑپ میں ان کے بارہ آدمیوں کو کاٹ ڈالا اور باقی بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ مکے کے گلی کوچوں کو روندتے ہوئے کوہِ صفا پر رسول اللہ ﷺ سے جا ملے، البتہ ان کے دستے کے دو آدمی راستہ بھٹک کر لشکر سے بچھڑ گئے اور مارے گئے۔[1]

ادھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ''حجون'' میں ''مسجدِ فتح'' کے پاس جھنڈا گاڑا اور ایک خیمہ نصب کیا، جس میں حضرت امِّ سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہما نے قیام کیا اور وہیں ٹھہرے رہے، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ تھوڑی دیر استراحت فرما رہے، پھر آگے بڑھے۔ اس وقت ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ کے ہمراہ تھے اور باتیں کر رہے تھے، پھر آپ سورۂ فتح کی تلاوت کرتے ہوئے مہاجرین وانصار کے جلو میں مسجدِ حرام کے اندر داخل ہوئے۔ حجرِ اسود کو چوما اور بیت اللہ کا طواف کیا۔ آپ حالتِ احرام میں نہ تھے۔ اس وقت بیت اللہ کے گرد تین سو ساٹھ بت تھے۔ آپ ایک لکڑی سے جو آپ کے ہاتھ میں تھی، انھیں کچوکے لگاتے جا رہے تھے اور فرماتے جا رہے تھے:

﴿جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾

''حق آ گیا اور باطل چلا گیا، یقیناً باطل جانے ہی والا ہے۔''[2]

[1] سیرت ابن ہشام: 31/4. اور مختصراً دیکھیے: صحیح البخاري، المغازي، باب: أین رکز النبيﷺ الرّاية يوم الفتح؟ حدیث:4280. [2] بنی إسرآء یل 81:17.

﴿جَآءَ الۡحَقُّ وَمَا یُبۡدِئُ الۡبَاطِلُ وَمَا یُعِیۡدُ ۝﴾

''حق آ گیا اور باطل کی چلت پھرت ختم ہوگئی۔''[1]

اس ضرب سے بت اپنے چہروں کے بل گرتے جا رہے تھے۔[2]

کعبے کی تطہیر اور اس میں نماز جب آپ طواف سے فارغ ہوگئے تو عثمان بن طلحہ کو بلا کر ان سے کعبے کی کنجی لی اور اسے کھولنے کا حکم دیا، پھر اس میں جو بت تھے انھیں نکلوا کر تڑوا دیا اور جو تصویریں تھیں، انھیں مٹوا دیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ، اسامہ بن زید اور بلال رضی اللہ عنہما اندر داخل ہوئے اور دروازہ بند کر لیا، پھر دروازے کے مقابل کی دیوار کے رخ سے تین ہاتھ کے فاصلے پر کھڑے ہوئے۔ اپنے بائیں ایک ستون اور دائیں دو ستون اور پیچھے تین ستون کیے اور دو رکعت نماز پڑھی، پھر بیت اللہ میں گھوم کر اس کے اطراف میں اللہ کی تکبیر و توحید کے کلمات کہے۔[3]

آج تم پر کوئی سرزنش نہیں پھر آپ ﷺ نے دروازہ کھولا۔ قریش مسجد حرام میں صفیں لگائے کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔ آپ نے دروازے کے دونوں بازو پکڑ کر ایک بلیغ خطبہ دیا، جس میں اسلام کے بہت سے احکام بیان کیے۔ امور جاہلیت کو ساقط کیا اور اس کی نخوت کے خاتمے کا اعلان کیا، پھر فرمایا: «یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ! مَا تَرَوْنَ أَنِّي فَاعِلٌ بِکُمْ»

''قریش کے لوگو! تمھارا کیا خیال ہے۔ میں تمھارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں۔''

انھوں نے کہا: ''اچھا۔ آپ کریم بھائی ہیں اور کریم بھائی کے صاحبزادے ہیں۔''

آپ ﷺ نے فرمایا: «لَا تَثْرِیبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ، اِذْهَبُوا فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ»

''آج تم پر کوئی سرزنش نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔''

پھر نیچے تشریف لائے، مسجد حرام میں بیٹھے، کنجی عثمان بن طلحہ کو واپس کی اور فرمایا:

[1] سبا 34:49. [2] صحیح البخاري، المغازي، باب: أین رکز النبي الرایة یوم الفتح، حدیث: 4287. [3] صحیح البخاري، المغازي، باب من کبّر في نواحي الکعبة، حدیث:1601.

«خُذُوهَا خَالِدَةً تَالِدَةً، لَا يَنْزِعُهَا مِنْكُمْ إِلَّا ظَالِمٌ»

''اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لے لو۔ تم لوگوں سے اسے وہی چھینے گا جو ظالم ہو گا۔''

بیعت اس کے بعد آپ ﷺ صفا پر تشریف لائے اور اتنا اوپر چڑھے کہ بیت اللہ کو دیکھ سکیں، پھر ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔ اس کے بعد لوگوں سے اسلام پر بیعت لی۔ اس دن ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد ابوقحافہ بھی مسلمان ہوئے۔ ان کے اسلام لانے سے رسول اللہ ﷺ کو بہت خوشی ہوئی، پھر مردوں کے بعد آپ ﷺ نے اس بات پر عورتوں سے بیعت لی:

﴿أَن لَّا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ﴾

''اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں گی، چوری نہ کریں گی، زنا نہ کریں گی، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی اور اپنے ہاتھ پاؤں کے درمیان سے گھڑ کر کوئی بہتان نہ لائیں گی اور کسی بھلی بات میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گی۔''[1]

اس دن بیعت کرنے والی عورتوں میں ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ بھی تھیں۔ وہ نقاب اوڑھ کر اور بھیس بدل کر آئیں۔[2] دراصل حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کے ساتھ انھوں نے جو حرکت کی تھی اس کی وجہ سے انھیں اپنی جان کا ڈر تھا۔ جب ان کی بیعت پوری ہو چکی۔ تو انھوں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! روئے زمین پر کوئی خیمہ ایسا نہ تھا کہ جس کا ذلیل ہونا مجھے آپ کے خیمے والوں سے بڑھ کر پسند رہا ہو اور اب روئے زمین پر کوئی خیمہ ایسا نہیں ہے کہ اس کا عزیز ہونا مجھے آپ کے خیمے والوں سے بڑھ کر پسند ہو۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «وَأَيْضًا وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ!»

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے معاملہ بالکل ایسا ہی ہے۔''[3]

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس سے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ لوگوں کو

① الممتحنة 60:12. ② تفسير مدارك نسفي، ص: 1234 بيعة النساء. ③ صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب ذكر هند بنت عتبة بن ربيعة، حديث: 3825.

آپ کی بات پہنچا رہے تھے اور آپ کی طرف سے بیعت بھی لے رہے تھے۔ عورتوں سے مصافحے کے بغیر صرف کلام کے ذریعے سے بیعت ہوتی تھی۔

بعض لوگ رسول اللہ ﷺ سے ہجرت پر بیعت کرنے آئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«ذَهَبَ أَهْلُ الْهِجْرَةِ بِمَا فِيهَا، لَا هِجْرَةَ بَعْدَ فَتْحِ مَكَّةَ وَ لٰكِنْ جِهَادٌ وَّنِيَّةٌ، وَ إِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوا»

''اہل ہجرت، ہجرت کا اجر لے گئے۔ فتح مکہ کے بعد (اب مکہ سے) ہجرت نہیں، البتہ جہاد اور نیت ہے اور جب تم سے جنگ میں نکلنے کے لیے کہا جائے تو نکل پڑو۔''[1]

مجرمین کے خون رائیگاں قرار دیے گئے رسول اللہ ﷺ نے اس دن کچھ اکابر مجرمین کے خون رائیگاں قرار دیے اور حکم دیا کہ اگر وہ خانہ کعبہ کے پردے سے بھی لٹکے ہوئے پائے جائیں تب بھی ان کی گردن مار دی جائے۔ اس کی وجہ سے زمین اپنی کشادگی کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی۔ اب ان میں سے بعض پر تو کلمۂ عذاب برحق ہوا اور وہ مارے گئے اور بعض پر اللہ کی عنایت ہوئی اور وہ مسلمان ہوگئے۔ جو لوگ مارے گئے ان کے نام یہ ہیں:

ابن خطل، مقیس بن صبابہ، حارث بن نفیل اور ابن خطل کی ایک لونڈی۔ اور کہا جاتا ہے کہ حارث بن طلاطل خزاعی اور ام سعد کو بھی مارا گیا۔ جبکہ ام سعد کے بارے میں احتمال ہے کہ وہی ابن خطل کی لونڈی رہی ہوگی، لہٰذا کل پانچ یا چھ افراد ہوئے۔

رہے وہ لوگ جنھوں نے اسلام قبول کیا، یعنی جو پہلے بھاگ یا چھپ گئے، پھر ان کے لیے امان حاصل کی گئی اور وہ آکر مسلمان ہوگئے۔ وہ یہ تھے:

عبد اللہ بن سعد بن ابو سرح، عکرمہ بن ابو جہل، ہبار بن اسود اور ابن خطل کی ایک دوسری لونڈی کل چار افراد اور کہا جاتا ہے کہ کعب بن زہیر اور وحشی بن حرب اور ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ بھی کل سات افراد ...... رضی اللہ عنہم ......

[1] صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب لا يحلُّ القتال بمكة، حديث:1834.

کچھ اور لوگ اپنی جان کے خوف سے چھپ گئے تھے، حالانکہ ان کے خون رائیگاں قرار نہ دیے گئے تھے۔ ان میں یہ نام آتے ہیں: صفوان بن امیہ، زہیر بن ابوامیہ اور سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہم پھر یہ سب مسلمان ہو گئے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ.

فتح کی نماز رسول اللہ ﷺ چاشت کے وقت امّ ہانی بنت ابو طالب کے گھر میں داخل ہوئے اور غسل کر کے آٹھ رکعت فتح کی نماز پڑھی، ہر دو رکعت پر سلام پھیرا۔[1] امّ ہانی نے اپنے دو دیوروں کو پناہ دے رکھی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ انھیں قتل کرنا چاہتے تھے۔ امّ ہانی نے پوچھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «قَدْ أَجَرْنَا مَنْ أَجَرْتِ يَا أُمَّ هَانِئٍ»

''جسے تم نے پناہ دی ہے، اسے ہم نے بھی پناہ دی۔''[2]

کعبے کی چھت پر اذان بلالی نمازِ ظہر کا وقت ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا اور انھوں نے کعبے کی چھت پر اذان دی۔ یہ غلبۂ اسلام کے اعلان کا ہم معنی تھا اور یہ جس قدر مشرکین کو ناگوار تھا، اسی قدر مسلمانوں کے لیے خوش گوار تھا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

مکے میں رسول اللہ ﷺ کا قیام جب مکے کی فتح مکمل ہو چکی تو انصار کو اندیشہ ہوا کہ کہیں رسول اللہ ﷺ وہیں مقیم نہ ہو جائیں کیونکہ یہ آپ کا اور آپ کے خاندان اور قبیلے کا شہر تھا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ صفا پر ہاتھ اٹھائے دعا فرما رہے تھے، دعا سے فارغ ہوئے تو فرمایا:

«مَعَاذَ اللّٰهِ، اَلْمَحْيَا مَحْيَاكُمْ وَالْمَمَاتُ مَمَاتُكُمْ»

''اللہ کی پناہ! اب زندگی اور موت تمھارے ساتھ ہے۔''

اس سے انصار مطمئن ہو گئے، ان کا خوف جاتا رہا اور وہ خوش ہوگئے، البتہ رسول اللہ ﷺ نے مکے میں انیس روز قیام فرمایا اور اس دوران آثار اسلام کی تجدید کی۔ مکے کو

[1] صحيح البخاري، التقصير، باب من تطوع في السفر، حديث: 1103. [2] صحيح البخاري، الصلاة، باب الصلاة في الثوب الواحد، حديث: 357.

آثارِ جاہلیت سے پاک کیا۔ نئے سرے سے حرم کے ستون نصب کیے اور آپ کے منادی نے اعلان کیا:

«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَدَعْ فِي بَيْتِهِ صَنَمًا إِلَّا كَسَرَهُ»

''جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے گھر میں کوئی بت نہ چھوڑے بلکہ اسے توڑ دے۔''

عزیٰ، سواع اور منات کا خاتمہ 25 رمضان کو رسول اللہ ﷺ نے تیس سواروں کے ساتھ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو عزیٰ اور اس کا بت خانہ ڈھانے کے لیے ''نخلہ'' روانہ کیا۔ حضرت خالد نے جا کر اسے ڈھایا۔ یہ مشرکین کا سب سے بڑا بت تھا۔

پھر آپ ﷺ نے رمضان ہی میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو ''سواع'' نامی بت ڈھانے کے لیے روانہ کیا۔ یہ ہذیل کا سب سے بڑا بت تھا۔ اس کا استھان مکے سے شمال مشرق میں 150 کلومیٹر کے فاصلے پر ''رہاط'' نامی مقام پر تھا۔ حضرت عمرو نے اسے جا کر ڈھایا اور اس کا مجاور بت کی بے بسی دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔

پھر آپ ﷺ نے سعد بن زید اشہلی رضی اللہ عنہ کو اسی ماہ رمضان میں بیس سوار دے کر ''منات'' کی جانب روانہ کیا۔ یہ قدید کے پاس مشلل میں تھا۔ اور یہ کلب، خزاعہ، غسان اور اوس وخزرج کا بت تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جا کر اسے توڑ دیا اور بت خانہ ڈھا دیا۔

بنو جذیمہ کے پاس حضرت خالد کی روانگی پھر آپ ﷺ نے ماہِ شوال میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بنو جذیمہ کے پاس تبلیغ اسلام کے لیے بھیجا۔ ان کے ساتھ مہاجرین وانصار اور بنوسلیم کے ساڑھے تین سو افراد تھے، جب انھیں اسلام کی دعوت دی گئی تو انھوں نے کہا: «صَبَأْنَا صَبَأْنَا» ''ہم نے اپنا دین چھوڑا، ہم نے اپنا دین چھوڑا۔'' اس پر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے انھیں قتل اور قید کر لیا اور پھر ایک دن حکم دیا کہ ہر آدمی اپنے قیدی کو قتل کر دے لیکن حضرت ابن عمر اور ان کے ساتھیوں نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا اور واپس آ کر نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا ہے۔

آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر دو بار کہا: «اَللّٰهُمَّ! أَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ»

''اے اللہ! خالد نے جو کچھ کیا ہے میں اس سے تیری طرف براءت اختیار کرتا ہوں۔'' [1]

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مال دے کر بھیجا اور انھوں نے ان مقتولین کی دیت دی اور ان کا جو مال ضائع ہوا تھا اس کا معاوضہ دیا۔ کچھ مال اضافی بچ رہا تو وہ بھی انھی کے لیے چھوڑ دیا۔ اس موقع پر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا تھا، اس کی وجہ سے ان میں اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ میں کچھ سخت کلامی اور بدگمانی ہو گئی تھی۔

جب لوگوں نے واپس آ کر رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر دی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَهْلًا، يَا خَالِدُ، دَعْ عَنْكَ أَصْحَابِي، فَوَ اللّٰهِ لَوْ كَانَ أُحُدٌ ذَهَبًا ثُمَّ أَنْفَقْتَهُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ مَا أَدْرَكْتَ غُدْوَةَ رَجُلٍ مِّنْ أَصْحَابِي وَلَا رَوْحَتَهُ»

''خالد ٹھہر جاؤ، میرے رفقاء کو کچھ کہنے سے باز رہو۔ واللہ! اگر احد پہاڑ (کے برابر) سونا ہو، پھر تم اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر دو، تب بھی میرے رفقاء میں سے کسی ایک آدمی کی ایک صبح کی عبادت یا ایک شام کی عبادت کو نہیں پہنچ سکتے۔'' [2]

غزوۂ حنین (شوال 8 ہجری)

مکہ فتح ہو چکا تو قیسِ عَیلان کے قبائل مشورے کے لیے اکٹھے ہوئے۔ ان میں ثقیف و ہوازِن پیش پیش تھے۔ انھوں نے کہا:

① صحيح البخاري، المغازي، باب بعث النبي خالد بن الوليد إلى بني جذيمة، حديث: 4339. ② اس غزوے کی تفصیل کے لیے دیکھیے: سیرت ابن ہشام: 2/389-437، و زادالمعاد: 2/160,168، وصحيح البخاري، المغازي، باب أين ركز النبي الراية يوم الفتح، حديث: 4280، و صحيح مسلم، الجهاد، باب فتح مكة، حديث: 1780.

''محمد اپنی قوم کی جنگ سے فارغ ہو چکے ہیں، اب انھیں ہمارے ساتھ جنگ سے روکنے والا کوئی نہیں، لہٰذا کیوں نہ ہم ہی پہل کریں، چنانچہ انھوں نے جنگ کا فیصلہ کر لیا اور اپنی سپہ سالاری کے لیے مالک بن عوف نصری کو منتخب کیا اور ایک بہت بڑا لشکر جمع کر کے اوطاس میں اتر پڑے۔ ان کے ساتھ عورتیں، بچے اور مال مویشی بھی تھے۔ لشکر میں دُرَید بن صمّہ بھی تھا، جو رائے کی پختگی کے لیے مشہور تھا۔ اس نے بچوں اور جانوروں کی آواز سنی تو مالک سے اس کی وجہ دریافت کی۔

اس نے کہا: ''میں نے سوچا کہ ہر آدمی کے پیچھے اس کے اہل اور مال کو لگا دوں تاکہ وہ ان کی حفاظت کے جذبے کے ساتھ جنگ کرے۔''

درید نے کہا: ''واللہ! بھیڑ کے چرواہے ہو، بھلا شکست کھانے والے کو بھی کوئی چیز روک سکتی ہے۔ دیکھو! اگر جنگ میں تم غالب رہے تو بھی کارآمد تو محض آدمی ہی اپنی تلوار اور نیزے کے ساتھ ہوگا اور اگر شکست کھا گئے تو تمھیں اپنے اہل اور مال کے سلسلے میں رسوا ہونا پڑے گا۔''

پھر درید نے مشورہ دیا کہ انھیں ان کے علاقے میں واپس بھیج دو لیکن مالک نے اس کی رائے قبول نہ کی، بال بچوں اور مویشیوں کو وادیٔ اوطاس میں جمع کیا اور خود فوجیوں کو لے کر وادیٔ حنین میں منتقل ہو گیا، جو وادیٔ اوطاس کے بازو میں ہے اور وہاں فوجیوں کو کمین گاہوں میں چھپا دیا۔

ادھر رسول اللہ ﷺ کو ان کے اجتماع کا علم ہوا تو آپ ﷺ مکے سے ہفتہ 6 شوال کو روانہ ہوئے۔ آپ کے ساتھ بارہ ہزار کا لشکر تھا۔ اس موقع پر آپ نے صفوان بن امیہ سے ایک سو زرہیں ساز و سامان سمیت ادھار لیں اور مکے کا انتظام عتاب بن اُسَید رضی اللہ عنہ کو سونپا۔

راستے میں لوگوں نے بیر کا ایک بڑا سا درخت دیکھا، جس پر عرب اپنا ہتھیار لٹکاتے تھے، وہاں جانور ذبح کرتے تھے اور درگاہ لگاتے تھے۔ اسے ''ذات انواط'' کہا جاتا تھا۔

بعض لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: ''ہمارے لیے بھی ''ذاتِ انواط'' بنا دیجیے، جیسے

ان کے لیے ''ذات انواط'' ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَللّٰهُ أَكْبَرُ! قُلْتُمْ كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوسٰى لِمُوسٰى»

''اللہ اکبر! تم نے تو ویسی ہی بات کہی جیسی موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہی تھی:

﴿اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ط﴾

''ہمارے لیے بھی ایک معبود بنا دیجیے جیسے ان کے لیے معبود ہیں۔''[1]

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں کہا تھا کہ ''تم لوگ جہالت (کی بات) کر رہے ہو۔''

(پھر آپ نے فرمایا) «إِنَّهَا السُّنَنُ، لَتَرْكَبُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ»

''یہ طور طریقے ہیں۔ تم لوگ بھی یقیناً پہلوں کے طور طریقے اپناؤ گے۔''[2]

بعض لوگوں نے لشکر کی کثرت کے پیش نظر کہا: ''آج ہم مغلوب نہ ہوں گے۔''

یہ بات رسول اللہ ﷺ پر گراں گزری۔ شام ہوئی تو ایک سوار نے آ کر خبر دی کہ بنو ہوازن، عورتوں، بچوں، اونٹوں اور بکریوں سمیت نکلے ہیں۔ آپ ﷺ نے تبسم فرمایا اور کہا:

«تِلْكَ غَنِيمَةُ الْمُسْلِمِينَ غَدًا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ»

''کہ یہ کل ان شاء اللہ مسلمانوں کا مال غنیمت ہوگا۔''[3]

10 شوال 8 ہجری کی رات رسول اللہ ﷺ حنین پہنچے۔ وادی میں داخل ہونے سے پہلے سحر کے وقت لشکر کو مرتب فرمایا۔ مہاجرین کا پرچم حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کو دیا۔ اوس کا پرچم اُسید بن حُضیر رضی اللہ عنہ کو اور خزرج کا پرچم حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو اور کچھ دوسرے پرچم دوسرے قبائل کو دیے۔ دو زرہیں پہنیں، سر اور چہرے پر خود لگائی۔ اس کے بعد ہر اول دستے نے وادی میں اترنا شروع کیا۔ اسے چھپے ہوئے دشمن کی موجودگی کا علم نہ تھا۔ ابھی وہ

[1] الأعراف 138:7. [2] مسند أحمد: 218/5، جامع الترمذي، الفتن، باب لتركبن سنن من كان قبلكم، حديث: 2180. [3] سنن أبي داود، الجهاد، باب فضل الحرس في سبيل الله، حديث: 2501.

اتر ہی رہا تھا کہ اچانک دشمن نے ٹڈی دل کی طرح تیروں کی بارش کر دی، پھر وہ فرد واحد کی طرح ٹوٹ پڑا۔ اس اچانک حملے سے ہراول دستے میں اضطراب پھیل گیا اور اس میں موجود مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے، جو لوگ پیچھے تھے، وہ بھی انھی کے ساتھ ہو لیے اور یوں شکست ہو گئی۔ اس صورتِ حال سے بعض مشرکین اور بعض نومسلم خوش ہو گئے۔

ابوسفیان نے کہا: ''اب ان کی بھگدڑ سمندر سے پہلے نہ رکے گی۔''

اور صفوان کے ایک بھائی نے کہا: ''آج جادو باطل ہو گیا۔''

اور اس کے ایک اور بھائی نے کہا: ''محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں کی شکست کی خوش خبری سن لو، اب یہ اس کو کبھی نہیں جوڑ سکتے۔''

مگر اس پر مشرک صفوان اور نومسلم عکرمہ بن ابوجہل بگڑ گئے اور دونوں کو ڈانٹ پلائی۔

جہاں تک رسول اللہ ﷺ کا تعلق ہے تو نہ صرف یہ کہ آپ تھوڑے سے انصار اور مہاجرین کی معیت میں ثابت قدم رہے بلکہ آپ دشمن کی طرف بڑھنے کے لیے خچر کو ایڑ لگاتے اور فرماتے جارہے تھے!

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ
أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

''میں نبی ہوں، جھوٹا نہیں۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔''

ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ نے آپ کے خچر کی لگام پکڑ رکھی تھی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رکاب تھام رکھی تھی تاکہ دشمن کی طرف تیزی سے نہ جائیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ خچر سے اتر گئے اور اپنے رب سے دعا کی اور مدد مانگی اور حضرت عباس کو...... جن کی آواز خاصی بلند تھی...... حکم دیا کہ آپ صحابہ کو پکاریں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے پکارا: ...... اپنی آواز سے وادی بھر دی...... ''اے درخت والو! (بیعت رضوان والو) ! کہاں ہو؟''

یہ سن کر وہ اس طرح مڑے، جیسے گائے اپنے بچوں کی طرف مڑتی ہے۔ وہ کہہ رہے تھے: ''ہاں! ہاں! آئے، آئے۔''

اس طرح جب سو آدمی جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے دشمن کا سامنا کیا اور لڑائی شروع کر دی۔ اس کے بعد انصار کی پکار شروع ہوئی، پھر بنو الحارث بن خزرج میں محدود ہو گئی۔ ادھر مسلمان دستے ایک کے پیچھے ایک، آتے چلے گئے، یہاں تک کہ آپ کے گرد بڑی جماعت جمع ہو گئی[1] اور اللہ نے اپنے رسول ﷺ اور مؤمنین پر سکینت نازل کی اور ان دیکھا لشکر اتارا، چنانچہ مسلمانوں نے پلٹ کر حملہ کیا اور دھواں دھار جنگ شروع ہو گئی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اَلْآنَ حَمِيَ الْوَطِيسُ» ''اب چولھا گرم ہو گیا ہے۔''

پھر آپ نے ایک مٹھی مٹی لے کر قوم کے چہرے پر ماری۔ اور فرمایا:

«شَاهَتِ الْوُجُوهُ» ''چہرے بگڑ جائیں۔''

اس مٹی سے ان کی آنکھیں بھر گئیں۔ اس کے بعد ان کی تلواروں کی دھار کند اور ان کا حوصلہ ٹوٹ گیا، یہاں تک کہ وہ پراگندہ ہو کر بھاگ نکلے اور مسلمانوں نے مارتے پکڑتے ان کا پیچھا کیا، چنانچہ عورتوں، بچوں کو پکڑ لیا اور بہت سے فوجیوں کو گرفتار کر لیا۔ اس دن خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھی بہت سے زخم آئے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اللہ کی عنایت دیکھ کر بہت سے مشرکین مکہ مسلمان ہو گئے۔

مشرکین کا تعاقب مشرکین بھاگے تو تین گروہوں میں بٹ گئے۔ سب سے بڑا گروہ ''طائف'' (کی جانب) بھاگا۔ دوسرے گروہ نے ''نخلہ'' کا رخ کیا اور تیسرے گروہ نے ''اوطاس'' میں مورچہ بندی کی۔ آپ ﷺ نے اوطاس میں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے چچا ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کو صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ بھیجا۔ انھوں نے دشمن کو پراگندہ کر کے سارے مال غنیمت پر قبضہ کر لیا، البتہ خود ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ معرکے میں شہید ہو گئے اور ان کی جگہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے سنبھالی اور کامیاب وکامران واپس ہوئے۔[2]

ادھر مسلمان سواروں کی ایک جماعت نے ''نخلہ'' بھاگنے والے مشرکین کا تعاقب کیا اور

① صحيح البخاري، الجهاد، باب من قاد دابة غيره في الحرب، حديث: 2864، وصحيح مسلم، المغازي، باب غزوة حنين، حديث: 1775. ② صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة أوطاس، حديث: 4323.

درید بن صمہ کو جا پکڑا اور اسے قتل کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت اور قیدیوں کو جمع کرنے کا حکم دیا، جس کی کل مقدار یہ تھی: اونٹ تقریباً چوبیس ہزار، بکریاں چالیس ہزار سے زیادہ، چاندی چار ہزار اوقیہ (ایک لاکھ ساٹھ ہزار درہم،) عورتیں اور بچے چھ ہزار۔ ان سب کو جعرانہ میں جمع کر کے حضرت مسعود بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ کو ان کا نگران مقرر فرمایا۔

غزوۂ طائف (شوال 8 ہجری) اس کے بعد آپ ﷺ نے طائف کا رخ کیا۔ راستے میں مالک بن عوف نصری کے قلعے سے گزرے تو اسے ڈھانے کا حکم دیا۔ طائف پہنچے تو دشمن ایک سال کی خوراک کا انتظام کر کے قلعہ بند ہو چکا تھا، لہٰذا اس کا محاصرہ کر لیا۔ پہلے مسلمانوں کا پڑاؤ قریب تھا، اس لیے دشمن نے تیر برسا کر مسلمانوں کو زخمی کر دیا، لہٰذا وہ اس مقام پر اٹھ آئے جہاں آج طائف کی مسجد ہے۔

مسلمانوں نے دشمن کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کرنے کے لیے کئی تدبیریں اختیار کیں لیکن کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ روزانہ نکل کر دعوت مبارزت دیتے لیکن کبھی کوئی آدمی سامنے نہ آیا۔ ان پر منجنیق نصب کی گئی لیکن یہ بھی کارگر نہ ہوئی۔ مسلمان جانبازوں کا ایک گروہ دو تاپوں میں گھس کر نقب لگانے کے لیے قلعے کی دیوار تک پہنچا لیکن دشمن نے ان پر لوہے کے جلتے ٹکڑے پھینکے، جس سے وہ واپسی پر مجبور ہو گیا اور دیوار میں نقب نہ لگا سکا۔ ان کے انگور اور کھجور کے درخت کاٹے گئے مگر انھوں نے اللہ اور قرابت کا واسطہ دیا تو چھوڑ دیے گئے۔

رسول اللہ ﷺ کے منادی نے اعلان کیا:

«أَيُّمَا عَبْدٍ نَزَلَ مِنَ الْحِصْنِ وَخَرَجَ إِلَيْنَا فَهُوَ حُرٌّ»

”جو غلام قلعے سے اتر کر ہمارے پاس آ جائے وہ آزاد ہے۔“

اس اعلان پر تیئس (23) غلام اتر آئے۔ انھی میں ابو بکرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ وہ قلعے کی دیوار پر چڑھ کر ایک چرخی کی مدد سے جس کے ذریعے سے رہٹ سے پانی کھینچا جاتا ہے،

لٹک کر نیچے آ گئے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کی کنیت ابوبکرہ رکھ دی۔ (عربی میں چرخی کو بکرہ کہتے ہیں) غلاموں کا یہ فرار قلعہ والوں کے لیے جانکاہ تھا۔[1]

محاصرے نے طول پکڑا اور فائدہ کچھ نہ ہوا، چنانچہ محاصرے پر تقریباً بیس دن اور کہا جاتا ہے کہ پورا ایک مہینہ گزر گیا، لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے نوفل بن معاویہ دیلی رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا۔

انھوں نے کہا: ''لومڑی اپنے بھٹ میں گھس گئی ہے، اگر آپ ڈٹ گئے تو پکڑ لیں گے، اگر چھوڑ بھی دیں تو یہ آپ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی۔''

یہ سن کر آپ ﷺ نے کوچ کا اعلان فرمایا۔ بعض لوگوں نے گزارش کی کہ آپ ان پر بددعا کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ اهْدِ ثَقِيفًا وَّأْتِ بِهِمْ مُّسْلِمِينَ»

''اے اللہ! ثقیف کو ہدایت دے اور انھیں مسلمان بنا کر لے آ۔''

اموالِ غنیمت اور قیدیوں کی تقسیم اس کے بعد رسول اللہ ﷺ طائف سے ''جِعِرّانہ'' واپس آ کر دس دن سے زیادہ ٹھہرے رہے اور مالِ غنیمت تقسیم نہ فرمایا۔ آپ کو انتظار تھا کہ ہوازن توبہ کر کے آ جائیں اور اپنا مال اور قیدی واپس لے جائیں لیکن جب کوئی نہ آیا تو آپ نے غنیمت سے خمس نکالا اور اسے تالیفِ قلب کے لیے کمزور اسلام والوں کو دیا اور کچھ ایسے لوگوں کو بھی دیا، جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے تاکہ ان کی نظر میں بھی اسلام محبوب ہو جائے، چنانچہ ابوسفیان کو چالیس اوقیہ چاندی (ایک ہزار چھ سو درہم) اور ایک سو اونٹ دیے، پھر اتنا ہی اس کے بیٹے یزید کو دیا اور پھر اتنا ہی اس کے دوسرے بیٹے معاویہ کو دیا۔ صفوان بن امیہ کو سو، پھر سو، پھر سو، یعنی تین سو اونٹ دیے۔ حکیم بن حزام، حارث بن حارث بن کلدہ، عیینہ بن حصن، اقرع بن حابس، عباس بن مرداس، علقمہ بن علاثہ، مالک بن عوف، علاء بن حارثہ، حارث بن ہشام، جبیر بن مطعم، سہیل بن عمرو اور حویطب بن

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الطائف، حديث 4327,4326.

عبدالعزیٰ وغیرہم کو سو سو اونٹ دیے۔ کچھ اور لوگوں کو پچاس پچاس اونٹ دیے، یہاں تک کہ لوگوں میں شہرہ ہو گیا:

''محمد ﷺ اس طرح بے دریغ عطیہ دیتے ہیں کہ انھیں فقر کا اندیشہ ہی نہیں۔''

چنانچہ مال کی طلب میں بدو آپ ﷺ پر ٹوٹ پڑے اور آپ کو ایک درخت کی جانب سمٹنے پر مجبور کر دیا جس میں آپ کی چادر پھنس گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«رُدُّوا عَلَيَّ رِدَائِي، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ كَانَ لِي عَدَدُ شَجَرِ تِهَامَةَ نَعَمًا لَقَسَمْتُهُ عَلَيْكُمْ، ثُمَّ مَا أَلْفَيْتُمُونِي بَخِيلًا وَّ لَا جَبَانًا وَّلَا كَذَّابًا»

''میری چادر دے دو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر میرے پاس تہامہ کے درختوں کی تعداد میں بھی چوپائے ہوتے تو میں انھیں تم میں تقسیم کر دیتا، پھر تم مجھے نہ بخیل پاتے، نہ بزدل، نہ جھوٹا۔''

پھر آپ ﷺ نے ایک اونٹ کے کوہان سے کچھ بال لیے اور فرمایا:

«وَاللّٰهِ مَالِي مِنْ فَيْئِكُمْ وَلَا هٰذِهِ الْوَبَرَةِ، إِلَّا الْخُمُسَ، وَالْخُمُسُ مَرْدُودٌ عَلَيْكُمْ، فَأَدُّوا الْخِيَاطَ وَالْمِخْيَطَ فَإِنَّ الْغُلُولَ يَكُونُ عَلٰى أَهْلِهِ عَارًا وَّ شَنَارًا وَّ نَارًا يَّوْمَ الْقِيَامَةِ»

''واللہ! میرے لیے تمھارے ''مال فے'' میں سے کچھ بھی نہیں، حتیٰ کہ اتنے سے بال بھی نہیں۔ صرف خمس ہے اور خمس بھی تم ہی کو لوٹا دیا جاتا ہے، لہٰذا سوئی اور دھاگا تک ادا کرو کیونکہ خیانت، صاحب خیانت کے لیے قیامت کے روز عار، رسوائی اور آگ ہوگی۔''

یہ سن کر لوگوں نے معمولی چیز تک، غنیمت سے جو کچھ لیا تھا سب واپس کر دیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو مالِ غنیمت تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ غنیمت کی مذکورہ مقدار کے حساب سے خمس نکالنے کے بعد ایک آدمی کے حصے میں جتنا مالِ غنیمت بنا،

اس کی مقدار یہ ہے:

تقریباً ڈیڑھ اونٹ، ڈھائی بکری، دس درہم اور ایک قیدی کا ایک تہائی حصہ، اب اگر ایک آدمی کو دس درہم دے کر باقی کوئی ایک ہی چیز دی جائے تو اس کے حصے میں یا تو صرف چار اونٹ آئیں گے۔ یا صرف چالیس بکریاں، یا ایک قیدی کا صرف دو تہائی حصہ۔''

انصار کا شکوہ اور رسول اللہ ﷺ کا خطاب انصار کو رسول اللہ ﷺ کے اس عمل پر حیرت ہوئی کہ آپ نے ''مؤلفہ قلوب'' کو اندازے سے بڑھ کر عطیے دیے اور انصار کو کچھ نہ دیا، چنانچہ بعض انصار نے کہا:

''یہ کیسی تعجب کی بات ہے کہ آپ ﷺ قریش کو دے رہے ہیں اور ہمیں چھوڑ دیا ہے، حالانکہ ہماری تلواروں سے ان کا خون ٹپک رہا تھا۔''

یہ بات انصار کے رئیس حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو پہنچائی۔ آپ ﷺ نے انصار کو جمع کیا، اللہ کی حمد و ثنا کی، پھر اللہ نے آپ پر جو احسان کیا تھا، اس کا ذکر فرمایا۔

پھر فرمایا:

«أَوَجَدْتُمْ يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ فِي أَنْفُسِكُمْ فِي لُعَاعَةٍ مِّنَ الدُّنْيَا تَأَلَّفْتُ بِهَا قَوْمًا لِّيُسْلِمُوا وَ وَكَلْتُكُمْ إِلٰى إِسْلَامِكُمْ؟ أَلَا تَرْضَوْنَ يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ أَنْ يَّذْهَبَ النَّاسُ بِالشَّاةِ وَالْبَعِيرِ وَ تَرْجِعُوا بِرَسُولِ اللّٰهِ إِلٰى رِحَالِكُمْ؟ فَوَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَوْلَا الْهِجْرَةُ لَكُنْتُ امْرَءًا مِّنَ الْأَنْصَارِ، وَ لَوْ سَلَكَ النَّاسُ شَعْبًا وَ سَلَكَتِ الْأَنْصَارُ شَعْبًا لَسَلَكْتُ شَعْبَ الْأَنْصَارِ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْأَنْصَارَ وَأَبْنَاءَ الْأَنْصَارِ وَأَبْنَاءَ أَبْنَاءِ الْأَنْصَارِ»

''انصار کے لوگو! تم اپنے جی میں دنیا کی ایک حقیری گھاس کے لیے ناراض ہو گئے، جس کے ذریعے سے میں نے لوگوں کا دل جوڑا تھا تاکہ وہ مسلمان ہو جائیں اور تم

کو تمھارے اسلام کے حوالے کر دیا تھا۔ اے انصار! کیا تم اس سے راضی نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے جائیں اور تم رسول اللہ ﷺ کو لے کر اپنے ڈیروں میں جاؤ۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار کا ایک فرد ہوتا اور اگر سارے لوگ ایک راہ چلیں اور انصار دوسری راہ چلیں تو میں انصار ہی کی راہ چلوں گا۔ اے اللہ! انصار پر رحم فرما اور انصار کے بیٹوں پر اور انصار کے پوتوں پر!"

اس پر لوگ اس قدر روئے کہ ڈاڑھیاں تر ہو گئیں اور کہنے لگے: "ہم راضی ہیں کہ ہمارے حصے اور نصیب میں رسول اللہ ﷺ ہوں۔" اس کے بعد رسول اللہ ﷺ واپس آ گئے اور انصار بھی واپس ہو گئے۔[1]

وفد ہوازن کی آمد (ذی قعدہ سنہ 8 ہجری) مال غنیمت تقسیم ہو چکا تو ہوازن کا وفد آ گیا۔ ان کا رئیس زُہیر بن صرد تھا۔ انھوں نے اسلام قبول کیا، بیعت کی، پھر عرض پرداز ہوئے:

"یارسول اللہ! آپ نے جنھیں گرفتار کیا ہے، ان میں مائیں ہیں، بہنیں ہیں، پھوپھیاں ہیں، خالائیں ہیں اور یہی قوموں کی رسوائی کا سبب ہوتی ہیں۔

فَامْنُنْ عَلَيْنَا رَسُولَ اللّٰهِ فِي كَرَمٍ
فَإِنَّكَ الْمَرْءُ نَرْجُوهُ وَنَنْتَظِرُ
اُمْنُنْ عَلٰى نِسْوَةٍ قَدْ كُنْتَ تَرْضَعُهَا
إِذْ فُوكَ تَمْلَؤُهُ مِنْ مَّحْضِهَا الدُّرَرُ

"اے اللہ کے رسول! ہم پر احسان و کرم فرمائیے۔ آپ ایسے آدمی ہیں کہ آپ سے امیدیں وابستہ ہیں اور آپ کے کرم کا انتظار ہے۔ آپ ان عورتوں پر احسان کیجیے،

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الطائف، حديث: 4330، وسيرت ابن هشام: 500,499/2.

جن کا دودھ پیتے تھے، جب آپ کا منہ ان کے دودھ کے موتیوں سے بھر جاتا تھا۔“

اور مزید چند اشعار کہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ مَعِي مَنْ تَرَوْنَ، وَ إِنَّ أَحَبَّ الْحَدِيثِ إِلَيَّ أَصْدَقُهُ فَاخْتَارُوا، إِمَّا السَّبْيَ وَ إِمَّا الْمَالَ»

”میرے ساتھ جو لوگ ہیں انھیں دیکھ ہی رہے ہو اور مجھے سچ بات زیادہ پسند ہے، لہٰذا قیدی اور مال میں سے کوئی ایک چیز چن لو۔“

انھوں نے کہا: ”ہمارے نزدیک خاندانی شرف کے برابر کوئی چیز نہیں۔ ہماری عورتیں اور بچے ہمیں واپس کر دیجیے اور ہم بکری اور اونٹ کے بارے میں کچھ نہ بولیں گے۔“

آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا صَلَّيْتُ الظُّهْرَ فَقُومُوا، وَ أَظْهِرُوا إِسْلَامَكُمْ وَ قُولُوا: نَحْنُ إِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ، ثُمَّ قُولُوا: إِنَّا نَسْتَشْفِعُ بِرَسُولِ اللّٰهِ إِلَى الْمُسْلِمِينَ وَ بِالْمُسْلِمِينَ إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ أَنْ يَرُدَّ إِلَيْنَا سَبْيَنَا»

”اچھا تو جب میں ظہر کی نماز پڑھ لوں تو تم لوگ کھڑے ہو جاؤ، اپنے اسلام کا اظہار کرو اور کہو کہ ہم بھی آپ لوگوں کے دینی بھائی ہیں، پھر کہو کہ ہم رسول اللہ ﷺ کو مسلمانوں کی جانب اور مسلمانوں کو رسول ﷺ کی جانب سفارشی بناتے ہیں کہ آپ ہمارے قیدی ہمیں واپس کر دیں۔“

ان لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ جواب میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَمَّا مَا كَانَ لِي وَلِبَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَهُوَ لَكُمْ وَ سَأَسْأَلُ النَّاسَ»

”میرا اور بنو عبدالمطلب کا جو حصہ ہے وہ تمھارے لیے ہے اور میں ابھی لوگوں سے پوچھے لیتا ہوں۔“

اس پر انصار اور مہاجرین نے کہا: ”جو ہمارا حصہ ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے۔“

البتہ بعض اعراب، مثلاً: اقرع بن حابس، عیینہ بن حصن اور عباس بن مرداس رضی اللہ عنہم نے انکار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ طَابَتْ نَفْسُهُ أَنْ يَرُدَّ فَسَبِيلُ ذٰلِكَ، وَ إِلَّا فَلْيَرُدَّ، وَلَهُ بِكُلِّ فَرِيضَةٍ سِتُّ فَرَائِضَ مِنْ أَوَّلِ مَا يُفِيءُ اللّٰهُ إِلَيْنَا»

''جو بخوشی واپس کر دے تو بہت اچھی راہ ہے، ورنہ واپس تو بہر حال کر دے اور آئندہ جو سب سے پہلا ''مال فے'' حاصل ہوگا، اس سے ہم اس کو ایک حصے کے بدلے چھ حصے دیں گے۔''

اس کے بعد عیینہ بن حصن کے علاوہ سارے لوگوں نے بخوشی واپس کر دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے قیدیوں کو ایک ایک قبطی چادر عطا فرمائی۔[1] قیدی واپس کرنے کے بعد اب ایک آدمی کے حصے میں یا تو صرف دو اونٹ آتے تھے یا بیس بکریاں۔

عمرۂ جعرانہ (ذی قعدہ 8 ہجری) مال غنیمت کی تقسیم سے فارغ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرے کا احرام باندھا۔ یہی عمرۂ جعرانہ ہے۔[2] اور عمرے سے فارغ ہو کر مدینہ واپسی کی راہ لی اور ذی قعدہ کے 6 دن یا 3 دن باقی تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پہنچ گئے۔[3]

بنوتمیم کی تادیب اور ان کا قبول اسلام (محرم 9 ہجری) محرم 9 ہجری میں مدینے میں خبر پہنچی کہ بنوتمیم، قبائل کو جزیہ نہ دینے پر اکسا رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیینہ بن حصن فزاری رضی اللہ عنہ کی قیادت میں پچاس سواروں کا ایک دستہ بھیجا۔

انھوں نے صحرا میں حملہ کر کے ان کے گیارہ آدمی، اکیس عورتیں اور بچے گرفتار کر لیے اور انھیں مدینہ لے آئے۔ اس کے بعد بنوتمیم کے دس سردار آئے اور مقابلۂ خطابت

① صحیح البخاري، الوكالة، باب إذا وهب شيئا لوكيل، حديث: 2308,2307، سیاق سیرت ابن ہشام اور مغازی الواقدی کا ہے۔ ② صحیح البخاري، العمرة، باب كم اعتمر النبي ﷺ، حديث: 1778. ③ تاریخ ابن خلدون: 47/2. ان غزوات کے لیے نیز دیکھیے، زادالمعاد: 160/2-201، وسیرت ابن ہشام: 389/2،501.

وشاعری کی خواہش کی، چنانچہ ان کے خطیب عطارد بن حاجب نے خطبہ دیا۔ جس کا جواب حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے دیا، پھر ان کے شاعر زبرقان بن بدر نے اشعار کہے۔ جواب میں حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنے اشعار پیش کیے۔ انھوں نے اسلام کے خطیب اور شاعر کی فضیلت کا اعتراف کیا اور مسلمان ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے قیدی واپس کر دیے اور انھیں بہترین تحائف سے نوازا۔

بنو طے کے ''فلس'' کا انہدام اور عدی بن حاتم کا قبولِ اسلام ربیع الاول 9 ہجری

میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں سو اونٹ اور پچاس گھوڑوں سمیت ڈیڑھ سو آدمیوں کا ایک دستہ بنو طے کا ''فلس'' نامی بت ڈھانے کے لیے روانہ کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں کالا پرچم اور سفید جھنڈی تھی۔ انھوں نے جود وکرم میں شہرت یافتہ حاتم طائی کے محلے پر چھاپہ مارا۔ اونٹ بکریاں ہاتھ آئیں، عورتوں اور بچوں کو قید کیا۔ قیدیوں میں حاتم طائی کی صاحبزادی ''سفانہ'' بھی تھیں۔ وہ جب مدینہ لائی گئیں تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں ازراہ احسان بلا فدیہ چھوڑ دیا اور ان کا اکرام کرتے ہوئے انھیں سواری بھی دی۔ وہ ملک شام گئیں، جہاں ان کے بھائی عدی بن حاتم بھاگے ہوئے تھے۔ موصوفہ نے ان سے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کہا: ''آپ ﷺ نے ایسا کام کیا ہے کہ تمھارا باپ بھی ویسا نہیں کر سکتا تھا، لہٰذا ان کے پاس رغبت یا خوف کے ساتھ جاؤ۔''

چنانچہ عدی کسی امان یا تحریر کے بغیر آ گئے اور جب رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کی تو اسی وقت مسلمان ہو گئے۔[1]

وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی نے آ کر فاقے کی شکایت کی، پھر ایک دوسرے آدمی نے آ کر رہزنی کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَا عَدِيُّ! هَلْ رَأَيْتَ الْحِيرَةَ؟ فَلَئِنْ طَالَتْ بِكَ حَيَاةٌ فَلَتَرَيَنَّ الظَّعِينَةَ

(1) مسند أحمد: 278,257/4، وسیرت ابن ہشام: 581/2، وزادالمعاد: 205/2.

تَرْتَحِلُ مِنَ الْحِيرَةِ، حَتّٰى تَطُوفَ بِالْكَعْبَةِ، لَا تَخَافُ أَحَدًا إِلَّا اللّٰهَ، وَ لَئِنْ طَالَتْ بِكَ حَيَاةٌ لَتَفْتَحَنَّ كُنُوزَ كِسْرَى، وَ لَئِنْ طَالَتْ بِكَ حَيَاةٌ لَتَرَيَنَّ الرَّجُلَ يُخْرِجُ مِلْءَ كَفِّهِ مِنْ ذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ يَطْلُبُ مَنْ يَقْبَلُهُ، فَلَا يَجِدُ أَحَدًا يَقْبَلُهُ مِنْهُ»

''عدی! تم نے حیرہ دیکھا ہے۔ اگر تمھاری زندگی دراز ہوئی تو تم دیکھو گے کہ ہودج نشین عورت حیرہ سے چل کر آئے گی، خانہ کعبہ کا طواف کرے گی اور اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا اور اگر تمھاری زندگی دراز ہوئی تو تم کسریٰ کے خزانے فتح کرو گے اور اگر تمھاری زندگی دراز ہوئی تو تم دیکھو گے کہ آدمی ہتھیلی بھر سونا چاندی لے کر نکلے گا اور ایسے آدمی کو تلاش کرے گا جو اسے قبول کرے مگر کوئی قبول کرنے والا نہ ملے گا۔''

حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے ہودج نشین عورت کو نکلتے دیکھا اور کسریٰ کے خزانے کی فتح میں وہ خود موجود تھے۔[1]

بنوتمیم کی تادیب اور بنوطے کے بت کی تباہی دو اہم واقعے تھے، جو فتح مکہ اور غزوۂ حنین کے بعد پیش آئے۔ ان کے علاوہ اس دوران بعض چھوٹے چھوٹے واقعات بھی پیش آئے لیکن مسلمانوں اور بت پرستوں میں جو محاذ آرائی چلی آرہی تھی، وہ فتح مکہ کے بعد عمومی طور پر ختم ہوگئی اور قریب تھا کہ مسلمان جنگوں کی مشقت سے چھٹکارا پا جائیں لیکن فتح مکہ سے تھوڑے ہی دن پہلے جو نئی بات پیش آئی وہ یہ تھی کہ شام میں موجود عیسائی قوت نے مسلمانوں کا رخ کرلیا تھا۔ اسی کے نتیجے میں معرکۂ موتہ پیش آیا تھا۔ چونکہ اہلِ فارس کے خلاف مسلسل کامیابی کی وجہ سے اس قوت میں حد درجہ تکبر آچکا تھا، اس لیے اس نے مسلمانوں کے ساتھ خونریز ٹکراؤ کا دروازہ کھول دیا۔ جس کے نتیجے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ

[1] صحيح البخاري، المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، حديث:3595.

مبارکہ میں غزوۂ تبوک پیش آیا اور آپ ﷺ کے بعد "خلافتِ راشدہ" کے دور میں شام کی فتوحات ہوئیں۔

غزوۂ تبوک (رجب 9 ہجری)

معرکۂ موتہ کا اثر رومی قوت کے حق میں اچھا نہ تھا۔ صرف تین ہزار مسلمانوں نے دو لاکھ رومی فوجیوں کی طاقت کو دبانے میں جو کامیابی حاصل کی تھی، اس کا شام کے پڑوسی عرب قبائل پر بڑا زبردست اثر ہوا۔ اور اب یہ قبائل آزادی وخود مختاری کے خواب دیکھ رہے تھے، لہٰذا رومیوں نے ایک فیصلہ کن جنگ کی ضرورت محسوس کی، جس میں وہ مسلمانوں کو ان کے اپنے گھر، مدینہ منورہ کے اندر ہی صاف کر دیں۔

رومیوں سے ٹکراؤ کے لیے مسلمانوں کی تیاری ادھر رسول اللہ ﷺ کو ان کی تیاری کا علم ہوا تو آپ نے ہر جگہ مسلمانوں کو نکلنے کی منادی کرائی اور غزوے کی جہت کا واضح طور پر اعلان فرمایا تاکہ لوگ مکمل تیاری کر لیں کیونکہ زمانہ سخت گرمی کا تھا۔ لمبا سفر تھا، لوگ تنگی اور قحط سے دوچار تھے، پھل پک چکے تھے، سائے خوش گوار لگ رہے تھے اور لوگ اس میں قیام پسند کر رہے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے اہلِ ثروت کو تنگ دستوں کی تیاری کی ترغیب دی اور ان سے جو کچھ بن سکا لے آئے۔ سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنا سارا مال لے آئے، جو چار ہزار درہم تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا:

«هَلْ أَبْقَيْتَ لِأَهْلِكَ شَيْئًا؟» "اپنے اہل کے لیے بھی کچھ باقی چھوڑا ہے؟"

عرض کی "کہ ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑا ہے۔"

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنا آدھا مال لائے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے، کہا جاتا ہے کہ دس ہزار دینار، پالان اور کجاوے سمیت تین سو اونٹ اور پچاس گھوڑے دیے اور کہا جاتا ہے کہ انھوں نے نو سو اونٹ اور ایک سو پچاس گھوڑے دیے۔ نبی ﷺ نے ان کے

بارے میں فرمایا: «مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ»

''آج کے بعد عثمان جو بھی کریں، انھیں نقصان نہ ہوگا۔''

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ دو سو اوقیہ (آٹھ ہزار درہم) چاندی لائے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بہت سا مال لائے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ وغیرہ بھی مال لے کر آئے۔ حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نوے وسق (ساڑھے تیرہ ہزار کلو) کھجور لائے۔ بقیہ صحابہ نے بھی اپنی اپنی بساط کے مطابق صدقات کی لائن لگا دی۔ یہاں تک کہ کسی نے ایک مد، دو مد صدقہ کیا چونکہ وہ اس سے زیادہ کی طاقت ہی نہیں رکھتے تھے۔ عورتوں نے اپنے زیورات تک بھیجے۔ تنگ دست صحابہ رضی اللہ عنہم آپ سے سواری طلب کرنے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ۝﴾

''میں کچھ نہیں پاتا جس پر آپ لوگوں کو سوار کروں تو وہ اس حال میں واپس ہوئے کہ ان کی آنکھیں اس افسوس میں اشکبار تھیں کہ وہ خرچ کرنے کو کچھ نہ پا سکے۔''[1]

چنانچہ انھیں حضرت عثمان اور حضرت عباس وغیرہ رضی اللہ عنہم نے تیار کیا۔

اس موقع پر منافقین نے چہ میگوئی بھی کی، چنانچہ جنھوں نے زیادہ خرچ کیا، انھیں ریاکاری کے طعنے دیے۔ جنھوں نے کم خرچ کیا، ان کا مذاق اڑایا اور رومیوں سے ٹکراؤ کی جرأت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی مذاق اڑایا۔ جب باز پرس ہوئی تو کہنے لگے: ''ہم تو محض دل لگی کر رہے تھے۔''

ادھر منافقین اور بدوی بناوٹی عذر لے لے کر آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے غزوے میں شرکت سے رخصت کی اجازت چاہی۔ آپ نے اجازت دے دی۔ ان کے علاوہ بعض مسلمان محض سستی کی وجہ سے پیچھے رہ گئے۔

[1] التوبة 92:9.

اسلامی لشکر راہ تبوک میں اس تیاری کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مدینے کا انتظام محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو سونپا، بال بچوں پر علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو نگران مقرر کیا۔ لشکر کا سب سے بڑا پرچم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیا اور کئی لوگوں کو جھنڈے عطا فرمائے۔ مہاجرین کا جھنڈا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو دیا، اوس کا جھنڈا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو اور خزرج کا جھنڈا حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو دیا۔ جمعرات کے دن مدینے سے کوچ فرمایا۔ آپ ﷺ کے ساتھ تیس ہزار کا لشکر تھا اور منزلِ مقصود تبوک تھی۔ سواری اور توشے کی سخت قلت تھی، اٹھارہ اٹھارہ آدمی ایک ہی اونٹ پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ لوگوں نے درختوں کے پتے کھائے، یہاں تک کہ ان کے ہونٹ سوج گئے۔ سواریوں کی قلت کے باوجود اونٹ ذبح کرنے پر مجبور ہوئے تا کہ ان کے معدے اور آنتوں کا پانی پی سکیں۔

لشکر ''تبوک'' کے راستے پر رواں دواں تھا کہ حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ آن ملے۔ وہ منافقین کے طعنے برداشت نہ کر سکے اور نکل آئے لیکن رسول اللہ ﷺ نے انھیں واپس کر دیا اور فرمایا:

«أَمَا تَرْضٰى أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسٰى، إِلَّا أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي»

''کیا تم اس بات سے راضی نہیں کہ مجھ سے تمھیں وہی نسبت ہو جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حضرت ہارون علیہ السلام کو تھی، البتہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔''[1]

صحابہ رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ثمود کی سرزمین ''حجر'' میں اترے، اس کے کنویں سے پانی لیا اور آٹا گوندھا۔ آپ نے حکم دیا کہ ان کے کنویں سے لیا ہوا پانی بہا دیں، گوندھا ہوا آٹا جانوروں کو کھلا دیں اور صرف اس کنویں سے پانی لیں، جس سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیا کرتی تھی۔ اور جب آپ ثمود کے اس علاقے سے گزرے تو آپ ﷺ نے

[1] صحیح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، حدیث:3706.

یہ بھی فرمایا:

«لَا تَدْخُلُوا مَسَاكِنَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ إِلَّا أَنْ تَكُونُوا بَاكِينَ، أَنْ يُصِيبَكُمْ مَا أَصَابَهُمْ»

"ان ظالموں کی جائے سکونت میں گریہ کناں داخل ہونا مبادا تم پر بھی وہی مصیبت آن پڑے جوان پر آئی تھی۔"

پھر اپنا سر ڈھانپا اور تیزی سے چل کر وادی پار کر گئے۔ [1] راستے میں رسول اللہ ﷺ ظہر اور عصر کی نمازیں، مغرب اور عشاء کی نمازیں اکٹھی پڑھتے تھے۔ جمع تقدیم بھی فرماتے اور جمع تاخیر بھی۔ [2]

تبوک میں اتر چکے تو حضرت ابو خَیثمہ رضی اللہ عنہ آن ملے۔ یہ سچے مومن تھے۔ بغیر کسی عذر کے بچھڑ گئے تھے۔ سخت گرمی کا دن تھا۔ اپنے باغ میں آئے تو دیکھا کہ دونوں بیویوں نے اپنے اپنے چھپر پانی کے چھینٹے دے کر آراستہ کر رکھے ہیں۔ کھانا اور ٹھنڈا پانی بھی فراہم کر رکھا ہے۔ انھوں نے کہا:

"رسول اللہ ﷺ تو سخت گرمی میں ہیں اور ابو خیثمہ ٹھنڈے سائے، میٹھے پانی اور خوبصورت عورتوں میں۔ یہ انصاف نہیں، واللہ! میں تم میں سے کسی کے چھپر میں داخل نہ ہوں گا، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ سے جا ملوں، تم دونوں میرے لیے توشہ تیار کردو۔"

اُنھوں نے ایسا ہی کیا، پھر ابو خیثمہ رضی اللہ عنہ اپنے اونٹ پر سوار ہوئے، تلوار اور نیزہ لیا اور چل پڑے، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ سے اس وقت ملے جب آپ تبوک میں اتر چکے تھے۔ [3]

[1] صحيح البخاري، الصلاة، باب الصلاة في مواضع الخسف و العذاب، حديث: 433.
[2] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الجمع بين الصلاتين في الحضر، حديث: 706، ومسند أحمد: 237/5. [3] دلائل النبوة للبيهقي: 223/5.

تبوک میں بیس دن رومیوں کو ”تبوک“ میں رسول اللہ ﷺ کی آمد کا علم ہوا تو ان کے حوصلے ٹوٹ گئے۔ مقابلے کی ہمت نہ ہوئی اور وہ اندرونِ ملک بکھر گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے بیس دن قیام فرما کر دشمن پر رعب ڈالا اور وفود کا استقبال کیا۔ آپ ﷺ کے پاس ”ایلہ“ کا حاکم یوحنا بن روبہ آیا۔ اس کے ساتھ ”جرباء، اذرح اور مینا“ کے بھی وفود تھے، انھوں نے جزیہ دینے کی شرط پر صلح کی مگر مسلمان نہ ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے یوحنا کو ایک تحریر دی جس میں اُسے اور باشندگان ”ایلہ“ کو امان دی اور ان کی کشتیوں اور قافلوں کو سمندر اور خشکی میں ضمانت دی اور آمد ورفت کی آزادی عطا فرمائی اور یہ کہ کسی نے کوئی گڑ بڑ کی تو اس کا مال اس کی جان کے آڑے نہ آسکے گا۔[1]

اسی طرح آپ ﷺ نے ایک تحریر ”جرباء اور اذرح“ کے باشندوں کے لیے لکھی، جس میں ان کو امان دی اور یہ کہ ان پر ہر رجب میں سو دینار واجب الادا ہوں گے۔ اہل ”میناء“ نے آپ سے چوتھائی پھل کی ادائی پر صلح کی۔

”دُومۃ الجندل“ کے اُکیدر کی گرفتاری رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو چار سو بیس سواروں کی معیت میں دومۃ الجندل کے اکیدر کی طرف روانہ کیا اور فرمایا:

«إِنَّكَ سَتَجِدُهُ يَصِيدُ الْبَقَرَ» ”تم اسے نیل گائے کا شکار کرتے ہوئے پاؤ گے۔“

حضرت خالد رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے، جب فاصلہ اتنا رہ گیا کہ قلعہ نظر آرہا تھا تو ایک نیل گائے نکلی اور قلعے کے دروازے پر سینگ رگڑنے لگی۔ اکیدر اس کے شکار کو نکلا مگر خالد رضی اللہ عنہ نے خود اکیدر کو شکار کر لیا اور اسے گرفتار کر کے نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ ﷺ نے جان بخشی فرمائی اور دو ہزار اونٹ، آٹھ سو غلام، چار سو زرہوں اور چار سو نیزوں پر صلح فرمائی۔ اس نے ”ایلہ اور میناء“ والوں کی شرائط پر جزیہ بھی دینے کا اقرار کیا۔[2]

مدینے کو واپسی: بیس دن کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مدینے واپسی کی راہ لی، راستے میں آتے جاتے تیس دن لگے۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ کل پچاس دن مدینے سے باہر رہے۔

① دلائل النبوة للبيهقي 248,247/5. ② دلائل النبوة للبيهقي:251,250/5.

راستے میں لشکر ایک گھاٹی سے گزرا، لوگوں نے وادی کی راہ لی اور رسول اللہ ﷺ نے گھاٹی کا راستہ اختیار کیا۔ آپ ﷺ کے ساتھ صرف حضرت عمار رضی اللہ عنہ تھے، جو اونٹنی کی نکیل تھامے ہوئے تھے اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ تھے، جو اونٹنی کو ہانک رہے تھے۔ موقع غنیمت جان کر بارہ منافقین نے قتل کے ارادے سے آپ ﷺ کا پیچھا کیا اور آپ کے انتہائی قریب آ گئے۔ یہ چہروں پر ڈھاٹا باندھے ہوئے تھے۔ آپ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ ان کی سواریوں کے چہروں پر اپنی ڈھال سے ضرب لگائیں۔ انھوں نے ضرب لگائی تو اللہ نے منافقین پر رعب ڈال دیا اور وہ تیزی سے بھاگ کر لوگوں میں جا ملے۔ رسول اللہ ﷺ نے حذیفہ رضی اللہ عنہ کو ان کے نام بھی بتلائے اور ان کا ارادہ بھی، چنانچہ اُنھیں رسول اللہ ﷺ کا رازداں کہا جانے لگا۔[1]

مسجد ضرار کا انہدام منافقین نے ضرر رسانی، کفر، مومنین میں تفریق اور اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے والوں کو گھات کی جگہ فراہم کرنے کے لیے قباء میں ایک مسجد بنائی تھی اور رسول اللہ ﷺ سے گزارش کی تھی کہ آپ اس مسجد میں ان کے لیے نماز پڑھ دیں۔ اس وقت آپ ﷺ تبوک کے لیے تیار ہو رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّا عَلٰی سَفَرٍ وَّ لٰكِنْ إِذَا رَجَعْنَا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ»

''ابھی تو ہم سفر پر ہیں، البتہ واپس آئے تو ان شاء اللہ!''

لیکن جب آپ تبوک سے واپسی میں ''ذی اوان'' میں اترے اور مدینہ ایک دن یا اس سے بھی کم وقت کے فاصلے پر رہ گیا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے نازل ہو کر مسجد کی اصل حقیقت بتائی اور نماز پڑھنے سے منع کیا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے آدمی بھیج کر اسے جلا کر مسمار کرا دیا۔[2]

اہل مدینہ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کا استقبال جب مدینے کے آثار دکھائی دینے لگے تو نبی ﷺ نے فرمایا:

[1] دلائل النبوۃ للبیهقي:5/259. [2] دلائل النبوۃ للبیهقي:5/260.

«هٰذِهٖ طَابَةُ وَ هٰذَا أُحُدٌ، جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ»

''یہ رہا طابہ اور یہ رہا احد، یہ وہ پہاڑ ہے، جو ہم سے محبت کرتا ہے اور جس سے ہم محبت کرتے ہیں۔''[1]

ادھر لوگوں نے آپ کی آمد کی خبر سنی تو استقبال کے لیے عورتیں بچے اور بچیاں نکل پڑیں[2] جو یہ شعر گنگنا رہی تھیں:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِ

''ہم پر ثنیۃ الوداع سے چودھویں کا چاند طلوع ہوا۔ جب تک پکارنے والا اللہ کو پکارے، ہم پر شکر واجب ہے۔''

آپ ﷺ تشریف لائے، مسجد میں داخل ہوئے، دو رکعت نماز پڑھی اور لوگوں سے ملنے کے لیے بیٹھ گئے۔

مخلفین جو منافقین پیچھے رہ گئے تھے، انھوں نے آ کر معذرت کی اور قسمیں کھائیں۔ آپ ﷺ نے ان کا ظاہر قبول کر لیا اور باطن اللہ کے حوالے کر دیا۔ تین سچے مومن بھی آئے جو پیچھے رہ گئے تھے اور یہ تھے:

کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہم۔

انھوں نے سچ سچ کہا۔ کوئی عذر نہیں تراشا۔ نبی ﷺ نے حکم دیا کہ اللہ کے فیصلے کا انتظار کریں اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ ان سے بات نہ کریں، چنانچہ ان کے لیے لوگ بدل گئے، زمین انجانی ہو گئی، وہ اپنے آپ سے تنگ آ گئے اور دنیا اندھیر ہو گئی۔ چالیس دن گزرے تو مزید حکم آیا ''کہ اپنی عورتوں کے قریب بھی نہ جائیں۔''

پچاس دن پورے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی قبولیتِ توبہ کی آیت نازل کی، فرمایا:

[1] صحيح البخاري، الزكاة، باب خرص التمر، حديث:1481. [2] صحيح البخاري، المغازي، باب كتاب النبي ﷺ إلى كسرى و قيصر، حديث:4426.

﴿وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ حَتّٰٓي اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُھُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○﴾

"اور اللہ نے ان تین آدمیوں (کی بھی توبہ قبول کی،) جن کا معاملہ مؤخر کر دیا گیا تھا، یہاں تک کہ جب زمین اپنی کشادگی کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی۔ ان کی جان پر بن آئی اور انھوں نے یقین کر لیا کہ اللہ سے (بھاگ کر) پناہ کی کوئی جگہ اور نہیں ہے، اگر ہے تو اسی کی طرف ہے تو اللہ نے ان پر مہربانی کی تاکہ وہ توبہ کریں۔ یقیناً اللہ توبہ قبول کرنے والا رحیم ہے۔"[1]

اس سے مسلمانوں اور پیچھے رہ جانے والوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ لوگوں نے ایک دوسرے کو خوش خبری اور مبارک باد دی۔ انعام دیے اور صدقے کیے اور یہ ان کی زندگی کا مبارک ترین دن تھا۔[2]

اس موقع پر بعض آیتوں نے منافقین کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ ان کے جھوٹ کا راز کھول دیا اور سچے مومنین کو بشارتیں دیں۔ پس سب تعریف تمام جہانوں کے پروردگار کے لیے ہے۔[3]

رسول اللہ ﷺ رجب سنہ 9 ہجری میں تبوک سے واپس ہوئے۔ اسی مہینے نجاشی شاہ حبشہ "اصحمہ بن ابجر" نے وفات پائی۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینے میں ان کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی۔

پھر شعبان 9 ہجری میں آپ ﷺ کی صاحب زادی حضرت امِ کلثوم رضی اللہ عنہا نے وفات پائی۔ آپ ﷺ نے ان کی جنازہ پڑھی، بقیع میں دفن فرمایا اور سخت غمگین ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا: «لَوْ كَانَتْ عِنْدِي ثَالِثَةٌ لَزَوَّجْتُكَهَا»

[1] التوبة 9:118. [2] صحيح البخاري، المغازي، باب حديث كعب بن مالك، حديث: 4418.
[3] سيرت ابن هشام: 2/515-537، وزادالمعاد: 3/2-13، وصحيح مسلم، الفضائل، باب في معجزات النبي ﷺ، حديث: 1392، وشرح نووي: 2/246، وفتح الباري: 8/110-126.

”اگر میرے پاس تیسری لڑکی ہوتی تو اس کو بھی تمھی سے بیاہ دیتا۔“[1]

پھر ذی قعدہ 9 ہجری میں منافقوں کا سردار عبد اللہ بن اُبی فوت ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے دعائے مغفرت کی اور اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی نماز جنازہ پڑھنے سے آپ ﷺ کو روکنے کی کوشش کی مگر آپ نہ مانے، پھر قرآن کریم کی وہ آیت نازل ہوگئی، جس میں منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے سے منع کر دیا گیا۔[2]

غزوات کے متعلق چند کلمات

جاہلیت میں جنگ کے معنی تھے، بغیر کسی رحم و مروت کے قتل و غارت گری، آتش زنی، اکھاڑ پچھاڑ، لوٹ مار، عورتوں کی بے حرمتی، زمین میں فساد، کھیتی باڑی اور جانوروں کی تباہ کاری لیکن اسلام نے آکر جنگ کے مطلب کو مکمل طور پر بدل دیا، چنانچہ اس نے جنگ کو مظلومین کی مدد، ظالموں کی سرکوبی، زمین پر امن وامان پھیلانے، عدل قائم کرنے، کمزوروں کو طاقتوروں کے چنگل سے چھڑانے، بندوں کو بندوں کی عبادت سے نکال کر اللہ کی عبادت کی طرف لگانے اور باطل ادیان کے ظلم سے اسلام کے عدل کی طرف لانے کا ذریعہ بنا دیا۔

عربوں کی عادت نہ تھی کہ کسی کے سامنے سر جھکائیں، خواہ جنگ کتنی ہی طول پکڑے اور قیمت بھی کتنی ہی زبردست چکانی پڑے، چنانچہ بکر و تغلب کے درمیان ”جنگ بسوس“ چالیس سال تک چلتی رہی اور فریقین کے کوئی ستر ہزار آدمی مارے گئے مگر کسی نے دوسرے کے سامنے سر نہ جھکایا۔ اوس و خزرج کی لڑائی سو سال سے زیادہ چلی مگر کسی نے بھی دوسرے کے سامنے سر نہ جھکایا۔ جنگ جاری رکھنا اور دشمن کے سامنے کبھی سر نہ جھکانا، اسلام سے پہلے عربوں کی معلوم و معروف عادت تھی۔

[1] مجمع الزوائد: 83/9. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله استغفرلهم ......، حديث: 4671.

پھر رسول اللہ ﷺ دینِ اسلام لے کر آئے تو عرب نے آپ ﷺ کا بھی اسی اسلوب سے سامنا کیا اور آپ کو بھی میدانِ جنگ تک گھسیٹ لائے لیکن آپ نے ایک دوسرے ہی اسلوب سے ان کا سامنا کیا جو نہایت حکیمانہ تھا، یہاں تک کہ ان کا ملک فتح کرنے سے پہلے ان کے دل جیت لیے۔ آپ کے غزوات میں کام آنے والوں کی تعداد اور ان غزوات کے نتائج کا تقابل جب جاہلیت میں پیش آنے والی جنگوں کے نتائج سے کیا جائے تو عجیب وغریب بات سامنے آتی ہے۔ آپ کے غزوات اور جنگوں میں قتل ہونے والے سارے مسلمان، مشرکین اور یہود ونصاریٰ کی تعداد مجموعی طور پر کم وبیش ایک ہزار بنتی ہے اور ان غزوات میں جو مدت صرف ہوئی وہ آٹھ سال سے زیادہ نہیں مگر اتنے تھوڑے عرصے میں اور اتنا معمولی سا خون بہا کر آپ نے تقریباً پورے جزیرۂ عرب کو اپنا تابع فرمان بنا لیا اور اس کے اطراف واکناف میں امن وامان کا دور دورہ ہو گیا۔

کیا آپ سمجھتے ہیں کہ یہ تلوار کی قوت سے ممکن ہے؟ بالخصوص ان لوگوں کے لیے جو معمولی بات پر نہ ختم ہونے والی جنگ چھیڑ دیتے تھے اور ہزاروں پر ہزار افراد قربان کرتے جاتے تھے مگر یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ دوسرے فریق کے سامنے سر جھکائیں گے۔ ہرگز نہیں بلکہ آپ نے جو کچھ پیش فرمایا وہ نبوت اور رحمت تھی، رسالت اور حکمت تھی، دعوت اور معجزہ تھا اور اللہ کا فضل اور اس کی نعمتِ خاص تھی۔

فرضیتِ حج (9 ہجری) اور حجۃ الوداع (10 ہجری)

عرب سمجھتے تھے کہ وہ دینِ ابراہیم پر ہیں اور اس دین کا جو شعار اب تک انھوں نے قائم رکھا تھا، وہ بیت اللہ شریف کا حج تھا، چنانچہ وہ ہر سال حج کا زبردست اہتمام کرتے تھے اور اس میں انھوں نے بہت سی تبدیلیاں کر کے کئی بدعتیں شامل کر لی تھیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے 8 ہجری میں مکہ فتح کیا اور حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو اس کا امیر مقرر کیا تو اس سال اُنھی کی امارت میں مسلمان اور مشرکین سب نے حج کیا، جیسا کہ وہ زمانۂ جاہلیت سے حج کرتے آرہے تھے، کوئی چیز تبدیل نہیں کی گئی لیکن اگلے سال 9 ہجری کا حج آیا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حج کا امیر بنا کر بھیجا کہ وہی لوگوں کو حج کرائیں۔ وہ ذیقعدہ 9 ہجری کے اواخر میں تین سو اہل مدینہ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھ قربانی کے لیے رسول اللہ ﷺ کے بیس اور اپنے پانچ اونٹ تھے۔

اس کے بعد سورۂ براءت کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں، جن میں ان تمام مشرکین سے عہد توڑنے کا حکم تھا جنھوں نے اپنے عہد کی پاسداری نہیں کی تھی اور ان کو اور ان لوگوں کو جن کا سرے سے کوئی عہد ہی نہیں تھا، چار مہینے کی مہلت دی گئی تھی کہ اس دوران میں جس طرح چاہیں زمین میں گھوم پھر لیں تاکہ انھیں معلوم ہو جائے کہ وہ اللہ کو بے بس نہیں کر سکتے اور یہ کہ اللہ کافروں کو رسوا کر کے رہے گا، البتہ جو مشرکین اپنے عہد پر قائم تھے، انھوں نے اسے توڑا نہیں تھا اور مسلمانوں کے خلاف کسی کی مدد نہیں کی تھی، ان کا عہد پورا کرنے کا حکم دیا گیا۔

یہ آیات نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دے کر بھیجیں کہ وہ حجِ اکبر کے دن انھیں لوگوں

تک پہنچا دیں اور فرمایا کہ میری طرف سے میرا ہی آدمی اعلان کرے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ملاقات ضجنان[1] یا عرج[2] میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا ''امیر ہو یا مامور؟''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ''مامور۔'' چنانچہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھتے رہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حج کرایا۔ جب (دس ذوالحجہ) قربانی کا دن آیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جمرہ کے پاس کھڑے ہو کر لوگوں پر ''سورۂ براءت'' کی ابتدائی آیات پڑھیں جس میں عہد توڑنے، مہلت دینے اور پابندی کرنے والوں کا عہد پورا کرنے کا حکم ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو بھیج کر یہ منادی کرائی کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کر سکتا اور نہ کوئی ننگا آدمی بیت اللہ کا طواف کر سکتا ہے۔[3]

وفود، مبلغین اور دیگر عمال

قریش اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں جو کشاکش برپا تھی، عرب اس کے نتیجے کا انتظار کر رہے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ ''باطل قوت'' اور فتح کے ذریعے سے مسجد حرام پر قبضہ نہیں ہو سکتا۔ اصحاب فیل کا واقعہ زیادہ دور کی بات نہ تھی، لہٰذا جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد حرام میں داخلے کا شرف بخشا اور کفارِ مکہ پر غلبہ عطا فرما دیا تو آپ کے ''رسول برحق'' ہونے میں انھیں کوئی شبہ نہ رہا، چنانچہ فتح مکہ کے بعد آپ کی خدمت میں آنے والے عرب وفود کا تانتا بندھ گیا، جو آپ کی رسالت پر ایمان لاتے اور آپ کی اطاعت کا اقرار کرتے تھے۔ اس طرح لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے لگے اور تھوڑے دنوں میں اسلامی

[1] ضَجْنَان: مکہ سے 25 میل شمال میں تہامہ کے اندر واقع ایک پہاڑ (معجم البلدان: 453/3).
[2] عَرْج: مکہ اور مدینہ کے مابین جادۂ حجاج پر ایک گھاٹی (معجم البلدان: 98/4). [3] صحیح البخاري، الصلاة، باب مایستر من العورة، حدیث:369، وسیرت ابن هشام: 543-546/2، وزادالمعاد:25,26/3.

حکومت کا رقبہ بحرِ احمر کے ساحل سے خلیج عربی کے ساحل تک، نیز جنوب میں اردن اور اطراف شام کے علاقے سے یمن اور عمان کے ساحل تک پھیل گیا اور نبی ﷺ اس دور دور تک پھیلے ہوئے ملک کا نظم ونسق ٹھیک کرنے میں لگ گئے۔ آپ ﷺ نے مبلغین بھیجے، حکام مقرر فرمائے، صدقات وصول کرنے والوں کو روانہ کیا اور لوگوں اور شہروں کا نظام جن قضاۃ وعمال کا محتاج ہوتا ہے، اُنھیں فراہم کیا۔ آئندہ سطروں میں ہم ان شاء اللہ حسب ضرورت ان سب کا ذکر کریں گے۔

عام الوفود جو وفود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے عام اہل سیر کے مطابق ان کی تعداد ستر سے زیادہ ہے۔ بعض اہل علم نے ان وفود کی صحیح تعداد معلوم کرنے کی کوشش کی، خواہ روایت ثابت ہو یا نہ ہو تو ان کی تعداد تقریباً سو تک پہنچ گئی۔ ان وفود کی آمد فتح مکہ سے پہلے شروع ہو چکی تھی اور بعض وفود تو ہجرت کے ابتدائی سالوں میں آئے تھے بلکہ بعض ہجرت سے بھی پہلے آئے تھے لیکن ان کی آمد کا عام سلسلہ اور پے در پے شکل میں، فتح مکہ کے بعد 9 ہجری میں شروع ہوا اور یہ سلسلہ 10 ہجری بلکہ اس کے بھی بعد تک جاری رہا، اسی لیے 9 ہجری کو وفود کا سال کہا جاتا ہے۔

یہ وفود زیادہ تر قبائل کے سردار، رؤسا اور اہل حل وعقد پر مشتمل ہوتے تھے اور بسا اوقات آدمی تنہا یا چھوٹی سی جماعت کے ہمراہ آتا تھا۔

پھر ان وفود کے آنے کا مقصد، ہر وفد کے اعتبار سے الگ الگ ہوتا تھا۔ کوئی قیدیوں اور گرفتاروں کو چھڑانے آتا تھا، جیسا کہ وفد ہوازن اور وفد تمیم کے ذکر میں گزرا تو کوئی فقط اپنے لیے یا اپنے اور اپنی قوم دونوں کے لیے امان کا طالب بن کر آیا۔ کوئی فخر ومباہات یا مناظرے اور مجادلے کے لیے آیا۔ کوئی یہ گزارش کرنے آیا کہ اسلامی لشکر واپس چلا جائے تاکہ اس کی قوم پر حملہ نہ ہو۔ کسی نے آکر اطاعت اور جزیہ ادا کرنے کا اقرار کیا۔ کسی نے آکر اسلام میں اپنی رغبت ظاہر کی اور اپنی قوم سے بھی اسی توقع کا اظہار کیا۔ کوئی مسلمان، فرمانبردار اور اپنی قوم کا نمائندہ بن کر آیا اور کسی نے اسلامی تعلیمات واحکام جاننے کی رغبت

ظاہر کی۔

ادھر رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جس بشاشت اور کریمانہ اخلاق والا بنا کر پیدا فرمایا تھا، اس کے مطابق آپ ان وفود کا استقبال فرماتے تھے، انھیں خوش کن تحائف سے نوازتے تھے، اسلام کی ترغیب دیتے تھے اور ایمان اور شریعت کی باتیں سکھاتے تھے کہ وہ اپنے بعد آنے والوں کو سکھائیں۔ درحقیقت یہ وفود صحراؤں میں رہنے والے بدوؤں کے اندر دین کو تیزی سے پھیلانے کا اہم ذریعہ تھے، چنانچہ ان کے نتائج، اغراض ومقاصد کے تنوع اور اسباب و وجوہ کے اختلاف کے باوجود یہ نکلتے تھے کہ پہلے وفد میں آنے والوں نے اسلام قبول کیا، پھر جلد یا تھوڑے ہی دنوں بعد ان کی قوم نے بھی اسلام قبول کرلیا۔ اس سے صرف چند وفود مستثنیٰ ہیں، مثلاً: بنوحنیفہ اور مسیلمہ کذاب کا وفد۔ اب ذیل میں چند اہم وفود کا ذکر کیا جاتا ہے:

قبیلہ عبدالقیس کا وفد یہ لوگ مشرقی عرب کے باشندے تھے اور مدینے سے باہر پہلے پہل انھی نے اسلام قبول کیا تھا، چنانچہ مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلا جمعہ اُنھی کی مسجد میں ادا کیا گیا جو بحرین کے ''جواثی'' نامی گاؤں میں تھی۔ [1] بنوعبدالقیس کا وفد دو مرتبہ آیا۔ ایک مرتبہ 5 ہجری میں اور ایک مرتبہ وفود کے سال، پہلی بار آنے والے افراد کی تعداد تیرہ یا چودہ تھی۔ یہ لوگ جب مدینہ پہنچے اور نبی ﷺ کو دیکھا تو مسجد کے دروازے ہی پر اپنی سواریوں سے کود پڑے، لپک کر خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور سلام کیا۔ ان کے ساتھ ایک شخص منذر بن عائذ بن حارث الاشج تھا، جو عمر میں سب سے چھوٹا تھا، اس نے سواریوں کے پاس رک کر انھیں بٹھایا۔ سامان اکٹھا کیا۔ دو سفید کپڑے نکال کر پہنے، پھر اطمینان سے چل کر آیا اور نبی ﷺ کو سلام کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ فِيكَ لَخَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ: الْحِلْمُ وَالْأَنَاةُ»

[1] صحيح البخاري، الجمعة، باب الجمعة في القرى والمدن، حديث:892.

’’تم میں دو خصلتیں ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے: ’’دور اندیشی اور بردباری۔‘‘[1]

نبی ﷺ نے ان کے مدینہ پہنچنے سے پہلے فرمایا تھا:

«سَيَطْلُعُ عَلَيْكُمْ رَكْبٌ هُمْ خَيْرُ أَهْلِ الْمَشْرِقِ، لَمْ يُكْرَهُوا عَلَى الْإِسْلَامِ، قَدْ أَنْضَوُا الرَّكَائِبَ وَ أَفْنَوُا الزَّادَ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِ الْقَيْسِ»

’’تم پر ایک قافلہ نمودار ہوگا، جو اہل مشرق میں سب سے بہتر ہے، جسے اسلام پر مجبور نہیں کیا گیا۔ انھوں نے اپنی سواریاں تھکائیں اور اپنا توشہ ختم کیا۔ اے اللہ! عبدالقیس کو بخش دے۔‘‘ پھر جب وفد آ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَرْحَبًا بِكُمْ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا نَدَامٰى» ’’خوش آمدید ہو، نہ رسوا ہوئے نہ نادم۔‘‘

انھوں نے آپ سے ایسی فیصلہ کن بات پوچھی، جس پر خود بھی عمل کریں اور ان لوگوں کو بھی باخبر کریں، جنھیں پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ آپ ﷺ نے انھیں چار باتوں کا حکم دیا جو یہ ہیں:

«شَهَادَةُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ»

«لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ» کی گواہی دینا۔

«وَ إِقَامُ الصَّلَاةِ» ’’نماز قائم کرنا۔‘‘

«وَ إِيْتَاءُ الزَّكَاةِ» ’’زکاۃ دینا۔‘‘

«وَ صَوْمُ رَمَضَانَ» ’’رمضان کے روزے رکھنا۔‘‘

ابھی چونکہ حج فرض نہیں ہوا تھا، اس لیے اس کا حکم نہیں دیا، البتہ فرمایا کہ مالِ غنیمت سے پانچواں حصہ ادا کریں۔ انھیں نشہ آور مشروبات کی ممانعت بھی فرمائی جو وہ بکثرت پیتے تھے اور ان برتنوں کے استعمال سے بھی منع فرمایا، جن میں وہ شراب بنایا کرتے تھے۔[2]

دوسری بار وفدِ عبدالقیس کی آمد ان کے چالیس آدمی آئے جن میں جارود بن علاء

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب الأمر بالإيمان بالله تعالى ورسوله ﷺ......، حديث: 18.

[2] صحيح البخاري، الإيمان، باب أداء الخمس من الإيمان، حديث: 53.

عبدی بھی تھے۔ یہ نصرانی تھے۔ یہاں آ کر مسلمان ہو گئے اور ان کا اسلام اچھا رہا۔[1]

سعد بن بکر کے رئیس ضمام بن ثعلبہ کی آمد یہ بادیہ (جنگل) کے رہنے والے تھے۔ اکھڑ مزاج تھے۔ دو چوٹیاں رکھے ہوئے تھے۔ مدینہ پہنچے۔ مسجد نبوی میں اپنی اونٹنی باندھی پھر کہا:

''تم میں ابن عبدالمطلب کون ہے؟''

لوگوں نے بتایا تو آپ ﷺ کے قریب آئے اور کہا:

''اے محمد! میں آپ سے پوچھوں گا اور پوچھنے میں آپ پر سختی کروں گا۔ مجھ پر اپنے جی میں خفا نہ ہوں۔''

آپ ﷺ نے فرمایا: «سَلْ مَا بَدَا لَكَ» ''جو چاہو سو پوچھو۔''

انھوں نے کہا: ''ہمارے پاس آپ کا قاصد آیا۔ اس نے بتایا کہ آپ کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔''

آپ ﷺ نے فرمایا: «صَدَقَ» ''اس نے سچ کہا۔''

انھوں نے پوچھا: ''اچھا تو آسمان کس نے پیدا کیے؟''

آپ نے فرمایا: ''اللہ نے۔'' انھوں نے کہا: ''اچھا تو زمین کس نے پیدا کی؟''

آپ نے فرمایا: ''اللہ نے۔''

انھوں نے کہا: ''اچھا یہ پہاڑ کس نے نصب کیے؟ اور اس میں جو کچھ بنایا کس نے بنایا؟''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ نے۔''

انھوں نے کہا: ''تو اس ذات کی قسم جس نے آسمان پیدا کیے، زمین پیدا کی اور ان پہاڑوں کو نصب کیا، کیا اللہ نے آپ کو رسول بنایا ہے؟''

آپ ﷺ نے فرمایا: «نَعَمْ» ''ہاں!''

[1] فتح الباري:8/86,85، وشرح نووي:1/33.

انھوں نے کہا: ''آپ کے قاصد کا یہ بھی کہنا ہے کہ ہم پر دن رات میں پانچ نمازیں (فرض) ہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: «صَدَقَ» ''اس نے سچ کہا۔''

انھوں نے کہا: ''تو اس ذات کی قسم جس نے آپ کو رسول بنایا، کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: «نَعَمْ» ''ہاں!''

انھوں نے کہا: ''آپ کے قاصد کا یہ بھی کہنا ہے کہ ہم پر ہمارے اموال پر زکاۃ دینا فرض ہے۔''

آپ ﷺ نے فرمایا: «صَدَقَ» ''اس نے سچ کہا۔''

انھوں نے کہا: ''تو اس ذات کی قسم جس نے آپ کو رسول بنایا، کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: «نَعَمْ» ''ہاں!''

انھوں نے کہا: ''آپ کے قاصد کا یہ بھی کہنا ہے کہ ہم پر سال میں رمضان کے مہینے کے روزے فرض ہیں۔'' آپ نے فرمایا: «صَدَقَ» ''اس نے سچ کہا۔''

انھوں نے کہا: ''تو اس ذات کی قسم جس نے آپ کو رسول بنایا، کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟'' آپ نے فرمایا: «نَعَمْ» ''ہاں!''

انھوں نے کہا: ''آپ کے قاصد کا یہ بھی کہنا ہے کہ ہم میں جو بیت اللہ تک راستے کی طاقت رکھتا ہو اس پر حج فرض ہے۔''

آپ نے فرمایا: «صَدَقَ» ''اس نے سچ کہا۔''

انھوں نے کہا: ''تو اس ذات کی قسم جس نے آپ کو رسول بنایا، کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ آپ نے فرمایا: «نَعَمْ» ''ہاں!''

پھر اس نے پیٹھ پھیری اور کہا: ''اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں اس پر نہ زیادتی کروں گا اور نہ اس میں کمی کروں گا۔''

نبی ﷺ نے فرمایا: «لَئِنْ صَدَقَ لَيَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ»

''اگر اس نے سچ کہا ہے تو یقیناً جنت میں داخل ہوگا۔''

پھر جب وہ مسلمان ہو کر اپنی قوم میں گئے اور اُسے بتایا کہ نبی ﷺ نے کس بات کا حکم دیا ہے اور کس چیز سے روکا ہے تو ان کی قوم میں کوئی مرد اور کوئی عورت ایسی نہ تھی، جو مسلمان نہ ہو گئی ہو، پھر انھوں نے مسجدیں بنائیں اور نماز کے لیے اذان کہی، لہٰذا کوئی بھی آنے والا ضمام بن ثعلبہ سے بہتر نہ تھا۔[1]

عذرہ اور بَلیّ کا وفد صفر 9 ہجری میں بنو عذرہ کے بارہ آدمی آئے، قصی سے اپنی قرابت کا ذکر کیا اور بنوبکر و بنوخزاعہ کو مکے سے نکالنے میں اس کی جو مدد کی تھی، وہ یاد دلائی۔ آپ ﷺ نے انھیں مرحبا کہا، ملک شام فتح ہونے کی بشارت دی اور کاہنوں سے (قسمت کا حال) پوچھنے اور استھانوں کے ذبیحوں سے منع کیا۔ وہ لوگ مسلمان ہو گئے اور چند دن ٹھہر کر واپس چلے گئے۔ ان کے بعد ربیع الاول 9 ہجری میں بَلیّ کا وفد آیا۔ یہ لوگ بھی مسلمان ہو گئے اور تین دن ٹھہر کر واپس چلے گئے۔

بنو اسد بن خزیمہ کا وفد 9 ہجری کے شروع میں ان کے دس آدمی آئے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ کچھ صحابہ کے ساتھ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔ ان لوگوں نے سلام کیا، پھر ان کے ترجمان نے کہا:

"اے اللہ کے رسول! ہم نے شہادت دی کہ اللہ "وحدہ لا شریک" ہے اور آپ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اور اے اللہ کے رسول! آپ نے ہمارے پاس کسی کو نہیں بھیجا، پھر بھی ہم نے آ کر اسلام قبول کر لیا اور بنو فلاں کی طرح آپ سے لڑائی نہیں کی اور ہمارے پیچھے جو لوگ ہیں ہم ان کے لیے پیغام صلح ہیں۔"

اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا ۖ قُل لَّا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُم ۖ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝﴾

[1] صحيح البخاري، العلم، باب القراءة والعرض على المحدث، حديث: 63، جامع الترمذي، الزكاة، باب ما جاء إذا أديت الزكاة فقد قضيت ما عليك حديث:619 وغيره.

”وہ تم پر احسان جتاتے ہیں کہ مسلمان ہو گئے۔ تم کہو کہ مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ جتاؤ بلکہ اللہ تم پر یہ احسان جتاتا ہے کہ اگر تم واقعی سچے ہو تو اس نے تمھیں ایمان کی ہدایت دی ہے۔“ [1]

انھوں نے جاہلیت کے کچھ کاموں کے متعلق پوچھا، مثلاً: ”فال گیری کے لیے چڑیا بھگانا، کہانت کرنا اور کنکری مارنا۔“ آپ ﷺ نے ان سب باتوں سے منع کیا۔

انھوں نے رمل کے متعلق پوچھا۔ آپ نے فرمایا:

«عَلِمَهُ نَبِيٌّ، فَمَنْ صَادَفَ مِثْلَ عِلْمِهِ فَذَاكَ، وَ إِلَّا فَلَا، وَ مَعْلُومٌ أَنَّ الْمُصَادَفَةَ مُسْتَحِيلَةُ الْمَعْرِفَةِ، وَ كُلُّ هٰذِهِ الْأَعْمَالِ مِنَ التَّخَرُّصِ عَلَى الْغَيْبِ»

”اسے ایک نبی جانتے تھے۔ اب اگر کسی کا علم اس نبی کے مطابق ہو تو ٹھیک ہے ورنہ نہیں اور یہ بات طے ہے کہ اب مطابقت کا جاننا محال ہے اور یہ سارے اعمال غیب میں اندازہ لڑانے کے سوا کچھ نہیں۔“

اس وفد نے چند دن ٹھہر کر فرائض سیکھے پھر واپس ہو گیا۔ اسے تحائف سے بھی نوازا گیا۔

تجیب کا وفد تجیب قبیلہ کندہ کی ایک شاخ ہے۔ یہ لوگ اپنی قوم کے وہ صدقات جو ان کے فقرا سے بچ رہے تھے، لے کر آئے۔ رسول اللہ ﷺ کو ان کے اِس عمل سے خوشی ہوئی اور آپ ﷺ نے ان کا اعزاز واکرام کیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ”ہمارے پاس اس جیسا عرب کا کوئی وفد نہیں آیا۔“

نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الْهُدٰى بِيَدِ اللّٰهِ، فَمَنْ أَرَادَ بِهِ خَيْرًا شَرَحَ صَدْرَهُ لِلْإِيمَانِ»

”ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ ایمان کے لیے کھول دیتا ہے۔“

[1] الحجرات 49:17.

یہ لوگ قرآن اور سنتوں کو پوچھتے اور سیکھتے رہے، پھر واپسی کا ارادہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں افضل ترین تحفے دیے اور پوچھا کہ کیا کوئی آدمی باقی رہ گیا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ ''ایک لڑکا ہم نے ڈیرے میں چھوڑ رکھا ہے، وہ ہم میں سب سے کم عمر ہے۔''

آپ ﷺ نے فرمایا: «أَرْسِلُوهُ» ''اسے بھی بھیجو۔''

وہ آیا تو عرض پرداز ہوا کہ ''اے اللہ کے رسول! میں اسی جماعت سے ہوں جو ابھی آپ کے پاس آئی تھی۔ آپ نے ان کی ضرورت پوری کر دی، اب میری ضرورت بھی پوری کیجیے۔''

آپ نے پوچھا: «وَمَا حَاجَتُكَ؟» ''تمھاری ضرورت کیا ہے؟''

اس نے کہا: ''آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ مجھے بخش دے، مجھ پر رحم کرے اور میرے دل کو غنی کر دے۔''

آپ نے اس کے لیے مطلوبہ دعا کر دی اور دوسرے ساتھیوں جیسے تحفے دینے کا حکم دیا، چنانچہ یہ سب سے زیادہ قناعت پسند انسان ہوا۔ زمانۂ ارتداد میں نہ صرف اسلام پر ثابت قدم رہا بلکہ اپنی قوم کو بھی وعظ ونصیحت کی، چنانچہ وہ بھی اسلام پر جمی رہی۔

بنی فزارہ کا وفد یہ وفد نبی ﷺ کی تبوک سے واپسی کے بعد آیا۔ بیس سے کچھ زیادہ آدمی تھے۔ اسلام کے اقراری اور قحط کے مارے ہوئے۔

نبی ﷺ نے ان سے علاقے کا حال پوچھا تو قحط سالی کی شکایت کی اور عرض کی ''اللہ سے دعا کر دیں کہ ہم پر بارش برسائے اور آپ ہمارے لیے اپنے رب سے سفارش کر دیں اور آپ کا رب ہمارے لیے آپ سے سفارش کر دے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَيْلَكَ هٰذَا أَنَا أَشْفَعُ إِلٰى رَبِّي، فَمَنْ ذَالَّذِي يَشْفَعُ رَبُّنَا إِلَيْهِ؟ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ، وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ

فَهِيَ تَئِطُّ مِنْ عَظَمَتِهِ وَ جَلَالِهِ كَمَا يَئِطُّ الرَّحْلُ الْحَدِيثُ»

''سبحان اللہ! تم پر افسوس، یہ کیا کہہ رہے ہو۔ میں تو اپنے رب سے سفارش کروں گا لیکن ایسا کون ہے جس سے ہمارا رب سفارش کرے؟ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اعلیٰ وعظیم ہے۔ اس کی کرسی آسمانوں اور زمین کو گھیرے ہوئے ہے اور وہ اس کے عظمت وجلال سے اس طرح چرچراتی ہے جیسے نیا کجاوہ چرچراتا ہے۔''

اس کے بعد آپ ﷺ نے منبر پر چڑھ کر اللہ سے دعا کی اور اللہ نے انھیں بھرپور بارش اور رحمتِ کامل سے نوازا۔[1]

نجران کا وفد ''نجران'' یمن کی حدود پر ایک بڑا سا علاقہ ہے جس کی لمبائی تیز رفتار سوار ایک دن میں طے کر سکتا ہے۔ یہ تہتر (73) بستیوں پر مشتمل تھا[2] اور اس میں ایک لاکھ بیس ہزار جنگی جوان تھے جو سب کے سب عیسائی تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے اُن کے ''اُسقف'' کو خط لکھ کر اسلام کی دعوت دی وہ خط پڑھ کر گھبرا گیا۔ پہلے خواص سے پھر عوام سے مشورہ کیا۔ رائے یہ قرار پائی کہ ایک وفد ارسال کریں، جو اس مسئلے کو حل کرے، چنانچہ انھوں نے ساٹھ ارکان پر مشتمل ایک وفد بھیجا۔ یہ لوگ نبی ﷺ کے پاس اس حالت میں پہنچے کہ دھاری دار یمنی کپڑے کے جوڑے زیب تن کیے ہوئے تھے اور انھیں گھسیٹ رہے تھے۔ ریشمی چادریں اوڑھ رکھی تھیں اور سونے کی انگوٹھیاں پہنے ہوئے تھے۔ نبی ﷺ نے اُن سے بات نہ کی۔ انھیں بعض کبار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے مشورہ دیا کہ کپڑے بدل دیں اور انگوٹھیاں اتار دیں۔ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان سے بات کی اور انھیں اسلام کی دعوت دی۔ انھوں نے انکار کیا اور کہا کہ ہم آپ سے پہلے سے مسلمان ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَمْنَعُكُمْ عَنِ الْإِسْلَامِ ثَلَاثٌ: عِبَادَتُكُمُ الصَّلِيبَ وَ أَكْلُكُمْ لَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَ زَعْمُكُمْ أَنَّ لِلّٰهِ وَلَدًا»

[1] زادالمعاد:3/48. [2] فتح الباري:8/94.

''تمھیں اسلام سے تین چیزیں روکتی ہیں: 1 صلیب کی عبادت۔ 2 سُور کھانے کی عادت۔ 3 اور تمھارا یہ خیال کہ اللہ کا بیٹا بھی ہے۔''

انھوں نے کہا: ''تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مثل کون ہے جو بغیر باپ کے پیدا کیا گیا ہو؟''

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں:

﴿إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ۝ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُمْتَرِينَ ۝ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ۝﴾

''بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم جیسی ہے۔ اللہ نے اسے مٹی سے پیدا کیا، پھر اس سے کہا: ہو جا تو وہ ہو گیا۔ حق آپ کے رب کی طرف سے ہے۔ پس آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔ پھر تمھارے پاس علم آ جانے کے بعد جو کوئی تم سے اس (عیسیٰ علیہ السلام) کے بارے میں حجت کرے تو اس سے کہہ دو کہ آؤ! ہم بلائیں اپنے اپنے بیٹوں کو اور اپنی اپنی عورتوں کو اور خود اپنے آپ کو، پھر مباہلہ کریں (اللہ سے گڑگڑا کر دعا کریں،) پس جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ٹھہرائیں۔''[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیات کی تلاوت کی اور انھیں مباہلے کی دعوت دی۔ انھوں نے مہلت مانگی، باہم مشورہ کیا اور کہا: ''اگر یہ واقعی نبی ہے اور ہم نے اس سے ''ملاعنت'' کی تو ہمارا کوئی بال اور کوئی ناخن بھی تباہی سے نہ بچ سکے گا۔'' چنانچہ وہ حسب ذیل جزیہ دینے پر راضی ہو گئے۔ ہزار جوڑے (لباس) صفر میں اور ہزار جوڑے رجب میں اور ہر جوڑے کے ساتھ ایک اوقیہ (چالیس درہم) چاندی اور آپ نے ان کے لیے ذمہ، امان اور دین کی آزادی منظور فرمائی، پھر انھوں نے کہا: ''ہمارے ساتھ امانت دار آدمی بھیج دیں۔''

[1] آل عمران 3:59-61.

آپ ﷺ نے ابو عبیدہ عامر بن جراح رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا اور یہیں سے ان کا لقب ''امین الامت'' پڑ گیا۔

نجران واپسی کے دوران میں وفد کے دو آدمی مسلمان ہو گئے، پھر ان میں اسلام پھیلتا گیا، یہاں تک کہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔[1]

اہلِ طائف کا وفد رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ حنین کے بعد طائف کا محاصرہ کر لیا تھا، پھر انھیں ان کی جگہ چھوڑ کر واپس آ گئے تھے۔ جب آپ واپس ہوئے تو عروہ بن مسعود ثقفی آپ کے پیچھے پیچھے آیا اور مدینہ پہنچنے سے پہلے آپ سے ملا اور مسلمان ہو گیا، پھر واپس جا کر اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی۔ یہ ان کی نظر میں اپنی لڑکیوں اور عورتوں سے بھی زیادہ محبوب تھا، اس لیے اس کا خیال تھا کہ لوگ اس کی اطاعت کریں گے لیکن لوگوں نے ہر جانب سے تیر چلا کر اسے جان سے مار ڈالا، پھر آپس میں مشورہ کیا اور محسوس کیا کہ ان میں گردو پیش کے عربوں سے جنگ کی طاقت نہیں، لہٰذا عبدِ یالیل بن عمرو کو دوسرے پانچ اشراف کے ساتھ مدینہ روانہ کیا۔ یہ رمضان 9 ہجری کی بات ہے۔ جب وہ مدینہ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے مسجد کے ایک گوشے میں ان کے لیے خیمہ نصب کرایا تاکہ وہ قرآن سنیں اور لوگوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھیں۔

یہ لوگ ٹھہر کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے جاتے رہے اور آپ اُنھیں برابر اسلام کی دعوت دیتے رہے مگر وہ مسلمان نہیں ہو رہے تھے۔ انھوں نے آپ ﷺ سے گزارش کی کہ آپ انھیں زنا کاری، شراب نوشی اور سود خوری کی اجازت دیں اور یہ کہ وہ ''لات'' کو نہیں ڈھائیں گے۔ ان سے نمازیں معاف رکھیں گے اور ان کے ہاتھوں ان کے بت نہ تڑوائیں گے۔ آپ ﷺ نے ان تمام باتوں کو ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ بالآخر انھوں نے آپ ﷺ کی بات مان لی اور مسلمان ہو گئے، البتہ یہ شرط لگائی کی ''لات'' کو ڈھانے کا انتظام آپ خود فرمائیں۔ ثقیف اسے اپنے ہاتھوں ہرگز مسمار نہ کریں گے۔ آپ نے یہ

[1] فتح الباري: 95,94/8، وزادالمعاد: 3/38-41.

بات منظور فرما لی۔

حضرت عثمان بن ابو العاص ثقفی رضی اللہ عنہ اس وفد کے سب سے کم عمر ممبر تھے، لہٰذا یہ لوگ انھیں ڈیرے ہی میں چھوڑ جایا کرتے تھے مگر یہ لوگ جب آتے تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر قرآن پڑھتے اور اگر آپ کو سویا ہوا دیکھتے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پڑھتے، یہاں تک کہ بہت سا قرآن انھوں نے یاد کر لیا مگر اپنے ساتھیوں سے چھپائے رکھا۔ جب وہ لوگ مسلمان ہو گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھی کو ان کا امیر بنا دیا کیونکہ انھیں اسلام، قراءت قرآن اور دین سیکھنے کی رغبت تھی۔

وفد اپنی قوم میں واپس گیا تو ان سے اپنا ایمان چھپائے رکھا اور جنگ وقتال کا خوف دلایا۔ کہا کہ ہم ایک سخت اور تند مزاج آدمی کے پاس گئے تھے، جو تلوار کے زور سے غالب آ گیا ہے اور لوگ اس کے تابع فرمان ہو گئے ہیں۔ اس نے ہمارے سامنے سخت باتیں پیش کی ہیں۔ مثال میں زنا کاری، شراب نوشی اور سود خوری وغیرہ چھوڑنے کا ذکر کیا اور بتایا کہ اگر اسے تسلیم نہ کیا تو وہ ہم سے جنگ کرے گا۔ اس پر انھیں نخوت وتکبر نے طیش دلایا اور وہ دو تین روز تک جنگ کی تیاری کرتے رہے۔

پھر اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور انھوں نے وفد سے کہا: ''واپس جاؤ اور جو کچھ اس نے مانگا ہے، اسے دے دو۔''

وفد نے کہا: ''ہم اس سے طے کر آئے ہیں اور مسلمان ہو چکے ہیں۔''

اس پر ثقیف بھی مسلمان ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید اور مغیرہ بن شعبہ ثقفی رضی اللہ عنہما کو کچھ آدمیوں کے ساتھ ''لات'' کو مسمار کرنے کے لیے طائف بھیجا۔ انھوں نے بت توڑ ڈالا اور عمارت مسمار کر دی۔[1]

بنو عامر بن صَعْصَعَہ کا وفد اس وفد میں اللہ کا دشمن عامر بن طفیل بھی تھا، جس نے

① سیرت ابن ہشام: 2/537-542، وزاد المعاد: 3/26-28.

اصحاب بئر معونہ کے ساتھ دھوکا کیا تھا اور اربد بن قیس اور جبار بن اسلم بھی تھے۔ یہ اپنی قوم کے سردار اور شیاطین تھے۔ عامر اور اربد بن قیس نے نبی ﷺ کے قتل کا منصوبہ بنایا تھا۔ جب یہ لوگ مدینہ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں اسلام کی دعوت دی۔ عامر نے جو وفد کا ترجمان تھا، کہا:

''میں آپ کو تین باتوں کا اختیار دیتا ہوں۔''

1 آپ کے لیے وادی کے باشندے ہوں اور میرے لیے بادیہ کے۔

2 یا میں آپ کے بعد آپ کا خلیفہ بن جاؤں۔

3 ورنہ میں غطفان کو ایک ہزار گھوڑوں اور ایک ہزار گھوڑیوں سمیت آپ پر چڑھا لاؤں گا۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے ان میں سے کوئی بات نہ مانی اور دعا کی ''اے اللہ! عامر کے مقابلے کے لیے مجھے کافی ہو اور اس کی قوم کو ہدایت دے۔''

ادھر جس وقت عامر باتیں کر رہا تھا، اربد گھوم کر نبی ﷺ کے پیچھے گیا اور اپنی تلوار میان سے ایک بالشت نکالی مگر اللہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ تلوار سونتنے پر قادر ہی نہ ہو سکا۔

جب یہ لوگ واپس ہوئے تو راستے میں عامر اپنی قوم بنوسلول کی ایک عورت کے پاس اترا اور اُسی کے گھر میں سو گیا۔ اسی دوران اللہ نے اس پر طاعون بھیج دیا اور اس کے حلق میں گلٹی نکل آئی۔

اس نے کہا: ''اونٹ کی گلٹی جیسی گلٹی اور ایک سلولی عورت کے گھر میں موت۔ میرے پاس میرا گھوڑا لاؤ۔'' چنانچہ وہ سوار ہوا اور گھوڑے ہی پر مر گیا۔[2]

ادھر اربد اور اس کے اونٹ پر اللہ نے بجلی بھیج دی، دونوں جل مرے اور اس بارے میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الرجيع ورعل......، حديث: 4091، وفتح الباري: 446/7. [2] صحيح البخاري، المغازي، باب، غزوة الرجيع و رعل وذكوان......، حديث: 4091.

﴿وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلَٰٓئِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِۦ وَيُرْسِلُ الصَّوَٰعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَن يَشَآءُ وَهُمْ يُجَٰدِلُونَ فِى ٱللَّهِ وَهُوَ شَدِيدُ ٱلْمِحَالِ ۝﴾

"وہ بجلی بھیجتا ہے پس اس کو جس پر چاہتا ہے گراتا ہے اور وہ لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں حالانکہ وہ سخت پکڑنے والا ہے۔"[1]

ان دونوں کا قصہ انھی کے قبیلے بنو عامر کے ایک صحابی حضرت موئلہ بن جمیل رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ یہ بھی نبی ﷺ کے پاس آئے تھے اور مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کی عمر بیس سال تھی۔ انھوں نے بیعت کی، آپ کا داہنا ہاتھ چھوا اور اپنے اونٹ نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کیے۔ آپ نے دو سالہ مادہ اونٹنی صدقے میں لی۔ اس کے بعد وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے اور بحالتِ اسلام سو سال زندہ رہے۔ انھیں ان کی فصاحت کے سبب "دو زبانوں والا" کہا جاتا تھا۔

بنو حنیفہ کا وفد یہ وفد 9 ہجری میں آیا۔ اس میں مسیلمہ کذاب سمیت سترہ افراد تھے۔ یہ لوگ ایک انصاری کے گھر اترے، پھر خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے، البتہ مسیلمہ کذاب کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ بھی مسلمان ہو گیا تھا۔ مزید کہا جاتا ہے کہ وہ پیچھے رہ گیا تھا اور خدمتِ نبوی میں حاضر ہی نہ ہوا تھا اور کہتا تھا:

"اگر محمد (ﷺ) نے اپنے بعد کاروبارِ حکومت مجھے سونپنا طے کر دیا تو میں اس کی پیروی کروں گا۔"

اس سے قبل نبی ﷺ یہ خواب دیکھ چکے تھے کہ آپ ﷺ کے پاس روئے زمین کے خزانے لا کر رکھ دیے گئے ہیں اور اس میں سے سونے کے دو کنگن آپ کے ہاتھ میں آ پڑے ہیں۔ آپ کو یہ دونوں بہت گراں اور تکلیف دہ محسوس ہوئے۔ آپ کو وحی کی گئی کہ ان دونوں کو پھونک دیجیے، چنانچہ آپ نے پھونک دیا تو وہ دونوں اڑ گئے۔

اس کی تعبیر آپ ﷺ نے یہ فرمائی کہ آپ کے بعد دو کذاب (پرلے درجے کے

[1] الرعد 13:13.

جھوٹے) نمودار ہوں گے، چنانچہ نبی ﷺ مسیلمہ کے پاس آئے۔ آپ کے ہاتھ میں کھجور کی ایک شاخ تھی اور آپ کے ہمراہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ مسیلمہ کے سر پر جا کھڑے ہوئے جو اپنے ساتھیوں کے درمیان تھا۔ آپ نے اس سے گفتگو کی۔

مسیلمہ نے کہا: ''اگر آپ چاہیں تو ہم حکومت آپ ہی کے ہاتھ میں رہنے دیں گے لیکن اپنے بعد اسے ہمارے لیے طے فرما دیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَوْ سَأَلْتَنِي هٰذِهِ الْقِطْعَةَ مَا أَعْطَيْتُكَهَا، وَلَنْ تَعْدُوَ أَمْرَ اللّٰهِ فِيكَ، وَلَئِنْ أَدْبَرْتَ لَيَعْقِرَنَّكَ اللّٰهُ، وَاللّٰهِ إِنِّي لَأَرَاكَ الَّذِي أُرِيتُ فِيهِ مَا رَأَيْتُ، وَ هٰذَا ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ يُجِيبُكَ عَنِّي»

''اگر تم مجھ سے (کھجور کا) یہ ٹکڑا بھی چاہو گے تو تمھیں نہ دوں گا۔ تم اپنے بارے میں اللہ کے مقرر کیے ہوئے فیصلے سے آگے نہیں جا سکتے۔ اگر تم نے پیٹھ پھیری تو اللہ تمھیں توڑ کر رکھ دے گا۔ واللہ! میں تمھیں وہی شخص سمجھتا ہوں، جس کے بارے میں مجھے (خواب میں) پوری تفصیل سے دکھلایا گیا ہے اور یہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ ہیں جو تمھیں میری طرف سے جواب دیں گے، پھر آپ ﷺ واپس تشریف لے آئے۔''[1]

وفد واپس گیا تو مسیلمہ کچھ دن ٹھہرا رہا۔ اُس نے دعویٰ کیا کہ اسے نبی ﷺ کے ساتھ ''کارِ نبوت'' میں شریک کر لیا گیا ہے، چنانچہ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ سجعات (مقفی کلام) گھڑنے لگا اور اپنی قوم کے لیے شراب اور زنا حلال کر دیا۔ قوم بھی فتنے میں پڑ گئی اور اس کا معاملہ سنگین ہو گیا۔ ابھی یہ صورتِ حال جاری تھی کہ رسول اللہ ﷺ انتقال فرما گئے۔ اس کی قوم مزید فتنے میں مبتلا ہو گئی۔ آخر کار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں لشکر بھیجے۔ ان میں اور مسلمانوں میں سخت لڑائیاں ہوئیں۔ مسیلمہ اور اس کا بیشتر لشکر مارا گیا۔ اس کا قاتل وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ تھا، جس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو

[1] صحيح البخاري، المغاز ، باب وفد بني حنيفة ......، حديث:4373.

شہید کیا تھا۔ (دوسرا کذاب جو نبی ﷺ کو دکھلایا گیا اسود عنسی تھا۔ اس کا ذکر آ گے آ رہا ہے۔)

شاہانِ حمیر کے قاصد کی آمد تبوک سے نبی ﷺ کی واپسی کے بعد مالک بن مرہ رہاوی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے پاس شاہانِ حمیر حارث بن عبد کلال، نعیم بن عبد کلال اور نعمان، سربراہان ذی رعین و معافر و ہمدان کے خطوط تھے۔ یہ لوگ مسلمان ہو چکے تھے اور اسی اطلاع کے ساتھ اس کو بھیجا تھا۔ نبی ﷺ نے انھیں جوابی خط لکھا جس میں ان کے حقوق اور ان کی ذمہ داریاں بیان فرمائیں اور معاہدین کو ذمہ عطا کیا۔

پھر ان کے پاس حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو کچھ صحابہ کے ساتھ بھیجا۔ یہ عدن کے اطراف میں ”سکون وسکاسک“ کے درمیان بالائی یمن کے قاضی، جنگوں کے حاکم اور صدقہ وجزیہ کی وصولی پر مامور تھے اور پانچوں نمازیں پڑھاتے تھے۔ زیریں یمن: زبید، مارب، زمع اور ساحل کے لیے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور دونوں کو فرمایا:

«يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا، وَ بَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا، وَ تَطَاوَعَا وَلَا تَخْتَلِفَا»

”تم دونوں آسانی کرنا، سختی نہ کرنا۔ خوش خبری دینا، نفرت نہ دلانا اور مل کر رہنا، اختلاف نہ کرنا۔“[1]

حضرت معاذ نبی ﷺ کی وفات تک یمن ہی میں رہے، البتہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ حجۃ الوداع میں آپ ﷺ کے پاس تشریف لائے۔

ہمدان کا وفد ہمدان یمن کا ایک مشہور قبیلہ ہے۔ اس کا وفد 9 ہجری میں تبوک سے نبی ﷺ کی واپسی کے بعد حاضر خدمت ہوا۔ اس میں مالک بن نمط رضی اللہ عنہ تھے، جو بہترین شاعر تھے، انھوں نے کہا:

حَلَفْتُ بِرَبِّ الرَّاقِصَاتِ إِلٰى مِنًى

[1] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب مايكره من التنازع ......، حديث:3038.

صَوَادِرَ بِالرُّكْبَانِ مِنْ هَضْبِ قَرْدَدِ

بِأَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ فِينَا مُصَدَّقٌ

رَسُولٌ أَتَى مِنْ عِنْدِ ذِي الْعَرْشِ، مُهْتَدِ

فَمَا حَمَلَتْ مِنْ نَاقَةٍ فَوْقَ رَحْلِهَا

أَشَدَّ عَلٰى أَعْدَائِهِ مِنْ مُحَمَّدِ

''میں نے منٰی کا چکر لگانے والیوں اور ''قردد'' کی بلندی سے قافلوں کے ساتھ پلٹنے والیوں کے رب کی قسم کھائی کہ اللہ کے رسول ﷺ ہم میں سچے مانے گئے ہیں۔ یہ وہ ہدایت یافتہ رسول ہیں جو عرش والے کے پاس سے آئے ہیں۔ کسی اونٹنی نے اپنے کجاوے پر کوئی ایسا انسان سوار نہیں کیا، جو اپنے دشمن پر محمد ﷺ سے زیادہ کڑا ہو۔''

رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے ایک تحریر لکھی اور جو کچھ انھوں نے مانگا تھا، وہ انھیں دیا اور جو لوگ اسلام لائے تھے، ان پر مالک بن نمط رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا، پھر باقی لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔ انھوں نے چھ مہینے گزار دیے مگر وہ مسلمان نہ ہوئے۔ اس کے بعد حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور حکم دیا کہ وہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو واپس بھیج دیں۔ انھوں نے ایسا ہی کیا، پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کا ایک خط پڑھ کر سنایا اور انھیں اسلام کی دعوت دی تو وہ سب مسلمان ہوگئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو اس کی بشارت لکھی تو آپ سجدہ ریز ہوگئے، پھر سر اٹھا کر فرمایا:

«اَلسَّلَامُ عَلٰى هَمْدَانَ، اَلسَّلَامُ عَلٰى هَمْدَانَ» ''ہمدان پر سلام! ہمدان پر سلام۔''

بنو عبد المدان کا وفد اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ربیع الآخر 10 ہجری میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سرزمین یمن کے علاقے نجران میں بنو عبدالمدان کے پاس روانہ کیا کہ

انھیں تین دن تک اسلام کی دعوت دیں، اگر وہ نہ مانیں تو لڑائی کریں، چنانچہ وہاں پہنچ کر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے سواروں کو ہر طرف اسلام کی دعوت دینے کے لیے بھیج دیا، جو کہتے تھے:

''لوگو! اسلام لاؤ، سالم رہو گے۔''

لوگ مسلمان ہو گئے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ان کے درمیان ایسے لوگوں کو مقرر کیا جو انھیں اسلام کی تعلیم دیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع لکھ بھیجی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو پیغام دیا کہ ان کا وفد لے کر آئیں۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا۔

جب وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:

«بِمَ كُنْتُمْ تَغْلِبُونَ مَنْ قَاتَلَكُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ؟»

''جاہلیت میں جو تم سے لڑتا تھا اس پر تم لوگ کس وجہ سے غالب آتے تھے؟''

انھوں نے کہا: ''ہم یکجا ہوتے تھے، متفرق نہ ہوتے تھے اور کسی پر ظلم کا آغاز نہ کرتے تھے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «صَدَقْتُمْ» ''تم لوگوں نے سچ کہا۔''

آپ نے حضرت قیس بن حصین رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر کیا۔ وہ لوگ شوال کے آخر یا ذیقعدہ کے شروع میں اپنی قوم کے پاس واپس گئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ انھیں دین سمجھائیں، سنت اور اسلام کی چیدہ چیدہ باتیں سکھائیں اور ان سے صدقات وصول کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق انھیں ایک تحریر بھی دی جو بہت مشہور ہے۔

بنو مذحج کا اسلام یہ بھی ایک یمنی قبیلہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کو رمضان 10 ہجری میں اسلام کی دعوت دینے کے لیے بھیجا اور حکم دیا کہ جب تک وہ لڑائی نہ کریں، لڑائی نہ کرنا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے پاس پہنچے اور ان کی جمعیت کا سامنا ہوا تو انھیں اسلام کی دعوت دی مگر انھوں نے انکار کر دیا اور مسلمانوں پر تیر چلائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے ساتھیوں کی صف بندی کی۔ اور ان سے لڑ کر انھیں

شکست دی لیکن ان کے تعاقب سے کچھ دیر رکے رہے، پھر ان سے جا ملے اور انھیں پھر اسلام کی دعوت دی، اب کی بار وہ لوگ مسلمان ہو گئے۔

ان کے سرداروں نے بیعت کی اور کہا: ''ہماری قوم کے جو لوگ پیچھے ہیں، ہم ان کے ذمہ دار ہیں اور یہ ہمارے صدقات ہیں ان میں سے آپ اللہ کا حق لے لیجیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا، پھر پلٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو حجۃ الوداع میں مکہ مکرمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی۔

ازدشنوءہ کا وفد یہ بھی یمن کے اطراف کا ایک مشہور قبیلہ ہے۔ اس کا وفد حضرت صرد بن عبداللہ ازدی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں آیا اور مسلمان ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صرد رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر بنایا اور حکم دیا کہ جو اسلام لا چکے ہیں، ان کو ساتھ لے کر آس پاس کے اہلِ شرک سے لڑائی کریں۔

جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ کی آمد اور ''ذو الخلصہ'' کا انہدام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ بھی تشریف لائے۔ یہ مشاہیر صحابہ میں سے ہیں۔ ان کے قبیلے ''بجلیہ'' اور ''خثعم'' کا ایک بت اور ایک بہت بڑا بت خانہ تھا جسے ''ذوالخلصہ'' کہتے تھے۔ وہ اس سے خانہ کعبہ کی ہمسری کرتے تھے، چنانچہ وہ کعبہ کو ''کعبہ شامیہ'' کہتے تھے اور اپنے بت خانہ کو ''کعبہ یمانیہ'' کہتے تھے۔

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«أَلَا تُرِيحُنِي مِنْ ذِي الْخَلَصَةِ» ''کیا تم مجھے ''ذوالخلصہ'' سے راحت نہ دو گے۔''

انھوں نے شکوہ کیا کہ ''وہ گھوڑے پر برقرار نہیں رہ پاتے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دستِ مبارک سے ان کے سینے پر ضرب لگائی اور فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْهُ وَاجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًّا»

''اے اللہ! انھیں ثابت رکھ اور انھیں ہادی اور مہدی بنا۔''

چنانچہ اس کے بعد وہ گھوڑے سے کبھی نہیں گرے، پھر وہ اپنی قوم احمس (جو بجلیہ کی

ایک شاخ ہے) کے ایک سو پچاس سواروں کے ساتھ ''ذوالخلصہ'' گئے اور اسے ویران کر دیا اور جلا کر خارش زدہ اونٹ کی طرح چھوڑ دیا اور ابو ارطاۃ کو اس کی بشارت دے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا۔ آپ ﷺ نے ''احمس'' کے گھوڑوں اور لوگوں کے لیے پانچ بار برکت کی دعا کی۔[1]

اسود عنسی کا ظہور اور قتل یمن میں امن اور اسلام کی تکمیل ہو چکی تھی اور اس کے تمام اطراف میں رسول اللہ ﷺ کے عمال موجود تھے کہ اچانک ''کہف حنان'' نامی شہر میں سات سو جنگجوؤں کے ساتھ اسود عنسی ظاہر ہوا۔ وہ اپنی نبوت اور حکومت کا دعوے دار تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر صنعاء پر قبضہ کر لیا، پھر اس کا معاملہ مزید سنگین ہو گیا۔ اس کا فتنہ سخت اور اس کی حکومت طاقتور ہو گئی، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کے عمال ''اشعریین'' کے علاقے میں سمٹ آئے اور مسلمانوں نے اس کے ساتھ ''مصلحت'' سے کام لیا۔ یہ سلسلہ تین یا چار مہینے جاری رہا، پھر حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ اور اس کے فارسی ساتھیوں نے، جو مسلمان ہو چکے تھے، ایک چال چلی جس کے نتیجے میں اسے قتل کر کے اس کا سر کاٹا اور قلعے سے باہر پھینک دیا۔ یہ دیکھ کر اس کے ساتھی بھاگ نکلے اور اسلام اور اہلِ اسلام غالب آ گئے، رسول اللہ ﷺ کے عمال اپنے اپنے کاموں پر واپس آ گئے اور آپ ﷺ کو اس کی اطلاع لکھ بھیجی۔

اسود عنسی کے قتل کا واقعہ نبی ﷺ کی وفات سے صرف ایک دن اور ایک رات پہلے پیش آیا تھا۔ اس کے متعلق آپ کے پاس وحی آئی اور آپ نے صحابہ کو اس کی اطلاع دی، پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں خط بھی آ گیا۔[2]

حجۃ الوداع (10 ہجری)

جب جزیرۂ عرب میں دعوت کی تبلیغ مکمل ہو گئی اور اللہ نے اہل ایمان کی ایک ایسی

[1] صحيح البخاري، الجهاد، باب البشارة في الفتوح، حديث: 3076. [2] فتح الباري: 93/8. ان وفود کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: سیرت ابن ھشام: 501/2، وزادالمعاد: 3/26-60.

جماعت پیدا فرما دی جو دعوت کی حفاظت کی ضامن اور اسے زمین کے کونے کونے تک پہنچانے کی کفیل تھی تو اللہ نے چاہا کہ رسول اللہ ﷺ کو انتقال سے پہلے ان کی جہدِ پیہم کا ثمرہ بھی دکھلا دے، چنانچہ آپ کو ذی الحجہ 10 ہجری میں اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے حج سے مشرف فرمایا۔

آپ نے حج کا ارادہ فرمایا تو لوگوں میں اس کا اعلان کر دیا، چنانچہ مدینے میں بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔[1] ہفتے کے دن جبکہ ذی القعدہ گزرنے میں پانچ دن باقی تھے، یعنی 26 ذی القعدہ[2] کو آپ نے بالوں میں کنگھی کی، تیل لگایا، تہبند باندھا، چادر اوڑھی[3] اور ظہر کی نماز کے بعد مدینے سے چل پڑے اور عصر پڑھنے سے پہلے ذوالحلیفہ پہنچ گئے۔ وہاں پہنچ کر دو رکعت عصر پڑھی، پھر وہیں رات گزاری۔[4] صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَتَانِي اللَّيْلَةَ آتٍ مِّنْ رَّبِّي، فَقَالَ: صَلِّ فِي هٰذَا الْوَادِي الْمُبَارَكِ وَقُلْ: عُمْرَةٌ فِي حَجَّةٍ»

''آج رات میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا آیا اور اس نے کہا: اس مبارک وادی میں نماز پڑھو اور کہو عمرہ حج میں شامل ہے۔''[5]

یہ درحقیقت حج میں عمرے کی اباحت تھی، جسے اہل جاہلیت انتہائی برا سمجھتے تھے۔[6]

پھر رسول اللہ ﷺ نے ظہر سے پہلے غسل کیا، سر اور بدن میں خوشبو لگائی، جس میں مشک بھی تھا،[7] پھر تہبند باندھا، چادر اوڑھی، پھر دو رکعت ظہر کی نماز پڑھی اور مصلے ہی پر حج اور عمرے کا احرام باندھا اور دونوں میں ''قران'' کیا۔ پھر فرمایا:

① صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبيﷺ، حديث: 1218. ② تحقیق کے لیے دیکھیے: فتح الباري: 104/8. ③ صحيح البخاري، الحج، باب ما يلبس المحرم من الثياب، حديث: 1545. ④ صحيح البخاري، الحج، باب من بات بذي الحليفة حتى أصبح، حديث 1546. ⑤ صحيح البخاري، الحج، باب قول النبيﷺ: العقيق واد مبارك، حديث: 1534. ⑥ صحيح البخاري، الحج، باب التمتع، والقران، الافراد بالحج......، حديث: 1564. ⑦ صحيح البخاري، اللباس، باب الذريرة، حديث: 5930.

«اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ بِعُمْرَةٍ وَّ حَجٍّ» ''اے اللہ! عمرے اور حج کے لیے حاضر ہوں۔''

اس کے بعد لبیک پکاری جس کے کلمات یہ تھے:

«لَبَّيْكَ، اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَ النِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ»

''ہم بار بار حاضر ہیں۔ اے اللہ! ہم بار بار حاضر ہیں۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ ہم بار بار حاضر ہیں۔ یقیناً تعریف اور نعمت تیرے لیے ہے اور بادشاہت بھی۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔''[1] اور کبھی کبھی فرماتے:

«لَبَّيْكَ إِلٰهَ الْحَقِّ» ''معبودِ برحق! ہم بار بار حاضر ہیں۔''

پھر مصلّے سے اُٹھ کر اونٹنی پر سوار ہوئے اور پھر لبیک پکاری[2] اور جب اونٹنی آپ کو لے کر میدان میں چل پڑی تو آپ ﷺ نے پھر لبیک پکاری۔[3] نماز کے بعد ذوالحلیفہ ہی میں آپ نے ہدی (قربانی کے جانوروں) کے کوہان چیرے اور انھیں قلادے پہنائے۔[4]

اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنا سفر جاری رکھا۔ ہفتے بھر بعد مکے کے قریب پہنچے تو ذی طُویٰ میں رات گزاری اور وہیں فجر پڑھ کر غسل فرمایا، پھر مسجد حرام میں داخل ہوئے۔[5] یہ اتوار ذی الحجہ کی صبح تھی۔[6] آپ ﷺ نے بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا مروہ کی سعی کی۔

پھر بالائی مکہ میں حجون کے پاس قیام فرمایا اور دوبارہ پلٹ کر طواف نہیں کیا، البتہ احرام برقرار رکھا کیونکہ آپ ﷺ ''قارن'' تھے، یعنی حج اور عمرے کا احرام اکٹھا باندھا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ ہدی (قربانی کا جانور) ساتھ لائے تھے، چنانچہ جو بھی اپنے ساتھ ''ہدی'' لایا تھا آپ ﷺ نے اسے حکم دیا کہ اپنا احرام برقرار رکھے، البتہ جو لوگ ہدی نہیں

① صحيح البخاري، الحج، باب التلبية، حديث: 1549. ② صحيح البخاري، الحج، باب من بات بذي الحليفة......، حديث: 1546. ③ صحيح البخاري، الحج، باب ما يلبس المحرم من الثياب......، حديث: 1545. ④ صحيح البخاري، الحج، باب من أشعر و قلد بذي الحليفة......، حديث: 1694. ⑤ صحيح البخاري، الحج، باب الإغتسال عند دخول مكة، حديث: 1573. ⑥ صحيح البخاري، الحج، باب ما يلبس المحرم من الثياب......، حديث: 1545.

لائے تھے، انھیں حکم دیا کہ طواف وسعی کے بعد سر منڈا لیں اور احرام کھول دیں۔ اور اپنے اس عمل کو عمرہ قرار دے لیں، خواہ انھوں نے حج کی نیت سے احرام باندھا ہو یا عمرے کی نیت سے یا دونوں کی نیت سے۔[1] آپ نے فرمایا:

«لَوِ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِي مَا اسْتَدْبَرْتُ لَمَا سُقْتُ الْهَدْيَ، وَلَجَعَلْتُهَا عُمْرَةً، وَ لَأَحْلَلْتُ»

"اگر مجھے پہلے وہ بات معلوم ہو جاتی جو بعد میں معلوم ہوئی تو میں ہدی نہ لاتا اور اسے عمرہ قرار دے دیتا اور احرام کھول دیتا۔"[2]

چنانچہ جن لوگوں کے پاس ہدی نہیں تھی انھوں نے احرام کھول دیے۔

پھر آپ ﷺ 8 ذی الحجہ ترویہ کے دن منیٰ تشریف لے گئے، جو لوگ احرام کھول چکے تھے وہ بھی حج کا احرام باندھ کر منیٰ گئے۔[3] وہاں آپ نے ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نمازیں پڑھیں اور چار رکعت والی نمازیں قصر کر کے دو دو رکعت پڑھیں۔[4] پھر سورج طلوع ہونے کے بعد منیٰ سے چل پڑے اور عرفات تشریف لائے۔ وہاں "وادیٔ نمرہ" میں آپ کے لیے قبہ لگا ہوا تھا۔ آپ ﷺ اسی میں استراحت فرما ہوئے۔ سورج ڈھلا تو قصواء اونٹنی پر سوار ہو کر "وادیٔ عرنہ" میں تشریف لائے۔ لوگ آپ کے گرد جمع تھے۔ آپ نے ان کے اندر کھڑے ہو کر خطبہ دیا۔ اللہ کی حمد وثنا کی، شہادت کے کلمات کہے، اللہ سے ڈرنے کی وصیت کی، پھر جو باتیں کہیں ان میں آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَيُّهَا النَّاسُ! اِسْمَعُوا قَوْلِي، فَإِنِّي لَا أَدْرِي لَعَلِّي لَا أَلْقَاكُمْ بَعْدَ عَامِي هٰذَا بِهٰذَا الْمَوْقِفِ أَبَدًا، إِنَّ دِمَائَكُمْ وَ أَمْوَالَكُمْ وَ أَعْرَاضَكُمْ حَرَامٌ

[1] صحيح البخاري، الحج، باب ما يلبس المحرم من الثياب......، حديث:1545. [2] صحيح البخاري، الحج، باب التمتع والقران والإفراد......، حديث:1568و7229. [3] صحيح البخاري، الحج، باب التحميد و التسبيح والتكبير، حديث:1551. [4] صحيح البخاري، الحج، باب أين يصلي الظهر يوم التروية، حديث:1653.

عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا، فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا، فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا، أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوعٌ ، وَ دِمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعَةٌ وَ إِنَّ أَوَّلَ دَمٍ أَضَعُ مِنْ دِمَائِنَا دَمُ ابْنِ رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ، وَ رِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ، وَ أَوَّلُ رِبًا أَضَعُ مِنْ رِبَانَا رِبَا عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، فَإِنَّهُ مَوْضُوعٌ كُلُّهُ، فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ، فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانِ اللّٰهِ، وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ، وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لَّا يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُونَهُ، فَإِنْ فَعَلْنَ ذٰلِكَ فَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ، وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ، وَ قَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ: كِتَابُ اللّٰهِ، وَ أَنْتُمْ تُسْأَلُونَ عَنِّي، فَمَا أَنْتُمْ قَائِلُونَ؟»

’’لوگو! میری بات سنو! مجھے نہیں معلوم، غالباً میں تم سے اس سال کے بعد اس مقام پر کبھی نہ مل سکوں گا۔[1] تمھارا خون، تمھارا مال اور تمھاری آبرو ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہے، جس طرح آج کے دن کی، موجودہ مہینے کی اور موجودہ شہر کی حرمت ہے۔ سن لو! جاہلیت کی ہر چیز میرے پاؤں تلے روند دی گئی۔ جاہلیت کے خون بھی ختم کر دیے گئے اور ہمارے خون میں سے پہلا خون جسے میں ختم کر رہا ہوں وہ ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون ہے (یہ بچہ بنو سعد میں دودھ پی رہا تھا کہ بنو ہذیل نے اسے قتل کر دیا) اور جاہلیت کا سود ختم کر دیا گیا اور ہمارے سود میں سے پہلا سود جسے میں ختم کر رہا ہوں وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے۔ اب یہ سارے کا سارا سود ختم ہے۔ ہاں! عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو کیونکہ تم نے انھیں اللہ کی امان کے ساتھ لیا ہے اور اللہ کے کلمے کے ذریعے سے ان کی شرمگاہیں حلال کی

[1] سیرت ابن ہشام:603/2.

ہیں۔ ان پر تمھارا حق یہ ہے کہ وہ تمھارے بستر پر کسی شخص کو نہ آنے دیں، جو تمھیں گوارا نہیں، اگر وہ ایسا کریں تو تم انھیں مار سکتے ہو لیکن سخت مار نہ مارنا۔ اور تم پر ان کا حق یہ ہے کہ تم انھیں معروف طریقے سے کھلاؤ اور پہناؤ۔ اور میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جارہا ہوں کہ اگر تم نے اسے مضبوطی سے پکڑے رکھا تو اس کے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے اور وہ ہے اللہ کی کتاب! اور تم سے میرے متعلق پوچھا جائے گا تو کیا کہو گے؟''

صحابہ نے کہا: ''ہم شہادت دیں گے کہ آپ نے تبلیغ کر دی، پیغام پہنچا دیا اور خیر خواہی کا حق ادا فرما دیا۔''

یہ سن کر آپ ﷺ نے شہادت کی انگلی کو آسمان کی طرف اٹھاتے اور لوگوں کی طرف جھکاتے ہوئے فرمایا: «اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ، اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ، اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ»

''اے اللہ! گواہ رہ۔ اے اللہ! گواہ رہ۔ اے اللہ! گواہ رہ۔''[1]

اس خطبے میں آپ نے مزید کئی امور بیان فرمائے اور جب فارغ ہوئے تو آپ پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا:

﴿اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾

''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو بحیثیتِ دین پسند کر لیا۔''[2]

چنانچہ یہ نعمت اور سعادت کا دن تھا۔

خطبہ کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی اور پھر اقامت کہی اور رسول اللہ ﷺ نے دو رکعت ظہر کی نماز پڑھائی، پھر اقامت کہی اور آپ نے دو رکعت عصر کی نماز پڑھائی۔ دونوں کو ظہر کے وقت میں جمع تقدیم کے طور پر اکٹھا کیا اور ان دونوں کے درمیان کوئی نماز

[1] صحیح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ، حدیث: 1218. [2] المآئدة 3:5.

نہیں پڑھی، پھر ''جائے وقوف'' پر تشریف لائے۔ اونٹنی کا شکم چٹانوں کی جانب کیا اور قبلہ رخ مسلسل وقوف فرمایا، یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا اور تھوڑی زردی چلی گئی، پھر روانہ ہو کر ''مزدلفہ'' تشریف لائے اور وہاں مغرب اور عشاء کی نماز ایک اذان اور دو اقامت سے پڑھی اور درمیان میں کوئی نماز نہ پڑھی، پھر آپ لیٹ گئے اور طلوعِ فجر تک لیٹے رہے، پھر صبح تڑکے فجر کی نماز پڑھی اور ''مَشْعَرِ حَرام'' آ گئے اور وہاں قبلہ رخ ہو کر دعا، تکبیر وتہلیل اور توحید کے کلمات کہتے رہے، یہاں تک کہ خوب اجالا ہو گیا۔

اس کے بعد سورج طلوع ہونے سے پہلے منیٰ کے لیے روانہ ہو گئے اور جمرۂ کبریٰ پر آ کر سات کنکریاں ماریں۔ ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے جاتے تھے۔ اس جمرے کو کنکری مارنے تک آپ لبیک پکارتے رہے اور کنکری مارنے کے ساتھ ہی تلبیہ ختم کر دیا۔ نیز اس جمرے کے پاس ٹھہر کر آپ یہ بھی فرماتے رہے:

«خُذُوا عَنِّي مَنَاسِكَكُمْ، فَلَعَلِّي لَا أَحُجُّ بَعْدَ عَامِي هٰذَا»

''مجھ سے اپنے اعمالِ حج سیکھ لو، غالبًا میں اس سال کے بعد حج نہ کر سکوں گا۔''[1]

پھر آپ منیٰ میں اپنے ڈیرے پر تشریف لائے اور اپنے دست مبارک سے سو میں سے تریسٹھ اونٹ نحر کیے۔ باقی سینتیس اونٹ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نحر کیے، پھر آپ کے حکم سے ہر اونٹ کا ایک ایک ٹکڑا کاٹ کر ہانڈی میں ڈالا گیا جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور لوگوں نے اس کا گوشت تناول کیا اور شوربا پیا۔

قربانی سے فارغ ہو کر حجام کو بلایا اور سر کا داہنا حصہ پہلے مُنڈوایا۔ اس نے مونڈ کر ایک ایک دو دو بال لوگوں میں تقسیم کر دیے پھر بایاں حصہ مونڈ کر ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کپڑے پہنے، خوشبو لگائی اور اس کے بعد سوار ہو کر بیت اللہ تشریف لائے اور ''طواف افاضہ'' کیا لیکن صفا مروہ کے درمیان سعی نہیں کی۔ اس کے بعد ظہر کی نماز پڑھ کر بنو عبدالمطلب کے پاس آئے۔ وہ لوگ زمزم پلا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] سنن النسائي، مناسك الحج، باب الركوب إلى الجمار...... حديث: 3064.

نے فرمایا:

«انْزِعُوا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ! فَلَوْ لَا أَنْ يَّغْلِبَكُمُ النَّاسُ عَلٰى سِقَايَتِكُمْ لَنَزَعْتُ مَعَكُمْ»

''بنو عبدالمطلب! تم لوگ پانی کھینچو اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ تمھارے پانی پلانے کے اس کام میں تمھیں مغلوب کر دیں گے تو میں بھی تم لوگوں کے ساتھ کھینچتا۔''

چنانچہ انھوں نے آپ کو ایک ڈول پانی دیا اور آپ نے اسے پیا۔[1]

اس کے بعد آپ منٰی واپس آگئے اور وہاں ایام تشریق، یعنی 13,12,11 ذی الحجہ تک ٹھہر کر تینوں جمرات کو روزانہ سورج ڈھلنے کے بعد کنکری مارتے رہے۔ جمرۂ صغرٰی سے شروع کرتے، اسے سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے، پھر جمرۂ وسطٰی اور اس کے بعد جمرۂ کبرٰی کو کنکریاں مارتے۔

نبی ﷺ نے یوم النحر (دسویں تاریخ) کو بھی ایک خطبہ دیا، پھر ایام تشریق کے درمیانے دن ...... 12 ذی الحجہ...... کو بھی ایک خطبہ دیا، جس میں خطبہ عرفہ کی باتوں کی تاکید فرمائی اور مزید نصیحتیں بھی کیں۔ ایامِ تشریق کے درمیانے دن خطبہ سے پہلے سورۂ نصر نازل ہوئی۔

13 ذی الحجہ کو...... جو ایامِ تشریق کا تیسرا اور حج سے واپسی کا دوسرا اور آخری دن ہے اور یہ منگل کا دن تھا...... نبی ﷺ نے جمرات کو کنکریاں مار کر منٰی سے کوچ فرمایا اور ''ابطح'' میں اتر کر وہیں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھیں اور وہیں سے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کے بھائی حضرت عبدالرحمان بن ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھیجا کہ انھیں تنعیم سے عمرہ کرا لائیں، چنانچہ انھوں نے احرام باندھا، عمرہ کیا، پھر سحری کے وقت ''ابطح'' میں آگئیں۔ ادھر نبی ﷺ کچھ دیر خوابیدہ رہے۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آگئیں تو کوچ کا اعلان کیا اور سوار ہو کر خانہ کعبہ تشریف لے گئے۔ طواف وداع کیا اور فجر کی نماز پڑھی، پھر

[1] صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ حديث: 1218، وصحيح البخاري، الحج، أبواب 89 تا 97.

زیریں مکہ سے نکل کر مدینے کا رخ کیا۔ جب مدینہ قریب آ گیا اور اس کے آثار دکھائی دینے لگے تو تین بار ''اللہ اکبر'' کہا، پھر فرمایا:

«لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ آئِبُونَ تَائِبُونَ، عَابِدُونَ، سَاجِدُونَ، لِرَبِّنَا حَامِدُونَ، صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ»

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لیے بادشاہت ہے۔ اسی کے لیے تعریف ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ہم پلٹنے والے، توبہ کرنے والے، عبادت گزار، سجدہ کرنے والے اور اپنے رب کی تعریف کرنے والے ہیں۔ اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ اپنے بندے کی مدد کی اور تنہا ساری جماعتوں کو شکست دی۔''

''سریہ'' اسامہ بن زید (ربیع الاول 11 ہجری) رسول اللہ ﷺ نے واپس آ کر مدینے میں قیام فرمایا اور 23 سال پہلے آپ نے جو دعوت شروع کی تھی، اس کی کامیابی اور اللہ کے دین میں فوج در فوج لوگوں کے داخلے کا جو منظر آپ کے رب نے آپ کو دکھایا، اس پر اس کی حمد و تسبیح کرتے رہے۔ اس دوران بعض وفود کا استقبال بھی کیا اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو سات سو فوجیوں کے ساتھ تیار کیا۔ حکم دیا کہ علاقہ بلقاء اور ''داروم'' کی فلسطینی سر زمین سواروں کے ذریعے سے روند آؤ۔ یہ لشکر روانہ ہو کر مدینے سے تین میل دور مقام ''جرف'' میں خیمہ زن ہوا لیکن رسول اللہ ﷺ کی بیماری کے متعلق تشویش ناک خبروں کے سبب وہیں رک کر نتیجے کا انتظار کرنے لگا۔ اللہ کا فیصلہ یہ ظاہر ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی اور یہ لشکر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت کی پہلی فوجی مہم کی شکل اختیار کر گیا۔ [1]

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب بعث النبي ﷺ أسامة......، حديث: 4469,4468، وسيرت ابن هشام: 2/ 250 و 606.

باب: 6

رفیق اعلیٰ کی جانب

الوداعی آثار جب رسول اللہ ﷺ نے دینِ قیم کی تبلیغ فرمالی اور امت کی خیر خواہی کا کام مکمل کر لیا تو آپ ﷺ کے اقوال و اعمال سے آپ کی رحلت کے آثار نمایاں ہونا شروع ہو گئے۔ آپ نے دسویں سال رمضان میں بیس دن اعتکاف فرمایا اور حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو دو مرتبہ قرآن کا دور کرایا۔

آپ نے اپنی صاحب زادی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

«لَا أَرَىٰ ذٰلِكَ إِلَّا اقْتِرَابَ أَجَلِي»

''میں سمجھتا ہوں کہ میرا وقت قریب آ چکا ہے۔''[1]

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن رخصت کیا تو انھیں وصیت کرنے کے بعد فرمایا:

«يَا مُعَاذُ! إِنَّكَ عَسٰى أَنْ لَا تَلْقَانِي بَعْدَ عَامِي هٰذَا، وَ لَعَلَّكَ أَنْ تَمُرَّ بِمَسْجِدِي هٰذَا وَ قَبْرِي»

''اے معاذ! غالبًا اس سال کے بعد تم مجھ سے ملاقات نہ کر سکو گے اور میری اس مسجد اور میری قبر کے پاس سے گزرو گے۔''

یہ سن کر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے غمِ جدائی سے رونے لگے۔[2]

آپ ﷺ نے حجۃ الوداع میں کئی بار کہا:

[1] صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب كان جبريل يعرض القرآن على النبي ﷺ، حديث: 4998. [2] مسند أحمد: 235/5.

«لَعَلِّي لَا أَلْقَاكُمْ بَعْدَ عَامِي هٰذَا، وَلَعَلِّي لَا أَحُجُّ بَعْدَ عَامِي هٰذَا»

''غالباً میں تم لوگوں سے اس سال کے بعد نہ مل سکوں گا۔ غالباً میں اس سال کے بعد حج نہ کر سکوں گا۔''

اسی طرح ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ﴾ اور ﴿ إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ ﴾ کا نزول اس بات کا پیغام تھا کہ آپ دنیا میں اپنی مہم سے فارغ ہو چکے ہیں۔ اسی وجہ سے اس حج کا نام حجۃ الوداع رکھا گیا کیونکہ آپ ﷺ نے اپنے رب سبحانہ وتعالیٰ کی طرف منتقل ہونے کے لیے لوگوں کو الوداع کہا۔

اوائل صفر 11 ہجری میں آپ ''احد'' تشریف لے گئے اور شہدا کے لیے اس طرح دعا کی گویا زندوں اور مُردوں سے رخصت ہو رہے ہیں، پھر واپس آ کر منبر پر فروکش ہوئے اور فرمایا:

«أَنَا فَرَطٌ لَّكُمْ وَ أَنَا شَهِيدٌ عَلَيْكُمْ، وَ إِنِّي وَاللّٰهِ لَأَنْظُرُ إِلٰى حَوْضِي الْآنَ، وَ إِنِّي أُعْطِيتُهُ مَفَاتِيحَ خَزَائِنِ الْأَرْضِ، أَوْ مَفَاتِيحَ الْأَرْضِ وَ إِنِّي وَاللّٰهِ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوا بَعْدِي، وَلٰكِنْ أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنَافَسُوا فِيهَا»

''میں تمھارا پیش رو ہوں اور تم پر گواہ ہوں۔ واللہ! میں اس وقت اپنا حوض دیکھ رہا ہوں۔ مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ واللہ! مجھے تم سے یہ خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرو گے بلکہ اس بات کا اندیشہ ہے کہ دنیا میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی دوڑ میں لگ جاؤ گے۔''[1]

ماہ صفر کے آخر میں آپ رات کے وقت ''بقیع غرقد'' تشریف لے گئے اور اہل بقیع کے لیے دعائے مغفرت کی اور فرمایا:

[1] صحيح البخاري، المغازي، الجنائز، باب الصلاة على الشهيد، حديث:1344.

«إِنَّا بِكُمْ لَاحِقُونَ» ''ہم بھی تم سے آن ملنے والے ہیں۔''[1]

مرض کا آغاز ماہ صفر کے آخری سوموار کو رسول اللہ ﷺ ایک جنازے میں بقیع تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''آپ بقیع سے واپس تشریف لائے تو میں اپنے سر میں درد محسوس کر رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ ''ہائے میرا سر۔'' آپ نے فرمایا:

«بَلْ أَنَا وَاللّٰهِ يَا عَائِشَةُ وَا رَأْسَاهُ» ''بلکہ میں واللہ! اے عائشہ! ہائے میرا سر۔''[2]

یہ آپ ﷺ کی بیماری کی ابتدا تھی۔ آپ اس کے باوجود باری باری تمام ازواجِ طیبات کے پاس دن گزارتے رہے، یہاں تک کہ مرض سخت ہو گیا۔ اس وقت آپ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے اور پوچھ رہے تھے کہ میں کل کہاں رہوں گا؟ میں کل کہاں رہوں گا؟ مقصود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری تھی۔ ازواج مطہرات نے اجازت دے دی کہ آپ جہاں چاہیں رہیں، چنانچہ آپ حضرت فضل بن عباس اور علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہما کے درمیان ٹیک لگا کر دونوں پاؤں زمین پر گھسیٹتے ہوئے نکلے اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر منتقل ہو گئے۔[3]

عہد اور وصیت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''جب نبی ﷺ میرے گھر تشریف لائے اور بیماری نے زور پکڑا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«هَرِيقُوا عَلَيَّ مِنْ سَبْعِ قِرَابٍ، وَلَمْ تُحْلَلْ أَوْكِيَتُهُنَّ، لَعَلِّي أَعْهَدُ إِلَى النَّاسِ»

''مجھ پر سات مشکیزے پانی ڈالو، جن کا بندھن نہ کھولا گیا ہو تاکہ میں لوگوں کو وصیت کروں۔''

[1] صحيح مسلم، الجنائز، حديث: 974، باب ما يقال عند دخول القبور و الدعاء لأهلها، حديث: 974. [2] صحيح البخاري، المرض، باب مارخص للمريض أن يقول: إني وجع، حديث: 5666. [3] صحيح البخار ، المغازي، باب مرض النبي ﷺ، ووفاته، حديث: 4442.

چنانچہ ہم نے آپ کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے ایک لگن میں بٹھا کر ان مشکیزوں سے پانی ڈالا، حتیٰ کہ آپ اشارہ فرمانے لگے کہ تم لوگوں نے کام پورا کر دیا، پھر آپ لوگوں کی جانب تشریف لے گئے، انھیں نماز پڑھائی اور خطاب فرمایا۔ ①

اس خطاب میں آپ ﷺ نے منجملہ اور باتوں کے فرمایا:

«إِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ، وَ صَالِحِيهِمْ مَسَاجِدَ، أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ، إِنِّي أَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ»

''تم سے پہلے جو لوگ تھے وہ اپنے انبیاء اور بزرگوں کی قبروں کو مساجد بنا لیتے تھے، تم لوگ قبروں کو مساجد نہ بنانا۔ میں تمھیں اس سے منع کرتا ہوں۔'' ② اور فرمایا:

«لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْيَهُودِ وَالنَّصَارٰى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ»

''یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت۔ انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنایا۔'' ③

مزید فرمایا: «لَا تَتَّخِذُوا قَبْرِي وَثَنًا يُعْبَدُ»

''تم لوگ میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اس کی پوجا کی جائے۔'' ④

پھر آپ ﷺ نے اپنے آپ کو قصاص (زیادتی کے بدلے) کے لیے پیش کیا۔ انصار کے متعلق خیر کی وصیت کی، پھر فرمایا:

«إِنَّ عَبْدًا خَيَّرَهُ اللّٰهُ بَيْنَ أَنْ يُؤْتِيَهُ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا مَا شَاءَ وَ بَيْنَ مَا عِنْدَهُ، فَاخْتَارَ مَا عِنْدَهُ»

''ایک بندے کو اللہ نے اختیار دیا کہ وہ دنیا کی چمک دمک اور زیب و زینت میں سے جو چاہے لے لے۔ یا اللہ کے پاس جو کچھ ہے اسے اختیار کر لے۔ تو اس

① صحيح البخاري، الوضوء، باب الغسل و الوضوء في المخضب، حديث: 198. ② صحيح مسلم، المساجد، باب النهي عن بناء المساجد على القبور، حديث: 532. ③ صحيح البخاري، الصلاة، باب: 55، حديث: 436,435. ④ موطأ إمام مالك، قصر الصلاة في السفر، باب جامع الصلاة، حديث: 85.

بندے نے اللہ کے پاس جو کچھ ہے اسے اختیار کیا۔"

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"یہ سن کر سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور فرمایا" ہم اپنے ماں باپ کے ساتھ آپ پر قربان!"

اس پر ہمیں تعجب ہوا۔ لوگوں نے کہا:"اس بڈھے کو دیکھو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک بندے کے بارے میں یہ بتا رہے ہیں کہ اللہ نے اسے اختیار دیا کہ دنیا کی چمک دمک اور زیب وزینت میں سے جو چاہے اسے اللہ دے دے یا وہ اللہ کے پاس جو کچھ ہے اسے اختیار کر لے اور یہ بڈھا کہہ رہا ہے کہ ہم اپنے ماں باپ کے ساتھ آپ پر قربان۔" (لیکن چند دن بعد واضح ہوا کہ) جس بندے کو اختیار دیا گیا تھا وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم میں سب سے زیادہ صاحبِ علم تھے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تعریف کی اور ان کے دروازے کے سوا مسجد میں کھلنے والے تمام دروازوں کو بند کرنے کا حکم دیا۔ یہ بدھ کے روز کی بات ہے۔[1]

جمعرات کو آپ کی بیماری نے اور شدت اختیار کر لی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«هَلُمُّوا، أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ أَبَدًا»

"لاؤ! میں تمھیں ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو گے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حاضرین سے کہا: "نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تکلیف کا غلبہ ہے اور تمھارے پاس قرآن ہے۔ اللہ کی یہ کتاب تمھارے لیے کافی ہے۔"

اس پر لوگوں میں اختلاف ہو گیا اور جب شور اور اختلاف زیادہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«قُومُوا عَنِّي» "میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔"

اسی دن آپ نے وصیت کی کہ یہود ونصاریٰ اور مشرکین کو جزیرۃ العرب سے نکال دیا

[1] صحيح البخاري، الصلاة، باب الخوخة و الممر في المسجد، حديث:466.

جائے اور وفود کو اسی طرح نوازا جائے، جیسے آپ نوازتے تھے اور نماز اور غلاموں اور لونڈیوں کے متعلق بھی تاکید فرمائی[1] اور فرمایا:

«تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا، كِتَابَ اللّٰهِ وَ سُنَّةَ نَبِيِّهِ»

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں، جب تک انھیں مضبوطی سے پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ کتاب اللہ اور میری سنت۔''[2]

نماز کے لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جانشینی نبی ﷺ مرض کی شدت کے باوجود نماز خود پڑھایا کرتے تھے لیکن اس دن ...... جمعرات کو...... جب عشاء کا وقت ہوا تو آپ نے لگن میں غسل فرمایا تاکہ مرض میں تخفیف ہو جائے، پھر اٹھنے لگے تو غشی طاری ہو گئی۔ افاقہ ہوا تو دوبارہ غسل فرمایا لیکن پھر اٹھنے لگے تو دوبارہ غشی طاری ہو گئی۔ تیسری بار غسل فرمایا اور اٹھنے لگے تو پھر غشی طاری ہو گئی۔ آخر آپ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کہلا بھیجا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، چنانچہ اس وقت سے بقیہ ایام میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی۔[3] آپ کی حیاتِ مبارکہ میں ان کی پڑھائی گئی نمازوں کی کل تعداد سترہ ہے۔

ہفتے یا اتوار کو رسول اللہ ﷺ نے کچھ افاقہ محسوس کیا، چنانچہ دو آدمیوں کے درمیان ظہر کی نماز کے لیے تشریف لائے۔ اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے۔ آپ کو ان کے بائیں بٹھا دیا گیا، چنانچہ اب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی اقتدا کر رہے تھے اور لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتدا کر رہے تھے کہ وہی لوگوں کو تکبیر سنا رہے تھے۔[4]

جو کچھ تھا سب صدقہ فرما دیا اتوار کے دن نبی ﷺ نے اپنے غلام آزاد کر دیے۔ آپ کے پاس سات دینار تھے، انھیں صدقہ کر دیا۔ ہتھیار مسلمانوں کو ہبہ کر دیے۔ رات

① المستدرك للحاكم: 93/1. ② صحيح البخاري، الجهاد، باب هل يُسْتَشْفَعُ إلى أهل الذمة......، حديث: 3053. ③ صحيح البخاري، الأذان، باب: إنما جعل الإمام ليؤتم به، حديث: 687. ④ صحيح البخاري، الأذان، باب: إنما جعل الإمام ليؤتم به، حديث: 687.

آئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنا چراغ ایک عورت کے پاس بھیجا اور کہلایا کہ اپنی کپی سے ہمارے چراغ میں گھی ٹپکا دو۔[1] آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع (تقریباً 66 کلو) جو کے عوض رہن رکھی ہوئی تھی۔[2]

حیاتِ مبارکہ کا آخری دن سوموار کی صبح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کا پردہ ہٹایا اور لوگوں کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔ اس پر ابوبکر رضی اللہ عنہ ایڑیوں کے بل پیچھے ہٹے اور سمجھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے تشریف لانا چاہتے ہیں۔ (بقول حضرت انس رضی اللہ عنہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر مسلمان اس قدر خوش ہوئے کہ چاہا کہ آپ کی مزاج پرسی کے لیے نماز توڑ دیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ ''اپنی نماز پوری کر لو۔'' پھر حجرے کے اندر تشریف لے گئے اور پردہ گرا لیا۔[3]

اسی دن یا اسی ہفتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور کچھ سرگوشی کی۔ وہ رونے لگیں، پھر کچھ سرگوشی کی تو وہ ہنسنے لگیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا تو یہ بات چھپا لے گئیں لیکن جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو بتلایا کہ آپ نے پہلی دفعہ یہ فرمایا تھا:

«إِنَّهُ يَمُوتُ فِي مَرَضِهِ هٰذَا» ''وہ اپنے اسی مرض سے وفات پا جائیں گے۔''

اس لیے وہ روئیں اور دوسری بار یہ فرمایا تھا:

«إِنَّكِ أَوَّلُ أَهْلِ بَيْتِي لِحَاقًا بِي» ''میرے اہل وعیال میں سب سے پہلے تم مجھ سے آملو گی۔''

اس لیے وہ ہنسیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں یہ بشارت بھی دی کہ تم ساری خواتین عالم کی سیدہ (سردار) ہو۔[4]

① طبقات ابن سعد: 239,237/2. ② صحيح البخاري، البيوع، باب شراء الإمام الحوائج نفسه، حديث: 2096. ③ صحيح البخاري، الأذان، باب أهل العلم والفضل أحق بالإمامة، حديث: 680. ④ صحيح البخاري، المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، حديث: 3623.

ادھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے کرب کی شدت دیکھی تو بے ساختہ پکار اٹھیں: وَا كَرْبَ أَبَاهُ ''ہائے ابا جان کی تکلیف!''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیرے ابا کو آج کے بعد کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔''[1]

پھر آپ ﷺ نے حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو بلا کر چوما اور ازواجِ مطہرات کو بلا کر وعظ و نصیحت کی۔

ادھر لحہ بہ لحہ تکلیف بڑھتی جارہی تھی اور اس زہر کا اثر بھی ظاہر ہونا شروع ہو گیا جو آپ کو خیبر میں کھلایا گیا تھا، چنانچہ آپ اس کے الم کی شدت محسوس کرنے لگے۔[2] آپ ﷺ نے چہرے پر ایک چادر ڈال رکھی تھی جب سانس پھولنے لگتا تو چہرے سے ہٹا دیتے۔ اسی حالت میں آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْيَهُودِ وَالنَّصَارٰى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ»

''یہود اور نصاریٰ پر اللہ کی لعنت۔ انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنایا۔''

(مقصود ان کے جیسے کام سے روکنا تھا)۔[3]

مزید فرمایا: «لَا يَبْقَيَنَّ دِينَانِ بِأَرْضِ الْعَرَبِ»

''سرزمین عرب میں دو دین نہ باقی رہنے دیے جائیں۔''[4]

یہ آخری ارشاد اور وصیت تھی جو آپ نے لوگوں کو فرمائی۔ اس کے بعد کئی بار فرمایا:

«اَلصَّلَاةَ، الصَّلَاةَ! وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ»

''نماز، نماز اور تمھارے زیر دست'' یعنی لونڈی و غلام۔''[5]

عالمِ نزع اور وفات پھر نزع کی حالت شروع ہو گئی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب مرض النبي ﷺ ووفاته، حديث: 4462. [2] صحيح البخاري، المغازي، باب مرض النبي ﷺ ووفاته، حديث: 4468. [3] صحيح البخاري، الصلاة، باب: 55، حديث: 436,435. [4] السنن الكبرىٰ للبيهقي: 135/6. [5] سنن ابن ماجه: الجنائز، باب ماجاء في ذكر مرض رسول الله ﷺ، حديث: 1625، ومسند أحمد: 290/6.

اپنے سینے اور گلے کے درمیان سہارا دے کر ٹیک لیا۔ اسی دوران میں ان کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے۔ ان کے پاس کھجور کی تازہ شاخ کی مسواک تھی۔ رسول اللہ ﷺ مسواک کی طرف دیکھنے لگے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سمجھ گئیں کہ آپ مسواک چاہتے ہیں۔ انھوں نے پوچھا تو آپ نے سر سے اشارہ کیا کہ ہاں! چنانچہ انھوں نے مسواک لے کر چبائی اور نرم کی، پھر آپ ﷺ نے اسے لے کر نہایت اچھی طرح مسواک کی۔ آپ کے سامنے کٹورے میں پانی تھا۔ آپ پانی میں دونوں ہاتھ ڈال کر چہرہ پونچھتے جاتے اور فرماتے جاتے تھے:

«لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، إِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٍ»

"اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ موت کے وقت سختیاں ہیں۔"[1]

پھر آپ نے دونوں ہاتھ یا انگلی اٹھائی، نگاہ چھت کی طرف بلند کی اور دونوں ہونٹوں پر کچھ حرکت ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کان لگایا تو آپ ﷺ فرما رہے تھے:

﴿مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ﴾ (النسآء 4:69)، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي وَارْحَمْنِي وَ أَلْحِقْنِي بِالرَّفِيقِ الْأَعْلٰى، اَللّٰهُمَّ الرَّفِيقَ الْأَعْلٰى»

"ان انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ جنھیں تو نے انعام سے نوازا۔ یااللہ! مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما اور مجھے "رفیق اعلیٰ" میں پہنچا دے، اے اللہ! رفیق اعلیٰ۔"

آخری فقرہ تین بار دہرایا اور روح پرواز کر گئی، ہاتھ جھک گیا اور آپ "رفیق اعلیٰ" سے جا ملے۔[2] ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ (البقرة 2:156)

یہ سوموار، ربیع الاول کی 12 تاریخ اور ہجرت کا گیارھواں سال تھا۔ اس وقت آپ ﷺ

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب مرض النبي ﷺ ووفاته، حديث: 4449. [2] صحيح البخاري، المغازي، باب مرض النبي ﷺ و وفاته، حديث: 4435.

کی عمر تریسٹھ سال پوری ہو چکی تھی۔

صحابہ کی حیرت اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا موقف اس حادثۂ دل فگار کی خبر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں فوراً پھیل گئی اور ان پر دنیا تاریک ہو گئی۔ قریب تھا کہ وہ اپنے حواس کھو بیٹھتے، چنانچہ کوئی دن اس سے تاب ناک اور بہتر نہ تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تھے اور کوئی دن اس سے زیادہ تاریک اور قبیح نہ تھا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔[1] صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم رو رو کر اس طرح آہیں بھر رہے تھے، جیسے حاجیوں کا شور برپا ہو۔

ادھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر مسجد میں فرما رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک وفات نہیں پائیں گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ منافقین کو فنا نہ کر لے اور اس شخص کو قتل کرنے کی دھمکیاں دے رہے تھے جو یہ کہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ہیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ان کے گرد مسجد میں حیرت اور غم کی تصویر بنے موجود تھے۔[2]

جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صبح کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض میں کمی دیکھی تو ''سُنح'' میں واقع اپنے مکان پر چلے گئے۔ انھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر ہوئی تو اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور اتر کر مسجد نبوی میں داخل ہوئے۔ لوگوں سے کوئی بات نہ کی۔ سیدھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قصد فرمایا۔ آپ کا جسد مبارک دھاری دار یمنی چادر سے ڈھکا ہوا تھا۔ انھوں نے چہرہ مبارک کھولا، اسے چوما اور روئے، پھر فرمایا:

''میرے ماں باپ آپ پر قربان! اللہ آپ پر دو موتیں جمع نہیں فرمائے گا۔ جو موت آپ پر لکھ دی گئی تھی، وہ آپ کو آ چکی۔''

اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے اور کہا: ''عمر بیٹھ جاؤ!''

مگر انھوں نے بیٹھنے سے انکار کر دیا، چنانچہ ان کو چھوڑ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ منبر کے پاس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

[1] جامع الترمذي، المناقب، باب سلوا الله لي الوسيلة، حديث: 3618. [2] سیرت ابن ہشام: 655/2.

«أَمَّا بَعْدُ: مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْمَاتَ، وَ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَإِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَّا يَمُوتُ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۗ أَفَإِنْ مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۗ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِينَ ○﴾ (آل عمران 144)

''امابعد! تم میں سے جو شخص محمد ﷺ کی پوجا کرتا تھا تو (وہ جان لے کہ) محمد ﷺ کی موت واقع ہو چکی ہے اور تم میں سے جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا تو یقیناً اللہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے، کبھی نہیں مرے گا۔ اللہ کا ارشاد ہے۔'' محمد نہیں ہیں مگر رسول۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ تو کیا اگر ان کی موت واقع ہو جائے یا وہ شہید کر دیے جائیں تو تم لوگ اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاؤ گے۔ اور جو شخص اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جائے تو وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا اور عنقریب اللہ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔''[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے:

''واللہ! ایسا لگتا تھا کہ لوگوں نے (پہلے) جانا ہی نہ تھا کہ اللہ نے یہ آیت نازل کی ہے، یہاں تک کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کی تلاوت کی تو سارے لوگوں نے ان سے یہ آیت اخذ کی اور تب میں نے جس انسان کو سُنا تو وہ اسی آیت کی تلاوت کر رہا تھا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

''واللہ! میں نے جونہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا تو جان گیا کہ یہ برحق ہے۔ پس میں ٹوٹ کر رہ گیا، حتیٰ کہ میرے پاؤں مجھے اٹھا ہی نہیں رہے تھے اور میں زمین کی طرف لڑھک گیا اور میں جان گیا کہ واقعی نبی ﷺ

[1] آل عمران 3:144.

کی وفات ہو چکی ہے۔“ ①

خلافت کے لیے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتخاب رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سب سے اہم مسئلہ یہ تھا کہ ایک امیر منتخب کیا جائے، جو عوام اور ملک کے معاملات چلانے کے لیے آپ کا جانشین ہو۔ حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ جانشینی کے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ وہ نبی ﷺ کے خاص قریبی ہیں، چنانچہ وہ اور حضرت زبیر نیز بنو ہاشم کے کچھ لوگ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں جمع ہوئے۔ جبکہ انصار نے اپنے میں سے ایک امیر منتخب کرنے کے لیے ”سقیفہ بنی ساعدہ“ میں اجتماع کیا، باقی مہاجرین حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے ہو لیے۔“

حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ”سقیفہ بنی ساعدہ“ تشریف لے گئے۔ ان کے ساتھ حضرت ابوعبیدہ اور دوسرے مہاجرین رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ وہاں مہاجرین وانصار میں بحث وگفتگو ہوئی۔ انصار نے اپنی فضیلت اور استحقاق کا ذکر کیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”آپ لوگوں نے جس خیر کا ذکر کیا ہے آپ لوگ واقعی اس کے اہل ہیں لیکن عرب اس کاروبار (حکومت) کو قریش کے اس قبیلے کے سوا کسی اور کے لیے نہیں جانتے، یعنی وہ قریش کے سوا کسی اور کی حکمرانی تسلیم نہیں کر سکتے۔ وہ عرب میں نسب اور گھرانے دونوں لحاظ سے افضل ہیں۔“ پھر انھوں نے حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پکڑے اور فرمایا:

”میں آپ لوگوں کے لیے ان دونوں میں سے کسی بھی ایک کو پسند کرتا ہوں۔“ اس پر انصار کے ایک آدمی نے کہا، ایک امیر ہم میں سے اور ایک امیر آپ لوگوں میں سے“ اس پر بڑا شور ہوا۔ آوازیں بلند ہوئیں اور اختلاف کا خطرہ ہو چلا۔ اسی وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا: ”ہاتھ پھیلائیے۔“

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہاتھ پھیلایا اور عمر رضی اللہ عنہ اور مہاجرین وانصار نے بیعت کر لی۔ ②

① صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4454. ② صحيح البخاري، الحدود، حديث: 6830.

تجہیز و تکفین اور تدفین منگل کے روز نبی ﷺ کو کپڑے اتارے بغیر غسل دیا گیا۔ غسل دینے والے افراد یہ تھے: ''سیدنا عباس، سیدنا علی، سیدنا عباس کے دو صاحب زادگان فضل، قثم اور رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام شقران، سیدنا اسامہ اور اوس بن خولی رضی اللہ عنہم۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں صاحب زادے آپ ﷺ کی کروٹ بدل رہے تھے، حضرت اسامہ اور شقران رضی اللہ عنہما پانی بہا رہے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ غسل دے رہے تھے اور حضرت اوس رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو سینے پر ٹیک رکھا تھا۔[1]

رسول اللہ ﷺ کو پانی اور بیری کے پتوں سے تین بار غسل دیا گیا۔ پانی ''غرس'' نامی قباء میں واقع حضرت سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ کے کنویں کا تھا۔ آپ ﷺ پینے کے لیے بھی اس کنویں کا پانی استعمال فرمایا کرتے تھے۔[2]

پھر آپ کو تین سفید سوتی یمنی چادروں میں کفنایا گیا۔ ان میں کرتا اور پگڑی نہ تھی۔ بس آپ کو چادروں میں لپیٹ دیا گیا تھا۔[3]

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اسی جگہ رسول اللہ ﷺ کی قبر کھودی، جہاں آپ نے وفات پائی تھی۔ قبر لحد والی کھودی، پھر آپ کی چارپائی قبر کے کنارے رکھ دی گئی۔ دس دس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اندر داخل ہوتے اور فرداً فرداً نماز پڑھتے۔ کوئی امام نہ ہوتا۔ سب سے پہلے آپ ﷺ کے خانوادے نے نماز پڑھی، پھر مہاجرین نے، پھر انصار نے، پھر بچوں نے، پھر عورتوں نے، یا پہلے عورتوں نے، پھر بچوں نے۔[4]

نماز جنازہ پڑھنے میں منگل کا پورا دن اور بدھ کی بیشتر رات گزر گئی۔ اس کے بعد رات کے اواخر میں آپ ﷺ کا جسد مبارک سپرد خاک کیا گیا۔[5]

[1] سنن ابن ماجه، الجنائز، باب ذكر وفاته ودفنه ﷺ، حديث: 1628. [2] طبقات ابن سعد، یہاں تفصیل بھی موجود ہے: 2/277-281. [3] صحيح البخاري، الجنائز، باب الثياب البيض للكفن، حديث: 1264، صحيح مسلم، الجنائز، باب كفن الميت، حديث: 941. [4] موطأ إمام مالك: 231/1، وطبقات ابن سعد: 2/288-292. [5] مسند أحمد: 62/6 و 274.

باب: 7

خانۂ نبوت اور آپ ﷺ کی صفات و اخلاق

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن مختلف اوقات میں نبی ﷺ کی کل گیارہ یا بارہ بیویاں ہوئی ہیں۔ ان میں سے 9 بیویاں زندگی کے اخیر میں آپ ﷺ کے ساتھ موجود تھیں اور دو یا تین بیویاں آپ کی زندگی ہی میں وفات پا گئی تھیں۔ نیچے ان سب کا مختصر تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

ام المؤمنین حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا نبی ﷺ نے جس وقت ان سے شادی کی تھی، ان کی عمر چالیس برس اور آپ ﷺ کی عمر پچیس برس تھی۔ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے سوا آپ کی تمام اولاد انھی کے بطن سے تھی اور آپ ﷺ نے ان کے جیتے جی دوسری شادی نہیں کی۔ رمضان سنہ 10 نبوت میں 65 سال کی عمر میں ان کی وفات مکہ میں ہوئی اور انھیں حجون میں دفن کیا گیا۔

ام المؤمنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا یہ اپنے چچا زاد بھائی سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ دونوں نے اسلام قبول کیا اور حبشہ ہجرت کی، پھر مکہ واپس آئے اور حضرت سکران رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ ان کے بعد شوال سنہ 10 نبوت میں، یعنی حضرت خدیجہ کی وفات کے کوئی ایک مہینہ بعد نبی ﷺ نے ان سے شادی کر لی۔ ان کی وفات مدینے میں شوال 54 ہجری میں ہوئی۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ بنتِ صدیق رضی اللہ عنہا نبی ﷺ نے ان سے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے ایک سال بعد شوال سنہ 11 نبوت میں نکاح کیا۔ اس وقت ان کی عمر چھ سال تھی، پھر ہجرت کے سات مہینے بعد شوال 1 ہجری میں آپ کی رخصتی (شادی) ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر نو سال تھی۔ آپ ﷺ نے ان کے علاوہ کسی کنواری عورت سے شادی نہیں

کی۔ یہ امت کی سب سے زیادہ فقیہ عورت ہیں اور عورتوں پر ان کی فضیلت ایسی ہی ہے، جیسے تمام کھانوں پر ثرید (کھانے) کی فضیلت۔[1] 17 رمضان 57 ہجری کو ان کی وفات ہوئی اور انھیں بقیع میں دفن کیا گیا۔

ام المؤمنین حضرت حفصہ بنت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما یہ حضرت خنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں۔ حضرت خنیس رضی اللہ عنہ کو غزوۂ بدر میں ایک زخم آیا تھا جو بعد میں پھوٹ پڑا اور اس کی وجہ سے وہ بدر اور احد کے درمیانی عرصہ میں انتقال کر گئے۔ جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی عدت گزر گئی تو نبی ﷺ نے شعبان 3 ہجری میں ان سے شادی کر لی۔ انھوں نے بعمر ساٹھ سال مدینہ میں بمطابق شعبان 45 ہجری وفات پائی اور بقیع میں دفن ہوئیں۔

ام المؤمنین حضرت زینب بنت خزیمہ ہلالیہ رضی اللہ عنہا یہ حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، جو بدر میں شہید ہو گئے۔[2] ان کے بعد رمضان 3 ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے ان سے شادی کر لی اور کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ وہ جنگ احد میں شہید ہوئے اور رسول اللہ ﷺ نے 4 ہجری میں ان سے شادی کی۔ انھیں جاہلیت میں "ام المساکین" کہا جاتا تھا کیونکہ وہ مسکینوں کو کھانا کھلاتی تھیں۔ آپ ﷺ سے شادی کے آٹھ مہینے بعد یا تقریباً تین مہینے بعد ربیع الثانی 4 ہجری میں ان کا انتقال ہو گیا۔ نبی ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور انھیں بقیع میں دفن کیا گیا۔

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ بنت ابو امیہ رضی اللہ عنہا یہ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں اور ان سے ان کی کئی اولادیں تھیں۔ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ جمادی الاخریٰ 4 ہجری میں وفات پا گئے، پھر رسول اللہ ﷺ نے شوال 4 ہجری میں چند روز باقی تھے کہ ان سے شادی کر لی۔ یہ فقیہ ترین اور عقل مند ترین عورتوں میں سے تھیں۔

① صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله وضرب الله مثلا......، حديث: 3411.
② ابن اثیر نے ایک مجہول روایت کے تحت لکھا ہے: "یہ طفیل بن حارث کے نکاح میں تھیں، پھر اس کے بھائی عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔" (أسد الغابة: 130/1).

84 سال کی عمر میں 59 ہجری میں اور کہا جاتا ہے کہ 62 ہجری میں وفات پائی اور بقیع میں دفن ہوئیں۔

ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش بن رئاب رضی اللہ عنہا یہ نبی ﷺ کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کی صاحبزادی تھیں۔ ان کی شادی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کی گئی لیکن دونوں میں ہم آہنگی نہ ہو سکی، حتیٰ کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے طلاق دے دی چونکہ نبی ﷺ نے ان کو اپنا متبنّیٰ (لے پالک) بنا رکھا تھا اور اس کی وجہ سے انھیں زید بن محمد کہا جاتا تھا اور اہل جاہلیت میں رواج تھا کہ وہ متبنّیٰ بیٹے کی بیوی کو متبنّیٰ بنانے والے باپ پر اسی طرح حرام سمجھتے تھے جیسے حقیقی بیٹے کی بیوی ہو، اس لیے جب حضرت زید رضی اللہ عنہ سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی عدت گزر چکی تو اللہ نے سات آسمانوں کے اوپر سے نبی ﷺ کے ساتھ ان کی شادی کر دی اور متبنّیٰ بنانے کے عمل کو لغو قرار دے دیا۔ یہ ذی قعدہ 5 ہجری کا واقعہ ہے اور کہا جاتا ہے کہ 4 ہجری میں کسی وقت یہ بات پیش آئی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بڑی عبادت گزار اور زبردست صدقہ کرنے والی خاتون تھیں۔ 53 سال کی عمر میں 20 ہجری میں ان کی وفات ہوئی۔ نبی ﷺ کی وفات کے بعد امہات المؤمنین میں سے سب سے پہلے انھی نے وفات پائی۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور بقیع میں دفن کی گئیں۔

ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بنت الحارث (رئیس بنی المصطلق) یہ شعبان 6 ہجری میں غزوۂ بنو المصطلق کے دوران قید کی گئیں اور حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئیں۔ انھوں نے طے کیا کہ ایک مخصوص رقم ادا کر کے آزاد ہو جائیں۔ نبی ﷺ نے ان کی طرف سے مقررہ رقم ادا کر کے آزاد کر دیا اور شادی کر لی۔ یہ دیکھ کر مسلمانوں نے بنو المصطلق کے سو گھرانے آزاد کر دیے اور کہا کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے سسرالی ہیں، چنانچہ یہ اپنی قوم کے لیے بڑی بابرکت خاتون ثابت ہوئیں۔ 65 سال کی عمر میں ربیع الاول میں 56 ہجری اور کہا جاتا ہے کہ 55 ہجری میں وفات پائی۔

ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رملہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا یہ عبید اللہ بن جحش کے عقد میں

تھیں اور جب اس سے حبیبہ پیدا ہوئیں تو ان کی نسبت سے ان کی کنیت ام حبیبہ پڑ گئی۔ انھوں نے عبیداللہ کے ساتھ حبشہ ہجرت کی۔ لیکن وہ وہاں نصرانی ہو کر حالت ارتداد ہی میں وفات پا گیا مگر ام حبیبہ اسلام پر قائم رہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو نامہ مبارک دے کر نجاشی کے پاس روانہ کیا تو اسے حکم دیا کہ ام حبیبہ کا نکاح نبی ﷺ سے کر دے، چنانچہ نجاشی نے آپ سے ان کا نکاح کر دیا اور اپنے پاس سے چار سو دینار (بطور) مہر دے کر شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ انھیں روانہ کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کی خیبر سے واپسی پر صفر یا ربیع الاول 7 ہجری میں ان کی رخصتی ہوئی۔ 42 یا 44 ہجری میں ان کی وفات ہوئی۔

ام المؤمنین حضرت صفیہ بنت حُیَیّ بن اخطب رضی اللہ عنہا

یہ بنونضیر کے سردار کی صاحب زادی اور بنی اسرائیل میں حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھیں۔ خیبر میں قید ہوئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں اپنے لیے منتخب فرمایا اور ان پر اسلام پیش کیا۔ وہ مسلمان ہوگئیں۔ آپ ﷺ نے انھیں آزاد کر کے ان سے شادی کر لی۔ یہ فتح خیبر 7 ہجری کے وقت کی بات ہے۔ مدینہ واپس ہوتے ہوئے خیبر سے 12 میل کے فاصلے پر ''وادیٔ صہباء'' پہنچ کر ان کی رخصتی ہوئی۔ 50 ہجری میں اور کہا جاتا ہے کہ 52 ہجری میں اور کہا جاتا ہے کہ 36 ہجری میں ان کی وفات ہوئی اور بقیع میں دفن کی گئیں۔

ام المؤمنین حضرت میمونہ بنت حارث ہلالیہ رضی اللہ عنہا یہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بیوی ام الفضل لبابہ الکبریٰ بنت حارث ہلالیہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہیں۔ ان سے رسول اللہ ﷺ نے ذی القعدہ 7 ہجری میں عمرۂ قضا سے احرام کھولنے کے بعد نکاح کیا اور مکے سے نو میل کے فاصلے پر مقام ''سَرِف'' میں ان کی رخصتی ہوئی۔ ان کی وفات بھی مقام ''سَرِف'' ہی میں 61 ہجری میں اور کہا جاتا ہے کہ 63 ہجری میں اور کہا جاتا ہے 38 ہجری میں ہوئی اور وہیں دفن بھی ہوئیں۔ ان کی قبر اب بھی وہاں معروف ہے۔

یہ گیارہ عورتیں ہیں، جو بالاتفاق رسول اللہ ﷺ کی بیویاں اور امہات المؤمنین ہیں۔ ان کے علاوہ ایک عورت ریحانہ بنت زید رضی اللہ عنہا کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ آپ کی بیوی تھیں یا لونڈی تھیں۔ یہ بنونضیر سے تھیں اور بنوقریظہ کے ایک شخص کے عقد میں تھیں۔ غزوۂ بنوقریظہ میں قید ہوئیں اور نبی ﷺ نے انھیں اپنے لیے منتخب فرمایا، پھر کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے انھیں آزاد کر کے محرم 6 ہجری میں شادی کر لی اور وہ ام المؤمنین قرار پائیں اور کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے انھیں آزاد نہیں کیا بلکہ بحیثیت لونڈی رکھا۔ نبی ﷺ حجۃ الوداع سے واپس آئے تو ان کا انتقال ہو گیا اور آپ ﷺ نے انھیں ''بقیع'' میں دفن فرمایا۔

ان عورتوں کے علاوہ آپ کی ایک لونڈی حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا تھیں، جنھیں مقوقس نے ان تحائف کے ضمن میں بھیجا تھا جو آپ ﷺ کے خط کے جواب میں روانہ کیے تھے۔ یہ بادشاہوں کی اولاد سے تھیں۔ انھیں رسول اللہ ﷺ نے اپنے لیے خاص فرمایا اور ان کے بطن سے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ 16 ہجری میں اور کہا جاتا ہے کہ محرم 15 ہجری میں انھوں نے وفات پائی اور بقیع میں دفن ہوئیں۔

اولاد

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے سوا آپ ﷺ کی تمام اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے تھی۔ ذیل میں ان کا مختصر ذکر دیا جا رہا ہے:

1. قاسم رضی اللہ عنہ: یہ رسول اللہ ﷺ کے سب سے بڑے صاحب زادے تھے۔ انھی کی نسبت سے آپ ﷺ کی کنیت ابو القاسم تھی۔ انھوں نے اتنی عمر پائی کہ چلنے لگے تھے، پھر تقریباً دو سال کی عمر میں وفات پا گئے۔
2. زینب رضی اللہ عنہا: یہ نبی ﷺ کی سب سے بڑی صاحب زادی تھیں۔ اللہ کی راہ میں مصائب سے دو چار ہوئیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«هِيَ أَفْضَلُ بَنَاتِي» ''یہ میری سب سے افضل بیٹی ہے۔''[1]

قاسم کے بعد پیدا ہوئیں۔ ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ سے ان کی شادی ہوئی، جو ان کی خالہ ہالہ بنت خویلد کے صاحب زادے تھے۔ زینب رضی اللہ عنہا سے ایک بیٹا علی اور ایک بیٹی امامہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ امامہ رضی اللہ عنہا کو نبی ﷺ نماز میں گود میں لیا کرتے تھے۔ 8 ہجری کے اوائل میں مدینے میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے وفات پائی۔

3 رقیہ رضی اللہ عنہا: ان سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے شادی کی اور ان کے بطن سے ایک صاحب زادے عبد اللہ پیدا ہوئے۔ وہ چھ سال کے تھے کہ مرغ نے ان کی آنکھ میں چونچ ماردی، جس کے اثر سے بالآخر وہ وفات پا گئے۔ رسول اللہ ﷺ بدر میں تھے کہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا وفات پا گئیں۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ فتح کی خوش خبری لے کر مدینہ پہنچے تو انھیں دفن کیا جا چکا تھا۔

4 ام کلثوم رضی اللہ عنہا: رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد بدر سے واپس آکر رسول اللہ ﷺ نے ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے کر دی۔ ان سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ انھوں نے شعبان 9 ہجری میں وفات پائی اور بقیع میں دفن ہوئیں۔

5 فاطمہ رضی اللہ عنہا: یہ آپ ﷺ کی سب سے چھوٹی اور سب سے محبوب صاحب زادی تھیں۔ یہ اہل جنت کی عورتوں کی سیدہ (سردار) ہیں۔ حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے بدر کے بعد ان سے شادی کی۔ ان کے بطن سے دو صاحب زادے، حضرت حسن اور حضرت حسین اور دو صاحب زادیاں، حضرت زینب اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ یہ وہی ام کلثوم ہیں جن سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے شادی کی اور ان سے حضرت زید رحمہ اللہ پیدا ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی تو ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے چچیرے بھائی عون بن جعفر نے ان سے شادی کی، پھر عون کی وفات ہوگئی تو ان کے بھائی محمد نے شادی کر لی، پھر محمد بھی وفات پا گئے تو دوسرے بھائی عبد اللہ نے ان سے شادی کر لی، پھر عبد اللہ کے عقد میں رہتے ہوئے خود

[1] المستدرك للحاكم: 4/44، ودلائل النبوة للبيهقي: 3/156.

ام کلثوم نے وفات پائی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات نبی ﷺ کی وفات کے چھ مہینے بعد ہوئی۔ (نبی ﷺ کی یہ پانچوں اولادیں نبی ﷺ کے شرفِ نبوت سے مشرف ہونے سے پہلے پیدا ہوئیں۔)

6 عبداللہ رضی اللہ عنہ: ان کے بارے میں اختلاف ہے۔ کہا جاتا ہے کہ زمانۂ اسلام میں پیدا ہوئے اور کہا جاتا ہے کہ اس سے پہلے پیدا ہوئے۔ انھوں نے بھی بچپن ہی میں وفات پائی۔ یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نبی ﷺ کے آخری صاحب زادے تھے۔

7 ابراہیم رضی اللہ عنہ: یہ جمادی الاولیٰ یا جمادی الثانیہ 9 ہجری میں آپ کی لونڈی ماریہ قبطیہ کے بطن سے مدینے میں پیدا ہوئے اور 29 شوال 10 ہجری کو، جس دن مدینہ میں سورج گرہن لگا تھا، وفات پائی۔ اس وقت وہ 16 یا 18 مہینے کے بچے تھے اور ابھی دودھ پیتے تھے۔ انھیں بقیع میں دفن کیا گیا اور نبی ﷺ نے فرمایا: ''اُن کے لیے ایک دایہ جنت میں ان کی رضاعت پوری کر رہی ہے۔''[1]

صفات واخلاق

رسول اللہ ﷺ جمالِ خلقت اور کمالِ اخلاق میں سب سے بلند تھے۔ اس بارے میں بہت سی احادیث آئی ہیں۔ یہاں ان کے معانی ومطالب کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:

چہرۂ مبارک اور اس کے متعلقات

رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ مبارک گورا، پرکشش، گول، روشن رنگ، سرخی آمیز تھا، چودھویں کے چاند کی طرح جگمگاتا ہوا۔ جب آپ ﷺ خوش ہوتے تو چہرۂ مبارک اس طرح دمک اٹھتا گویا چاند کا ایک ٹکڑا ہے۔ دھاریاں اس طرح چمکتیں جیسے روشن بادل چمکتا ہے، گویا سورج اس میں دوڑ رہا ہے بلکہ اگر آپ رسول اللہ ﷺ کو دیکھتے تو گویا طلوع ہوتے ہوئے

[1] مسند أحمد: 297/4، ودلائل النبوة للبيهقي: 289/7.

سورج کو دیکھتے۔ چہرے پر پسینہ یوں محسوس ہوتا گویا موتی ہیں اور پسینے کی خوشبو مشکِ خالص سے بھی بڑھ کر ہوتی اور جب آپ غصہ ہوتے تو چہرہ یوں سرخ ہو جاتا کہ گویا دونوں رخسار میں انار کے دانے نچوڑ دیے گئے ہیں۔ دونوں رخسار ہلکے، پیشانی کشادہ، ابرو کماندار باریک اور کامل تھے، باہم ملے نہ تھے اور کہا جاتا ہے کہ ملے تھے۔ آنکھیں کشادہ تھیں، ان کی سفیدی میں سرخی کی آمیزش تھی، پتلی سیاہ تھی، پلکوں کے بال لمبے اور گھنے تھے، آپ دیکھتے تو کہتے کہ آنکھوں میں سرمہ لگا رکھا ہے، حالانکہ آپ سرمہ لگائے ہوئے نہیں ہوتے تھے۔

ناک کا بانسہ بلند اور خم دار تھا۔ اس پر نور بلند ہوتا محسوس ہوتا۔ دونوں کان مکمل تھے۔ منہ خوبصورت اور بڑا تھا۔ سامنے کے دونوں دانتوں میں ذرا سا فاصلہ تھا، بقیہ دانت بھی الگ الگ تھے، دانتوں میں چمک تھی۔ جب آپ مسکراتے تو ایسا لگتا گویا اولے ہیں اور جب آپ گفتگو فرماتے تو دانتوں کے درمیان سے نور نکلتا دکھائی دیتا۔ غرض آپ کے دانت سب سے خوبصورت تھے۔

ڈاڑھی خوبصورت، گھنی، کنپٹی سے کنپٹی تک بھرپور، سینے کو بھرے ہوئے اور بالکل کالی تھی۔ صرف دونوں کنپٹیوں اور ڈاڑھی بچہ میں چند گنے چنے بال سفید تھے۔

سر، گردن اور بال

سر متوازن انداز میں بڑا اور گردن نہایت خوبصورت اور لمبی تھی، بال دونوں کانوں کے نصف یا لو تک ہوا کرتے اور کبھی کبھی اس سے بھی نیچے اور کبھی کبھی دونوں کندھوں کو چھوتے۔ چند بال پیشانی کے بھی سفید تھے مگر اتنے کم کہ سر اور ڈاڑھی ملا کر کل بیس بال بھی سفید نہ تھے۔ سر کے بال ذرا ذرا سے گھونگریالے تھے۔ آپ ناغے سے سر اور داڑھی میں کنگھی فرماتے اور سر کے درمیان سے مانگ نکالتے۔

اعضا و اطراف

ہڈیوں کے سرے، مثلاً: کہنیاں، کندھے اور گھٹنے بڑے بڑے تھے۔ کلائیاں بڑی بڑی اور ان کے جوڑ لمبے تھے۔ ہتھیلیاں اور قدم کشادہ تھے، تلوا گہرا نہ تھا۔ دونوں ہاتھ حریر و دیباج سے زیادہ نرم، برف سے زیادہ ٹھنڈے اور مشک سے زیادہ خوشبودار تھے۔ کہنی سے اوپر اور نیچے دونوں بازو اور اطراف بھاری بھرکم تھے، ایڑیاں اور پنڈلیاں ہلکی تھیں، دونوں کندھوں کے درمیان دوری تھی، اطراف لمبے، سینہ کشادہ اور بالوں سے خالی تھا، صرف لبے سے ناف تک بالوں کی ایک لکیر تھی۔ اس کے علاوہ شکم اور سینے پر بال نہ تھے، کندھے اور اس سے متصل بازو پر البتہ بال تھے، سینہ اور شکم برابر تھے، بغل کا رنگ مٹیالا تھا اور پیٹھ ایسی تھی گویا ڈھلی ہوئی چاندنی۔

قد و قامت اور جسم

آپ کا قد خوبصورت، قامت معتدل اور پیکر سیدھا تھا، نہ آپ ناٹے تھے، نہ لمبے تڑنگے لیکن طول سے قریب تر تھے، چنانچہ کوئی شخص جو لمبائی کی طرف منسوب ہوتا وہ آپ کے ساتھ چلتا تو آپ ﷺ ہی اس سے لمبے ہوتے۔ جسامت معتدل تھی اور بدن گٹھا ہوا، نہ زیادہ موٹے تھے، نہ دبلے پتلے بلکہ دو شاخوں کے درمیان ایک شاخ تھے، جو تینوں میں سے سب سے زیادہ تازہ اور خوش منظر تھی۔

خوشبو

آپ ﷺ کا جسم، پسینہ اور اعضا تمام خوشبوؤں سے زیادہ خوشبو دار تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

"میں نے کبھی کوئی عنبر یا مشک یا کوئی ایسی خوشبو نہیں سونگھی جو رسول اللہ ﷺ کی خوشبو سے بہتر ہو۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "آپ ﷺ کسی راستے سے تشریف لے جاتے اور آپ کے بعد کوئی اور گزرتا تو آپ ﷺ کی خوشبو کی وجہ سے ضرور جان جاتا کہ آپ یہاں سے گزرے ہیں۔"

آپ ﷺ کسی آدمی سے مصافحہ فرماتے تو وہ دن بھر اس کی خوشبو محسوس کرتا۔ اور آپ ﷺ کسی بچے کے سر پر اپنا ہاتھ پھیرتے تو اس کی خوشبو کی وجہ سے وہ بچوں کے درمیان پہچان لیا جاتا۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے آپ کا پسینہ ایک شیشی میں محفوظ کر رکھا تھا۔ اسے خوشبو میں ڈالتی تھیں کیونکہ وہ سب سے عمدہ خوشبو تھی۔

رفتار

رسول اللہ ﷺ بہت تیز رفتار تھے۔ بازار میں چلنے والے شخص کی رفتار سے چلتے تھے۔ درماندہ اور سست نہ تھے۔ کوئی آپ کا ساتھ نہ پکڑ پاتا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"میں نے کسی کو رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر تیز رفتار نہیں دیکھا، گویا زمین آپ کے لیے لپیٹ دی جاتی تھی۔ ہم تو اپنے آپ کو تھکا مارتے اور آپ بے پروائی سے چلتے رہتے تھے۔"

آپ ﷺ جب قدم رکھتے تو پورا قدم رکھتے۔ تلوے میں گہرائی نہ تھی اور جب مڑتے تو پورے مڑتے، سامنے ہوتے تو مکمل اور پیچھے مڑتے تو مکمل، چلتے تو جھٹکے سے اٹھتے اور یوں چلتے گویا ڈھلوان سے اتر رہے ہیں، پھر جھٹکے سے پاؤں اٹھاتے اور نرمی سے چلتے۔

آواز اور گفتگو

رسول اللہ ﷺ کی آواز میں ہلکا سا بھاری پن تھا اور آپ شیریں گفتار اور باوقار تھے۔

خاموش رہتے تو باوقار اور گفتگو کرتے تو پرکشش۔ بول ایسے کہ گویا لڑی سے موتی جھڑ رہے ہیں۔ بات شروع کرتے تو اس کا پورا احاطہ کر کے ختم فرماتے۔ گفتگو دوٹوک ہوتی، نہ مختصر نہ فضول۔ ہر حرف واضح ہوتا۔ آپ ﷺ فصیح وبلیغ اور رواں طبیعت تھے۔ نکھرے ہوئے کلمات بولتے۔ کوئی شخص، خواہ کیسا ہی فصیح وبلیغ ہوتا آپ کی ہمسری نہ کر سکتا۔ آپ ﷺ کو حکمت اور دوٹوک خطاب کے ساتھ جامع کلمات عطا کیے گئے تھے۔

اخلاق کی ایک جھلک

رسول اللہ ﷺ کے چہرے پر ہمیشہ بشاشت ہوتی۔ سہل خو اور نرم پہلو تھے، جفا جو اور سخت خو نہ تھے۔ بازاروں میں اونچی آواز نہ لگاتے۔ سب سے زیادہ تبسم فرماتے۔ غصے سے سب سے زیادہ دور اور رضا میں سب سے آگے۔ دو کاموں میں جو زیادہ آسان ہوتا اسی کو اپناتے بشرطیکہ وہ گناہ کا کام نہ ہو، اگر گناہ کا کام ہوتا تو پھر اُس سے سب سے زیادہ دور ہوتے۔ اپنے لیے کبھی انتقام نہ لیا، البتہ اللہ کی حرمت پامال کی جاتی تو اس کے لیے انتقام لیتے۔

رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ سخی، سب سے کریم، سب سے بہادر، سب سے شہ زور، اذیت پر سب سے بڑھ کر صبر کرنے والے، سب سے زیادہ باوقار اور سب سے بڑھ کر حیا دار تھے۔ کوئی چیز ناپسند فرماتے تو چہرے پر اس کے آثار دیکھے جاتے۔ اپنی نظر کسی کے چہرے پر جماتے نہ ناپسندیدگی کے ساتھ کسی کا سامنا کرتے۔

سب سے زیادہ عادل، پاک نفس وپاک دامن، سچائی کے علم بردار اور بڑے امانت دار تھے۔ نبوت سے پہلے ہی امین کے لقب سے مشہور تھے۔ سب سے زیادہ متواضع اور تکبر سے دور تھے۔ سب سے بڑھ کر عہد کے پاس دار، صلہ رحم، سب سے عظیم شفقت ورحمت والے، سب سے عمدہ معاشرت وادب والے، سب سے زیادہ کشادہ اخلاق، فحش اور لعنت ملامت سے سب سے زیادہ دور، جنازوں میں تشریف لے جاتے، فقراء ومساکین کے ساتھ بیٹھتے،

غلام کی دعوت قبول کرتے، کھانے اور لباس میں ان پر برتری نہ اختیار فرماتے۔ جو آپ ﷺ کی خدمت کرتا آپ خود اس کی خدمت فرماتے۔ اپنے خادم پر عتاب نہ کرتے، یہاں تک کہ کبھی اسے اف تک نہ کہا۔[1] غرض آپ ﷺ کے اوصاف کو احاطۂ بیان میں لانا ممکن نہیں، لہٰذا اسی مختصر بیان پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا ہے کہ اس حقیری پونجی کو قبول فرمائے اور ہمیں سید المرسلین اور امام الانبیاء والمتقین، خیر خلائق محمد ﷺ کی پیروی کی توفیق دے۔ اے اللہ! تو نبی ﷺ پر، آپ کی آل پر اور آپ کے اصحاب پر درود و سلام بھیج اور ہمیں قیامت کے روز آپ کے پرچم کے نیچے جگہ نصیب فرما۔ آمین! یا رب العالمین!

دوشنبہ 11 شوال سنہ 1415 ہجری

[1] آپ ﷺ کے صفات و اخلاق کا یہ خاکہ حسب ذیل مآخذ سے جمع کیا گیا ہے: صحیح البخاري، المناقب، باب صفة النبيﷺ، وصحيح مسلم، الفضائل، باب في صفة النبيﷺ، وجامع الترمذي، أبواب المناقب عن رسول اللهﷺ، وشمائل ترمذی، ومسند دارمی، والمستدرك للحاكم، وشرح السنه للبغوي، ومشكوٰة المصابيح، وسيرت ابن هشام، وطبقات ابن سعد، وتهذيب تاريخ دمشق، والشفاء قاضی عياض، وزادالمعاد، وخلاصة السير، والبدايه والنهايه۔